فہرست آخر میں ملاحظہ فرمائیں

اداریہ............

جامعہ نظامیہ رضویہ اور امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ

معمارِ جامعہ نظامیہ رضویہ مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی علیہ الرحمہ نے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کے دو عظیم فیض یافتگان، مفتیٔ اعظم پاکستان علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری اور محدثِ اعظم پاکستان علامہ سردار احمد چشتی قادری علیہما الرحمہ، سے تلمذ کا شرف پایا اور مؤخر الذکر کے دستِ اقدس پر بیعت کا شرف بھی حاصل کیا۔

مفتیٔ اعظم پاکستان کو فروغ مسلکِ رضا سے دیوانگی کی حد تک لگاؤ تھا اور خانوادۂ اعلیٰ حضرت کے تمام حضرات بھی مفتیٔ اعظم پاکستان اور جامعہ نظامیہ رضویہ پر بھرپور شفقت فرماتے۔ شہزادۂ اعلیٰ حضرت مفتیٔ اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان علیہ الرحمہ نے آپ کو خلافت و اجازت کا شرف بھی عطا کیا۔

خاندان اعلیٰ حضرت کے متعدد علما جامعہ نظامیہ رضویہ میں رونق افروز ہوئے اور دادِ تحسین سے نوازا۔ ۱۶ رجب ۱۴۰۳ھ/30 اپریل 1983ء کو اعلیٰ حضرت کے پڑپوتے تاج الشریعہ مفتی اختر رضا خان علیہ الرحمہ جامعہ میں تشریف لائے اور اپنے خطاب کے دوران فرمایا: ''میں نے کئی مدارس کا دورہ کیا ہے، جامعہ نظامیہ کو سب سے ممتاز پایا۔'' اِس سے قبل آپ کے بڑے بھائی ریحانِ ملت، شیخ الحدیث علامہ ریحان رضا خاں اور اُن کے صاحبزادے مولانا توصیف رضا خان صاحب بھی جامعہ میں رونق افروز ہوئے۔

مفتیٔ اعظم پاکستان علیہ الرحمہ نے فروغِ فکر رضا کے لیے ماہر افراد کی کھیپ تیار کرنے کے ساتھ ساتھ اُنھیں منظم کرنے کے لیے مختلف تنظیمات، مثلاً بزمِ رضا اور مجلس علمائے نظامیہ پاکستان بھی قائم کیں۔ آپ نے کتبِ اعلیٰ حضرت کی اِشاعت کے لیے قائم

کیے گئے اِداروں، مثلاً مجلس رضا، رضا اکیڈمی اور اِدارہ تحقیقات امام احمد رضا سے بھرپور تعاون کرنے کے ساتھ ساتھ بالخصوص فتاوی رضویہ کی اِشاعت کے لیے "رضا فاؤنڈیشن" کے نام سے جامعہ نظامیہ رضویہ میں ایک اِدارہ قائم کیا، جس نے اعلیٰ حضرت کی متعدد کتب نہایت عمدہ اندازِ طباعت کے ساتھ شائع کیں اور بعض کتابوں کی طباعت میں بیروت کے معیار کو بھی پیش نظر رکھا۔ رضا فاؤنڈیشن کے تحت "فتاوی رضویہ" کے علاوہ درج ذیل کتب زیورِ طباعت سے آراستہ ہو چکی ہیں:

☆ الدولة المكيّة بالمادّة الغيبيّة ☆ إنباء الحيّ أن كلامه المصون تبيان لكلّ شيء ☆ الرسائل ☆ الدعوة إلى الفكر ☆ بركات الإمداد لأهل الاستمداد ☆ حيات الموات في سماع الأموات ☆ الإجازات المتينة لعلماء بكة والمدينة ☆ حسام الحرمين على منحر الكفر والمين ☆ كفل الفقيه الفاهم في أحكام قرطاس الدراهم ☆ حیاتِ محدث اعظم پاکستان وغیرہ۔

۲۰ صفر المظفر ۱۴۴۰ھ بمطابق 30 اکتوبر 2018ء کو مجلس علمائے نظامیہ پاکستان کے صدرِ گرامی شیخ الحدیث ڈاکٹر فضل حنان سعیدی مدظلہٗ کی صدارت میں مجلس عاملہ کا اِجلاس منعقد ہوا، جس میں فیصلہ کیا گیا کہ صد سالہ عرس اعلیٰ حضرت کی مناسبت سے مجلس کے زیر اہتمام "النظامیہ" کا "امام احمد رضا نمبر" شائع کیا جائے گا، جو اِس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ نمبر نامور سُنّی قلمکاروں کے قدیم و جدید وقیع مضامین پر مشتمل ہے۔ قدیم مضامین کے حوالہ جات کو جدید نسخوں کے مطابق کر دیا گیا ہے اور حسبِ ضرورت معمولی ترمیم بھی کی گئی ہے۔

دعا ہے کہ باری تعالیٰ اکابرِ اہل سنت کا سایہ ہمارے سروں پر تا دیر باصحت سلامت رکھے اور ہماری اِس کاوش میں شریک تمام حضرات کی مساعی کو شرف قبول سے نوازے۔

تم ہو سراپا شمع ہدایت مُحیِٔ سُنّت اعلیٰ حضرت

کلام: شہزادۂ اعلیٰ حضرت، مفتیٔ اعظم ہند، مولانا مصطفیٰ رضا خان رحمۃ اللہ علیہ

تم ہو سراپا شمع ہدایت محی سنّت اعلیٰ حضرت
تم ہو ضیائے دین و ملت محی سنّت اعلیٰ حضرت
بحر علم وچشمۂ حکمت محی سنّت اعلیٰ حضرت
ہو دریائے فیض ورحمت محی سنّت اعلیٰ حضرت
کر دی زندہ سنّتِ مردہ دین نبی فرمایا تازہ
مولیٰ مجددِ دین و ملت محی سنّت اعلیٰ حضرت
اُس سے راضی رب و نبی ہو جس سے آقا تم راضی ہو
تم ہو رِضائے حضرت عزت محی سنّت اعلیٰ حضرت
کیوں نہ بجے عالم میں ڈنکا آپ کے علم وفضل کا آقا
تم نے بجائی دین کی نوبت محی سنت اعلیٰ حضرت
مرکزِ حلقۂ اہل سنت معدنِ علم و فضل وکرامت
منبعِ فیضِ شاہِ رسالت محی سنّت اعلیٰ حضرت
پھوٹ رہے ہیں تخم بدعت پھول رہی ہے شاخ ضلالت
رہبر امت شیخِ طریقت محی سنّت اعلیٰ حضرت
زیرِ قدم تھے ہم جو تمہارے گویا جنت میں تھے سارے
تم جو سدھارے راہِ جنت محی سنّت اعلیٰ حضرت
ہو گئی دنیا دوزخ گویا ہجر کی تپ نے ایسا پھونکا
جلوہ دکھا دو دور ہو فرقت محی سنّت اعلیٰ حضرت
تم وہ مجسم نورِ ہدایت دور ہے جس کے دم سے ظلمت
ہادیٔ ملت ماحیِ بدعت محی سنّت اعلیٰ حضرت

والدِ اعلیٰ حضرت مولانا نقی علی خان علیہ الرحمہ

تحریر: شرف ملت، شیخ الحدیث مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ

سابق شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

رئیس المتکلمین قدوۃ المتقین مولانا نقی علی خاں، ابن عارف باللہ مولانا رضا علی خاں قدس سرہما ماہِ رجب ۱۲۴۶ھ/1830ء میں محلّہ ذخیرہ، بریلی شریف میں پیدا ہوئے۔(1)

آپ کے آباء واجداد قندھار کے معزز قبیلہ بڑھیچ کے پٹھان تھے، جو شاہانِ مغلیہ کے دور میں لاہور آئے اور مقتدر عہدوں پر فائز رہے۔ لاہور کا شیش محل انھیں کی جاگیر تھا۔(2)

آپ کے والد ماجد مولانا رضا علی خاں (متوفی ۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۲۸۲ھ/1866ء) (3) اپنے دور کے نامور عالم اور عارف باللہ بزرگ تھے۔

حضرت مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمہ نے اپنے والدِ ماجد سے علوم دینیہ کی تحصیل اور تکمیل کی۔(4) ۱۲۹۴ھ/1877ء میں اپنے فرزند ارجمند اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی کے ساتھ حضرت شاہ آل رسول مارہروی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دونوں حضرات شرفِ بیعت و خلافت سے مشرف ہوئے۔(5) حضرت شیخ نے تمام سلاسل جدیدہ وقدیمہ کی اِجازت و خلافت اور حدیث کی سند عطا فرمائی۔ ۱۲۹۵ھ/1878ء میں حرمین شریفین کی زیارت اور حج کی سعادت حاصل کی۔ اسی موقع پر سید احمد زینی دحلان سے تبرکاً سند حدیث حاصل کی۔(6)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو گوناگوں صفات سے نوازا تھا۔ امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

''بحمد اللہ! منصبِ شریف علم کا پایہ ذُروہ علیا کو پہنچایا۔

ع راست می گویم ویزداں نہ پسند دجز راست

کہ جو دِقّتِ انظار وحِدّتِ افکار وفہمِ صائب ورائے ثاقب حضرت حق جلّ وعلا نے اُنھیں عطافرمائی، اِن دیار وامصار میں اُس کی نظیر نظر نہ آئی۔ فراستِ صادقہ کی یہ حالت تھی کہ جس معاملہ میں جو کچھ فرمایا وہی ظہور میں آیا۔ عقلِ معاش ومعاد دونوں کا بروجہ کمال اجتماع بہت کم سنا، یہاں آنکھوں دیکھا۔ علاوہ بریں سخاوت وشجاعت وعلوِّ ہمت وکرم ومروّت وصدقات خفیّہ ومبرات جلیہ وبلندیٔ اقبال ودبدبۂ جلال وموالات فقرا، وامر دینی میں عدم مبالات باغنیا، حکام (7) سے عزلت، رزق موروث پر قناعت وغیر ذلک، فضائل جلیلہ وخصائل جمیلہ کا حال وہی کچھ جانتا ہے جس نے اس جناب کی برکتِ صحبت سے شرف پایا ہے۔'' (8)

اللہ تعالیٰ کی محبت اور نبی کریم ﷺ سے والہانہ عقیدت تو اس خاندان کا طرۂ امتیاز ہے۔ اُس زمانے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ایک اثر کی بنا پر یہ مسئلہ، معرکۃ الآراء بنا ہوا تھا کہ باقی چھ زمینوں پر نبی اکرم ﷺ کی مثل انبیاء ہوئے ہیں یا نہیں؟ ایک گروہ بڑی شدومد سے اِن چھ مثالوں کو مان رہا تھا، جب کہ حضرت مولانا نقی علی خان اور اُن کے ہم مسلک علمائے اہل سنت کا موقف تھا کہ یہ عقیدہ قطعی غلط ہے اور اثرِ ابن عباس سے استدلال کرنا غلط ہے۔ اِس سلسلے میں آپ نے ماہِ شعبان ۱۲۹۲ھ / 1875ء کو ''اِصلاح ذات البین'' (۱۲۹۲ھ) کے نام سے مناظرہ کا اشتہار شائع کیا، لیکن فریق مخالف کی طرف سے کوئی مناظرہ کے لیے تیار نہ ہوا۔ (9)

آپ کی کوششوں سے یہ فتنہ ایسا سر دہوا کہ پھر سر نہ اُٹھا سکا۔

تمام عمر شریف علومِ دینیہ کی تعلیم و تدریس اور تصنیف و تالیف میں صرف فرمائی۔

حافظ الملک حافظ رحمت خان بہادر کے نبیرہ نواب نیاز احمد خان ہوش فرماتے ہیں:

اکثر اشخاص کو تعلیمِ علم کا شوق دلاتے ہیں۔ اپنا وقت دینیات کے پڑھانے میں بہت صرف فرماتے ہیں۔ ہنگامِ کلام، علوم کا دریا بہہ جاتا ہے۔ ''اَلْعَالِمُ اِذَا تَکَلَّمَ فَھُوَ بَحْرٌ یَمُوْجُ'' کا مضمون اُنھیں کی ذاتِ مجمعِ حسنات پر صادق آتا ہے۔ کسی نحو، کسی علم میں عاری نہیں۔ ہر علم میں دخل معقول ہونا بجز عنایتِ باری نہیں۔ اُمورِ خیر میں اپنے اوقاتِ عزیز صرف کرنے میں دشواری نہیں۔ مسائلِ مشکلۂ معقول نے اُن کے سامنے مرتبۂ حضوری پایا۔ منقول میں بدونِ حوالۂ آیت و حدیث کلام نہ کرنا اُن کا ایک قاعدۂ کلی نظر آیا۔ اُن کے حضور اکثر منطقی اپنے لیے قیاس و شعور کے موافق صغرائے ثنا اور کبرائے مدح، شکل بدیہی الانتاج بنا کر دعوائے توصیف کو ثابت کر دکھاتے ہیں۔ آخر الامر نتیجہ نکالتے وقت یہ شعر زبان پر لاتے ہیں:

کیا عجب مدرسۂ علم میں اِس عالم کے
شمس آ کر سبق شمسیہ پڑھتا ہو اگر (10)

آپ کے تلامذہ کے اسمائے گرامی معلوم نہ ہو سکے، لیکن صرف آپ کے فرزندانِ ارجمند امام احمد رضا بریلوی، مولانا حسن رضا خاں بریلوی اور مولانا محمد رضا خاں بریلوی کے نام ہزاروں شاگردوں کی فہرست پر بھاری ہیں۔

تصانیف:

آپ کی تصانیف آپ کے تبحرِ علمی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ اندازِ بیاں ناصحانہ اور

دلنشین ہے۔امام رازی کا تبحر اور امام غزالی کا پُرسوز لب ولہجہ قاری کے دل ودماغ دونوں کو اپیل کرتا ہے۔آپ کا اِصلاحی لٹریچر اِس لائق ہے کہ اُس کی زیادہ سے زیادہ اِشاعت کی جائے۔درج ذیل تصانیف آپ سے یادگار ہیں:

☆ الکلام الأوضح فی تفسیر سورۃ الم نشرح۔۴۳۸صفحات پر مشتمل یہ کتاب سورۂ الم نشرح کی تفسیر،مسائل دینیہ اور سیرت سید عالم ﷺ پر مشتمل ہے۔

☆ وسیلۃ النجاۃ. نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ۔

☆ سرور القلوب بذکر المحبوب.

☆ جواھر البیان فی أسرار الأرکان. ارکان اسلام:نماز،روزہ،زکوۃ اور حج کے فضائل اور اسرار پر بے مثل کتاب ہے۔کئی سال پہلے مکتبہ حامدیہ،لاہور نے شائع کی تھی۔ کاش کوئی ادارہ جدید کتابت اور مکمل تصحیح کے ساتھ اِسے شائع کردے تو یہ بڑی دینی خدمت ہوگی۔امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے اِس کے اڑھائی صفحات کی شرح میں ایک مبسوط کتاب "زواھر الجنان من جواھر البیان "لکھی تھی،جس کا تاریخی نام "سلطنۃ المصطفٰی فی ملکوت کلّ الورٰی "ہے۔

☆ اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد .اِس میں ایسے قواعد دلائل سے ثابت کیے ہیں جو مسلک اہل سنت وجماعت کی حقانیت اور نجدیت کا بطلان ظاہر کرتے ہیں۔

☆ ھدایۃ البریّۃ الی الشریعۃ الأحمدیۃ. دس فرقوں کا حکیمانہ ردّ۔

☆ اذاقۃ الاثام لمانعی عمل المولد و القیام. میلا دشریف اور قیام کے منکرین کا ردّ۔یہ کتاب امام احمد رضا بریلوی کی شرح "رشاقۃ الکلام فی شرح اذاقۃ الاثام" کے ساتھ مطبع اہل سنت،بریلی سے چھپ چکی ہے۔

☆ فضل العلم و العلماء. موضوع نام ہی سے ظاہر ہے۔ یہ رسالہ متعدد بار چھپ چکا ہے۔

☆ ازالة الأوهام. ردّ نجدیہ۔

☆ تزكية الايقان. تقویۃ الایمان کا رد۔

☆ الكواكب الزهراء فی فضائل العلم و العلماء. علم کے فضائل اور آدابِ علماء کے موضوع پر۔ اس رسالہ کی احادیث کی تخریج امام احمد رضا بریلوی نے فرمائی جس کا نام "النجوم الثواقب فی تخريج أحاديث الكواكب" ہے۔

☆ الرواية الرويّة فی الأخلاق النبوية. نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمہ

☆ النقادة النقويّة فی الخصائص النبوية. خصائص مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

☆ لمعة النبراس فی آداب الأكل و اللباس. کھانے پینے اور لباس کے آداب۔

☆ التمكّن فی تحقيق مسائل التزيّن. زیب و زینت کے مسائل۔

☆ أحسن الوعاء فی آداب الدعاء. یہ رسالہ امام احمد رضا بریلوی کی شرح "ذیل المدعا لأحسن الوعاء" کے ساتھ کئی مرتبہ چھپ چکا ہے۔

☆ خير المخاطبة فی المحاسبة و المراقبة. محاسبۂ نفس اور مراقبہ کے مسائل۔

☆ هداية المشتاق الی سير الأنفس و الآفاق. سیرِ نفس اور سیرِ کائنات کی تفصیلات اور مسائل۔

☆ ارشاد الأحباب الی آداب الاحتساب. طلبِ ثواب اور اُس کے آداب۔

☆ أجمل الفكر فی مباحث الذكر. ذکر کے مسائل۔

☆ عين المشاهدة لحسن المجاهدة. مجاہدۂ نفس کے مباحث۔

☆ تشوّق الأوّاه الى طريق محبة اللّٰه. محبتِ الٰہی کا طریقہ اور اس راہ کے تقاضے۔

☆ نهاية السعادة فی تحقيق الهمة و الارادة. ہمت اور ارادہ کے معنی کی تحقیق۔

☆ أقوى الذريعة الى تحقيق الطريقة والشريعة. شریعت وطریقت کا باہمی تعلق۔

☆ ترويح الأرواح فی تفسير سورة الانشراح .(11)

حج وزیارت:

خواب میں نبی اکرم ﷺ نے طلب فرمایا۔ باوجود بیماری اور کمزوری کے چند احباب کے ہمراہ رختِ سفر باندھا اور سوئے حرم روانہ ہو گئے۔ کچھ عقیدت مندوں نے علالت کے پیشِ نظر مشورہ دیا کہ یہ آئندہ سال پر ملتوی کر دیجیے۔ فرمایا:

''مدینہ طیبہ کے قصد سے قدم دروازہ سے باہر رکھوں۔ پھر چاہے روح اُسی وقت پرواز کر جائے۔''

محبوب کریم ﷺ نے اپنے فدائی کے جذبہ محبت کی لاج رکھ لی اور خواب ہی میں ایک پیالے میں دوا عنایت فرمائی، جس کے پینے سے اِس قدر افاقہ ہو گیا کہ مناسک حج کی ادائیگی میں رکاوٹ نہ رہی۔ (12)

سفرِ آخرت:

حدیث شریف میں ہے: ''جو شخص پیٹ کے مرض میں مبتلا ہو کر فوت ہوا، وہ شہید ہے۔'' اِس حدیث کے مطابق حضرت مولانا نقی علی خاں نے شہادتِ معنوی کا مقام پایا؛ کیونکہ خونی اِسہال کے عارضے میں بروز جمعرات، بوقت ظہر، ماہ ذیقعدہ کے آخر ۱۲۹۷ھ / 1880ء میں آپ کا وصال ہوا، اور والد ماجد کے پہلو میں محو استراحت ابدی

ہوئے۔رحمہما اللہ تعالی۔(13)

وصال کے دن صبح کی نماز پڑھ لی تھی ظہر کا وقت ابھی باقی تھا کہ پیغام اجل آ گیا۔ حاضرین نے مشاہدہ کیا کہ آخری وقت بار بار سلام کہتے تھے۔پھر اعضاءِ وضو پر اس طرح ہاتھ پھیرا جیسے وضو کر رہے ہوں۔یہاں تک کہ ناک میں پانی ڈالا گویا اپنے طور پر وہ ظہر کی نماز بھی ادا کر گئے۔

امام احمد رضا خاں بریلوی آخری لمحات کی چشم دید کیفیت بیان کرتے ہیں:

''جس وقت رُوح پر فتوح نے جدائی فرمائی فقیر سر ہانے حاضر تھا۔ واللہ العظیم! ایک نورِ ملیح علانیہ نظر آیا کہ سینہ سے اُٹھ کر برق تابندہ کی طرح چہرہ پر چمکا اور جس طرح لمعانِ خورشید آئینہ میں جنبش کرتا ہے۔یہ حالت ہو کر غائب ہو گیا۔اس کے ساتھ ہی روح بدن میں نہ تھی۔ پچھلا کلمہ کہ زبانِ فیض ترجمان سے نکلا لفظ ''اللہ'' تھا وبس! اور اخیر تحریر کہ دستِ مبارک سے ہوئی'' **بسم اللہ الرحمن الرحیم**'' تھی کہ انتقال سے دو روز پہلے ایک کاغذ پر لکھی تھی۔(14)

وصال کے بعد امام احمد رضا خاں بریلوی نے خواب میں دیکھا کہ حضرت پیر و مرشد آل رسول مارہروی، حضرت مولانا نقی علی خاں کے مزار پر تشریف لائے۔عرض کیا: حضور! یہاں کہاں؟ فرمایا: ''آج سے یہاں رہا کریں گے۔''(15)

حواشی

1 ...... محمود احمد قادری، مولانا شاہ، تذکرۂ علمائے اہل سنت، خانقاہ قادریہ، بہار، ص: 251

2 ...... ظفر الدین بہاری، مولانا، حیات اعلیٰ حضرت (مکتبہ رضویہ، کراچی) ج:1، ص:2

3 ......رحمان علی، مولانا، اردو ترجمہ تذکرہ اولیائے ہند (پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی) ص:193

4 ...... ظفر الدین بہاری، مولانا، حیات اعلیٰ حضرت، ج:1، ص:6

5 ...... ایضا،ص:8

6 ...... رحمان علی، مولانا، تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ) ص:530

7 ...... اُس وقت ہندوستان پر انگریز کی حکومت تھی، حضرت مولانا نقی علی خان کا اِن کے ساتھ کوئی تعلق نہ تھا۔۱۲ قادری

8 ...... احمد رضا خان بریلوی، امام، جواہر البیان (مکتبہ حامدیہ، لاہور) ص:6,7

9 ...... ظفر الدین بہاری، مولانا، حیات اعلیٰ حضرت، ج:1، ص:7

10 ...... نیاز احمد خان ہوش، نواب، تقریظ سرور القلوب (نولکشور، لکھنؤ) ص:4

11 ...... ظفر الدین بہاری، مولانا، حیات اعلیٰ حضرت، ج:1، ص:7,8

12 ...... ایضا، ج:1، ص:8,9

13 ...... ایضا، ج:1، ص:9 14 ...... ایضا 15...... ایضا

امام احمد رضا کی سوانح زندگانی اُنہی کی زبانی

تحریر: مبلغ یورپ مولانا ابراہیم خوشتر قادری رضوی

ولادت:

۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ، روزِ شنبہ، بوقت ظہر، مطابق 14 جون 1856ء کو ہوئی۔ (1)

آثار کرامت:

میں اپنی مسجد کے سامنے کھڑا تھا، اُس وقت میری عمر ساڑھے تین سال کی ہوگی۔ ایک صاحب اہلِ عرب کے لباس میں ملبوس جلوہ فرما ہوئے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ عربی ہیں۔ اُنھوں نے مجھ سے عربی زبان میں گفتگو فرمائی میں نے فصیح عربی زبان میں اُن سے گفتگو کی۔ (2)

اندازِ تعلیم:

میرے اُستاذ، جن سے میں ابتدائی کتاب پڑھتا تھا، جب مجھے سبق پڑھا دیا کرتے ایک دو مرتبہ میں سن دیکھ کر کتاب بند کر دیتا۔ جب سبق سنتے تو حرف بحرف لفظ بلفظ سنا دیتا۔ روزانہ یہ حالت دیکھ کر سخت تعجب کرتے۔ ایک دن مجھ سے فرمانے لگے: احمد میاں! یہ تو کہو کہ تم آدمی ہو یا فرشتہ؛ کہ مجھ کو پڑھاتے دیر لگتی ہے مگر تم کو یاد کرتے دیر نہیں لگتی؟ (3)

سن فراغت:

میں نے جب پڑھنے سے فراغت پائی اور میرا نام فارغ التحصیل علما میں شمار ہونے لگا اور یہ واقعہ نصف شعبان 1869ء/۱۲۸۶ھ کا ہے، اُس وقت میں تیرہ سال، دس ماہ، پانچ

دن کا تھا۔ اسی روز مجھ پر نماز فرض ہوئی اور میری طرف شرعی احکام متوجہ ہوئے اور یہ حسنِ فال ہے کہ میری تاریخ فراغت لفظ "غفور" (۱۲۸٦ھ) اور زُبُر، بیِّنہ (4) میں لفظ "تعویذ" (۱۲۸٦ھ) میں ہے۔ جیسا کہ میری تاریخ ولادت "المختار" میں ہے۔ (5)

مدت تربیت:

ردّ وہابیہ اور افتاء، یہ دونوں ایسے فن ہیں کہ طب کی طرح یہ بھی صرف پڑھنے سے نہیں آتے۔ اِن میں بھی طبیب حاذق کے مطب میں بیٹھنے کی ضرورت ہے۔ میں بھی ایک حاذق طبیب کے مطب میں سات برس بیٹھا۔ مجھے وہ وقت، وہ دن، وہ جگہ، وہ مسائل اور جہاں سے وہ آئے تھے اچھی طرح یاد ہیں۔ (6)

اشواق واشغال:

میرے وہ فنون جن کے ساتھ مجھے پوری دلچسپی حاصل ہے، جن کی محبت، عشق شیفتگی کی حد تک نصیب ہوئی ہے، وہ تین ہیں اور تینوں بہت اچھے ہیں:

1۔ سب سے پہلا، سب سے بہتر، سب سے اعلیٰ، سب سے قیمتی فن یہ ہے کہ رسولوں کے سردار (صلوات اللہ وسلامہٗ علیہ وعلیہم اجمعین) کی جناب پاک کی حمایت کے لیے اُس وقت کمر بستہ ہو جاتا ہوں جب کوئی کمینہ وہابی گستاخانہ کلام کے ساتھ آپ کی شان میں زبان دراز کرتا ہے۔ میرے پروردگار نے اسے قبول فرمالیا تو وہ میرے لیے کافی ہے۔ مجھے اپنے رب کی رحمت سے امید ہے کہ وہ قبول فرمائے گا؛ کیوں کہ اُس کا اِرشاد ہے کہ میرا بندہ میرے بارے جو گمان رکھتا ہے میں اُس کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ فرماتا ہوں۔

2۔ پھر دوسرے نمبر پر وہابیوں کے علاوہ اُن تمام بدعتیوں کے عقائد باطلہ کا رد کر کے اُنھیں

گزند پہنچا تا رہتا ہوں، جو دین کے مدعی ہونے کے باوجود دین میں فساد ڈالتے رہتے ہیں۔

3۔ پھر تیسرے نمبر پر بقدرِ طاقت، مذہب حنفی کے مطابق فتوی تحریر کرتا ہوں، وہ مذہب جو مضبوط بھی ہے اور واضح بھی۔ تو یہ تینوں میری پناہ گاہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اِنہی پر میرا بھروسہ ہے۔ (7)

شرف بیعت:

میں روتا ہوا دوپہر کو سو گیا۔ حضرت جد امجد رضی اللہ تعالی عنہ تشریف لائے اور ایک صندوقچی عطا فرمائی اور فرمایا: عنقریب آنے والا ہے وہ شخص جو تمہارے دردِ دل کی دوا کرے گا۔ دوسرے یا تیسرے روز حضرت مولانا عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ بدایوں سے تشریف لائے اور اپنے ساتھ مارہرہ شریف لے گئے۔ وہاں جا کر شاہ آل رسول مارہروی رحمۃ اللہ تعالی علیہ سے شرف بیعت حاصل کیا۔ (8)

پہلا حج:

پہلی بار کی حاضری حضرات والدین ماجدین رحمۃ اللہ تعالی علیہما کے ہمرکاب تھی۔ اس وقت مجھے تیئسواں (۱۲۹۵ھ /1878ء) سال تھا۔ (9)

پہلا فتوی:

بحمدہٖ تعالی فقیر نے ۱۴ شعبان ۱۲۸۶ھ /1869ء، تیرہ برس کی عمر میں پہلا فتوی لکھا تھا۔ (10)

فتوی نویسی کی خدمت:

۱۴ شعبان ۱۳۳۶ھ کو اس فقیر کو فتوی لکھتے ہوئے بحمدہٖ تعالی پورے پچاس سال

ہوں گے۔ (اور یہ سلسلہ یوم وصال ۱۳۴۰ھ پورے چون سال تک جاری رہا) (11)

دوسرا اور آخری حج:

مدینہ طیبہ کی دوبارہ حاضری کے وقت (۱۳۲۳ھ/1905ء) میری عمر اکیاون برس، پانچ مہینے کی تھی۔ (12)

حرم مکہ میں امامت:

مکہ کے جلیل علمائے حنفیہ، مثل مولانا شیخ کمال مفتیٔ حنفیہ و مولانا سید اسماعیل محافظِ کتب حرم حنفی وقت پر اپنی جماعت کرتے، جس میں وہ اکابر اِس فقیر کو امامت پر مجبور فرماتے۔ (13)

ماں کی محبت:

(حج کے لیے) چلتے وقت جس لگن (برتن) میں، میں نے وضو کیا تھا، اُس کا پانی میری واپسی تک نہ پھینکنے دیا کہ اُس (احمد رضا) کے وضو کا پانی ہے۔ (14)

اعداء اللہ سے نفرت

بحمدہٖ تعالیٰ بچپن سے مجھے نفرت ہے اعداء اللہ سے اور میرے بچوں کے بچوں کو بھی بفضل اللہ تعالیٰ عداوتِ اعداء اللہ گھٹی میں پلادی گئی ہے۔ (15)

مال سے محبت کا معیار:

الحمد للہ کہ میں نے مال من حیث ھو مال سے کبھی محبت نہ رکھی۔ صرف اِنفاق فی سبیل اللہ کے لیے اس سے محبت ہے۔ (16)

عشق رسالت:

بحمداللہ اگر قلب کے دوٹکڑے کیئے جائیں تو خدا کی قسم ایک پر لکھا ہوگا: "لا اِلٰـہ الا اللّٰہ"، دوسرے پر لکھا ہوگا: "محمدٌ رّسول اللّٰہ" صلی اللہ تعالی علیہ وسلم۔ (17)

اپنی خبر رحلت:

۳ رمضان ۱۳۳۹ھ/10 مئی 1921ء انتقال سے چار ماہ 22 دن قبل آپ نے اِس آیۂ کریمہ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّ اَكْوَاب سے اپنی رحلت کی خبر دی۔ (18)

پندو نصیحت کی آخری مجلس رشد و ہدایت:

اے لوگو! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھولی بھالی بھیڑیں ہو اور بھیڑیے تمہارے چاروں طرف ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ تمہیں بہکائیں، تمہیں فتنہ میں ڈال دیں، تمہیں اپنے ساتھ جہنم میں لے جائیں۔ اُن سے بچو اور دور بھاگو۔ دیوبندی، رافضی، نیچری، قادیانی، چکڑالوی یہ سب فرقے بھیڑیے ہیں۔ تمہارے ایمان کی تاک میں ہیں۔ اُن کے حملوں سے ایمان کو بچاؤ۔ (19)

شہید محبت کی دنیا سے رحلت:

آپ نے وصیت نامہ تحریر کرایا، پھر خود ہی اس پر عمل کرایا۔ وصال شریف کے تمام کام اِرشاد کے مطابق گھڑی دیکھ کر انجام دیے جاتے رہے۔

آپ نے ایک بج کر 56 منٹ پہ وقت معلوم کیا اور ارشاد فرمایا گھڑی کھلی سامنے رکھ دو۔ پھر یکا یک اِرشاد فرمایا: "تصاویر ہٹا دو۔" حاضرین کو خیال ہوا کہ یہاں تصویر کا کیا

کام؟ پھر ارشاد فرمایا: ''یہی کارڈ، لفافہ، روپیہ پیسہ۔''

پھر اپنے صاحبزادے مولانا محمد حامد رضا خان صاحب سے اِرشاد فرمایا: ''وضو کر آؤ، قرآن عظیم لاؤ۔'' ابھی وہ تشریف نہ لائے تھے کہ دوسرے صاحبزادے مولانا شاہ محمد مصطفیٰ رضا خان صاحب سے اِرشاد فرمایا: ''اب بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ سورۂ یٰسین شریف، سورۂ رعد شریف کی تلاوت کرو۔'' آپ نے دونوں سورتیں پوری توجہ سے سنیں۔ جس آیت میں اشتباہ ہوا یا سننے میں پوری نہ آئی یا سبقتِ زبان سے زیر، زبر میں اُس وقت فرق ہوا، خود تلاوت فرما کر بتادی۔

سفر کے وقت کی دعائیں جن کا چلتے وقت پڑھنا مسنون ہے، تمام وکمال بلکہ معمول شریف سے زائد پڑھیں۔ پھر کلمہ طیبہ پورا پڑھا۔

جب اس کی طاقت نہ رہی اور سینے میں دم آیا اُدھر ہونٹوں کی حرکت وذکر پاس انفاس کا ختم ہونا تھا کہ چہرۂ مبارک پر ایک لُمعہ نور کا چمکا، جس میں جنبش تھی، جس طرح آئینہ میں لمعانِ خورشید جنبش کرتا ہے۔

وہ جانِ نور، جسمِ اطہر حضور سے ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ مطابق 28 اکتوبر 1921ء دو بج کر 38 منٹ پر ٹھیک نماز جمعہ کے وقت پرواز کرگئی۔ (20)

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون.

اُنھیں جانا اُنھیں مانا نہ رکھا غیر سے کام
للّٰہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا

حوالہ جات

1...... ملفوظات اعلیٰ حضرت، ص:63، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی، پاکستان

2...... حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد اول، ص:22

3...... حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد اول، ص32

4...... زُبُر و بَیِّنہ اعداد کے حساب کا ایک طریقہ ہے، جس کا قاعدہ یہ ہے کہ لفظ کے تمام حروف کے اعداد جمع کیے جائیں، یہ مجموعۂ اول ہوگا۔ پھر ہر حرف کا تلفظ کریں، تلفظ میں جتنے حروف آئیں ہر پہلے حرف کا عدد چھوڑ کر بقیہ حروف کے اعداد جمع کریں، یہ مجموعۂ ثانیہ ہوگا۔ پھر دونوں مجموعوں کو جمع کر دیں۔ فن کی اصطلاح میں ملفوظ حروف میں پہلے حرف کو زُبُر اور بقیہ کو بَیِّنہ کہتے ہیں۔ النظامیہ۔

5...... الاجازة الرضویه لمبجل مکة البهیة، ص:309

6...... ملفوظات اعلیٰ حضرت، ص:141

7...... ترجمہ الاجازت المتینه لعلماء بکة والمدینة ص:160، 161 مطبوعہ بریلی

8...... ملفوظات اعلیٰ حضرت، ص:412

9...... ایضا ص:181

10...... حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد اول، ص:280۔ ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت، ص:63

11...... حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد اول، ص:280

12...... ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت، ص:182 13...... ایضا ص:84

14...... ایضا، ص:183 15...... ایضا ص:410

16...... ایضا، ص:497 17...... ایضا ص:411

18...... وصایا شریف، ص:13 19...... ایضا ص:15 20...... ایضا ص:16,17

نوٹ: مضمون میں ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت کے قدیم نسخہ کے حوالہ جات تھے۔ ادارہ نے جدید نسخہ کے حوالہ جات ذکر کر دیے ہیں۔

مجدد دِین وملت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی

رحمۃ اللہ علیہ کے ماہ وسال

ترتیب: مسعود ملت، ڈاکٹر محمد مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ

نمبر	واقعہ	ھجری	عیسوی
1	ولادت باسعادت	۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ	14 جون 1856ء
2	ختم قرآن کریم	۱۲۷۶ھ	1860ء
3	پہلی تقریر	ربیع الاول ۱۲۷۸ھ	1861ء
4	پہلی عربی تصنیف	۱۲۸۵ھ	1868ء
5	دستارِ فضیلت	شعبان ۱۲۸۶ھ	1869ء بعمر تیرہ سال دس ماہ، پانچ دن
6	آغازِ فتوی نویسی	۱۴ شعبان ۱۲۸۶ھ	1869ء
7	آغازِ درس وتدریس	۱۲۸۶ھ	1869ء
8	اِزدواجی زندگی	۱۲۹۱ھ	1874ء
9	فرزندِ اکبر مولانا محمد حامد رضا خان کی ولادت	ربیع الاول ۱۲۹۲ھ	1875ء
10	فتوی نویسی کی مطلق اجازت	۱۲۹۳ھ	1876ء

11	بیعت وخلافت	۱۲۹۴ھ	1877ء
12	پہلی اُردو تصنیف	۱۲۹۴ھ	1877ء
13	پہلا حج اور زیارت حرمین شریفین	۱۲۹۵ھ	1878ء
14	شیخ احمد بن زین بن دحلان مکی سے اجازتِ حدیث	۱۲۹۵ھ	1878ء
15	مفتیٔ مکہ شیخ عبدالرحمٰن سراج مکی سے اجازتِ حدیث	۱۲۹۵ھ	1878ء
16	شیخ عابد سندھی کے تلمیذ رشید، امام کعبہ شیخ حسین بن صالح جمل اللیل مکی سے اجازتِ حدیث	۱۲۹۵ھ	1878ء
17	اِمام احمد رضا کی پیشانی میں شیخ موصوف کا مشاہدۂ انوارِ الٰہیہ	۱۲۹۵ھ	1878ء
18	زمانۂ حال کے یہود ونصاریٰ کی عورتوں سے نکاح کے عدمِ جواز کا فتویٰ	۱۲۹۸ھ	1881ء
19	تحریکِ ترکِ گاؤ کشی کا سدّ باب	۱۲۹۸ھ	1881ء
20	پہلی فارسی تصنیف	۱۲۹۹ھ	1882ء

21	اردو شاعری کے سنگھار، قصیدۂ معراجیہ کی تصنیف	قبل ۱۳۰۳ھ	1885ء
22	فرزند اصغر، مفتیٔ اعظم محمد مصطفٰی رضا خان کی ولادت	۲۲ ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ	1892ء
23	ندوۃ العلما کے جلسۂ تاسیس (کانپور) میں شرکت	۱۳۱۱ھ	1894ء
24	تحریکِ ندوہ سے علیحدگی	۱۳۱۵ھ	1897ء
25	مقابر پر عورتوں کے جانے کی ممانعت میں فاضلانہ تحقیق	۱۳۱۶ھ	1898ء
26	قصیدہ عربی آمال الأبرار و آلام الأشرار	۱۳۱۸ھ	1900ء
27	ندوۃ العلما کے خلاف ہفت روزہ اجلاس پٹنہ میں شرکت	رجب ۱۳۱۸ھ	1900ء
28	علمائے ہند کی طرف سے خطابِ مجدّد مائۃ حاضرہ	۱۳۱۸ھ	1900ء
29	تاسیس دار العلوم منظر اسلام بریلی	۱۳۲۲ھ	1904ء
30	دوسرا حج اور زیارت حرمین شریفین	۱۳۲۳ھ	1905ء
31	امام کعبہ شیخ عبد اللہ میر داد اور ان کے استاذ شیخ حامد احمد محمد جدادی مکی کا مشترکہ استفتاء اور امام احمد رضا کا فاضلانہ جواب	۱۳۲۴ھ	1906ء

32	علمائے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے نام سندات اجازت وخلافت	۱۳۲۴ھ	1906ء
33	کراچی آمد اور مولانا محمد عبدالکریم درس سندھی سے ملاقات	۱۳۲۴ھ	1906ء
34	امام احمد رضا کے عربی فتوے کو حافظ کتب الحرم سید اسماعیل خلیل مکی کا زبردست خراج عقیدت	۱۳۲۵ھ	1907ء
35	شیخ ہدایت اللہ محمد بن محمد سعید سندھی مہاجر مدنی کا اعتراف مجددیت	۱۴ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ	1912ء
36	قرآن کریم کا اُردو ترجمہ "کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن"	۱۳۳۰ھ	1912ء
37	شیخ موسیٰ علی شامی ازہری کی طرف سے خطابِ امام الائمۃ المجدّد للهند والامّۃ	یکم ربیع الاول ۱۳۳۰ھ	1912ء
38	حافظ کتب الحرم سید اسماعیل خلیل مکی کی طرف سے خطاب خاتم الفقهاء والمحدثین	۱۳۳۰ھ	1912ء
39	علم المربعات میں ڈاکٹر سر ضیاء الدین کے مطبوعہ سوال کا فاضلانہ جواب	قبل ۱۳۳۱ھ	1913ء

40	ملت اسلامیہ کے لیے اصلاحی اور انقلابی پروگرام کا اعلان	۱۳۳۱ھ	1913ء
41	بہاولپور ہائی کورٹ کے جسٹس محمد دین کا استفتاء اور امام احمد رضا کا فاضلانہ جواب	۲۳ رمضان ۱۳۳۱ھ	1913ء
42	مسجد کانپور کے قضیے پر برطانوی حکومت سے معاہدہ کرنے والوں کے خلاف ناقدانہ رسالہ	۱۳۳۱ھ	1913ء
43	ڈاکٹر سر ضیاء الدین (وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کی آمد اور استفادۂ علمی	مابین ۱۳۳۲ھ ۱۳۳۵ھ	1914ء 1916ء
44	انگریزی عدالت میں جانے سے انکار اور حاضری سے استثناء	۱۳۳۴ھ	1916ء
45	صدر الصدور صوبہ جات دکن کے نام اِرشادنامہ	۱۳۳۴ھ	1916ء
46	سجدۂ تعظیمی کی حرمت پر فاضلانہ تحقیق	۱۳۳۷ھ	1918ء
47	تاسیس جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی	۱۳۳۶ھ	1917ء
48	امریکی ہیئت دان پروفیسر البرٹ ایف پورٹا کو شکست فاش	۱۳۳۸ھ	1919ء

49	آئزک نیوٹن اور آئن سٹائن کے نظریات کے خلاف فاضلانہ تحقیق	۱۳۳۸ھ	1920ء
50	ردِ حرکت زمین پر فاضلانہ تحقیق	۱۳۳۸ھ	1920ء
51	فلاسفہ قدیمہ کا ردِ بلیغ	۱۳۳۸ھ	1920ء
52	دوقومی نظریہ پر حرفِ آخر	۱۳۳۹ھ	1921ء
53	تحریکِ خلافت کا اِفشائے راز	۱۳۳۹ھ	1921ء
54	تحریکِ ترک موالات کا افشائے راز	۱۳۳۹ھ	1921ء
55	انگریزوں کی معاونت اور حمایت کے الزام کے خلاف تاریخی بیان	۱۳۳۹ھ	1921ء
56	وصال	۲۵صفر ۱۳۴۰ھ	28اکتوبر 1921ء
57	مدیر پیسہ اخبار لاہور کا تعزیتی نوٹ	یکم ربیع الاول ۱۳۴۰ھ	3 نومبر 1921ء
58	سندھ کے ادیب شہیر سرشار عقیلی تھوی کا تعزیتی مقالہ	۱۳۴۱ھ	ستمبر 1922ء
59	بمبئی ہائیکورٹ کے جسٹس ڈی۔ ایف ملا کا خراج عقیدت	۱۳۴۹ھ	1930ء
60	شاعر مشرق علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کا خراج عقیدت	۱۳۵۱ھ	1932ء

مقامِ اعلیٰ حضرت......اور مشاہداتِ قطبِ مدینہ

تحریر: علامہ محمد حسن علی رضوی بریلوی، میلسی

جان جب تک جسم میں باقی رہی
ہم نے شیدا دین کا دیکھا تجھے

اولین حاضریٔ سرکارِ اعظم، تاجدارِ دو عالم، شافعِ محشر، مالکِ کوثر ﷺ کے مبارک ومقدس موقع پر شیخ العرب والعجم، قطبِ مدینہ، خلیفۂ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ ضیاء الدین احمد مدنی قادری رضوی علیہ الرحمہ کی 1596 صفحات پر مشتمل طویل ضخیم سوانح عمری "سیدی ضیاء الدین احمد القادری" مرتبہ: مولانا حکیم الحاج محمد عارف قادری رضوی ضیائی علیہ الرحمہ (بانی واولین صدر مجلس رضا پاکستان) کی پروف ریڈنگ (تصحیح کتابت) کی سعادت نصیب ہوئی، جس میں سیدی حضور قطبِ مدینہ قدس سرہٗ کے اِرشادات وفرمودات ومشاہدات کی روشنی میں سرکار اعلیٰ حضرت، مجدد اعظم دین وملت، امام اہل سنت، فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کی عظمت وجلالت شان کے نئے گوشے نظر نواز ہوئے، جو اس سے قبل برصغیر پاک وہند سے چھپنے والے کتب ورسائل میں منظر عام پر نہیں آئے۔ اِس سے سیدنا اعلیٰ حضرت عظیم البرکت قدس سرہٗ کی بارگاہِ رسالت میں محبوبیت ومقبولیت اور آپ کی جلالتِ علمی واحادیث وفقہ میں وُسعت نظری معاصرین میں برتری و بے مثالی کا مشاہدہ ہوا۔

مختصراً چند رُوح پرور واقعات نذر قارئین ہیں۔

حُسن وجمالِ اعلیٰ حضرت:

سیدنا اعلیٰ حضرت کے صاحبزادگان تو بہت خوبصورت ہیں، کیا اعلیٰ حضرت بھی بہت

خوبصورت تھے؟ اعلیٰ حضرت کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ظاہر و باطن کا کمال حسن عطا فرمایا تھا۔ اگر ہزار آدمی بیٹھا ہو، سب کی نظر اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ پر جائے گی کسی اور پر نہیں جائے گی۔

سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کا علمی مقام

سیدی قطب مدینہ قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا:

''سابق فرمانروا حجاز مقدس حرمین طیبین "شریف حسین" کے دور میں دیارِ عرب کے جید علما کا اجتماع ہوا۔ علما وفضلا کی موجودگی میں فقیر نے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی اللہ عنہ کا عربی قصیدہ پڑھا۔ علما نے بہت تعریف فرمائی اور عربی قصیدہ کی فصاحت و بلاغت پر تادیر گفتگو فرماتے رہے اور خوب داد دی۔ اُن کے استفسار پر جب فقیر نے بتایا کہ یہ قصیدہ میرے مرشد شیخ احمد رضا قادری بریلوی رضی اللہ عنہ کا تصنیف کردہ ہے، جو کہ ہندی ہیں تو علما کے تعجب و حیرت کی کوئی حد نہ رہی۔

اُنھوں نے حلف اُٹھاتے ہوئے کہا کہ یہ کلام کسی عجمی کا نہیں، بلکہ کُہنہ مشق عربی کا معلوم ہوتا ہے۔ اُنھوں نے کہا:

''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علامہ (سیدنا اعلیٰ حضرت) نہ صرف یہ کہ فصیح و بلیغ عربی جانتے ہیں بلکہ اکثر عرب قبائل کے نطق (لب ولہجہ) پر بھی کامل اطلاع رکھتے ہیں۔''

(سیدی ضیاء الدین احمد القادری، ج:1، ص:442، مطبوعہ: حزب القادریہ، لاہور، طبع ثانی: ۱۴۲۸ھ)

نظم پُر نور رضا لوث تلمذ سے ہے پاک

سیدنا اعلیٰ حضرت میرے روحانی باپ:

حرمین طیبین حجاز مقدس، مصر و شام و عراق، مراکش و دمشق و ہندوستان وغیرہم کے

17 جلیل القدر اکابر مشائخ نے حضرت قطب مدینہ کو اجازتیں، خلافتیں عطا فرمائیں۔ حضور قطب مدینہ علیہ الرحمہ فرمایا کرتے:

''چچے میرے بہت ہیں، مگر بیعت و اِرادت سیدنا اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی اللہ عنہ سے ہے۔ باپ (روحانی) میرے وہی ہیں، چچے بہت ہیں۔''

حضور قطب مدینہ قدس سرہٗ جب اپنے پیرو مرشد شیخ طریقت کا تذکرہ فرماتے تو آپ کے رُخ انور پر ایک عجیب قسم کی پُرکشش چمک اور روحانی تجلی پیدا ہو جاتی اور آواز بارُعب ہو جاتی، جیسے بیس بائیس سال کا نوجوان بول رہا ہے۔

سیدنا اعلیٰ حضرت کا مقامِ رفیع الشان:

سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا تذکرہ حرزِ جان تھا۔ ایک بار سیدی قطب مدینہ نے فرمایا: ''سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے علوِّ مرتبت کا یہ عالم ہے کہ ایک عرصہ ہوا فقیر بعارضۂ فالج صاحب فراش ہو گیا۔ اِس حالت میں ایک رات میں نے بحال زار سرکار دوعالم ﷺ کی بارگاہِ بے کس پناہ میں عرض کیا:

''اے میرے آقا و مولیٰ ﷺ! مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے، جس کی یہ سزا ہے، میرے پیر و مرشد (حضور اعلیٰ حضرت) کے صدقے مجھے معاف فرمایا جائے اور اپنے درِ پاک کی حاضری کا شرف عطا کیا جائے۔''

اسی طرح سرکار غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اِستغاثہ کیا۔

چنانچہ اِسی رات خواب میں دیکھا کہ سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھ دو بزرگ، جو نہایت ہی روشن اور منور چہروں والے تھے، غریب خانے پر تشریف لائے

اوراعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"ضیاء الدین! آج تم نے ایسی درخواست کی کہ میرے غوث اعظم رضی اللہ عنہ تمہارے پاس بہ نفس نفیس تشریف لے آئے ہیں۔"

دوسرے بزرگ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

"دیکھو! یہ بزرگ سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری رضی اللہ عنہ ہیں۔"

اس کے بعد سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے میرے جسم پر اپنا دست شفقت پھیرا اور فرمایا: "اُٹھو۔"

اِس حکم کے تحت (عالم خواب میں) اُٹھ کھڑا ہوا اور وہ تینوں بزرگ نماز میں مشغول ہو گئے۔ اِس پر میں بیدار ہو گیا تو میں واقعی (عالم بیداری میں) کمرے میں کھڑا تھا۔ اس پر میں نے نعرۂ رسالت لگایا۔ گھر کے افراد دوڑے ہوئے آئے اور مجھے صحت یاب پا کر حیران رہ گئے۔ میں نے اُنھیں کہا: اس جگہ لوہے کی الماری رکھ دو؛ اس لیے کہ اس مقام پر اولیاء اللہ نے نماز ادا فرمائی ہے۔ (سیدی ضیاء الدین احمد القادری، ج:1، ص: 301)

بارگاہِ رسالت میں محبوبیت ومقبولیت:

سیدنا قطب مدینہ قدس سرہٗ کا قیام اُس زمانہ میں باب السلام، سقیفۃ الرصاص (باب السلام سے 50 میٹر کے فاصلے پر قدیم عمارت) میں تھا۔ ارشاد فرمایا:

فقیر حرم نبوی شریف کے باب السلام سے اندر حاضر ہوا تو دیکھتا ہوں کہ میرے پیر ومرشد سیدنا اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی اللہ عنہ مواجہہ مقدس میں حاضر صلوٰۃ وسلام عرض کررہے ہیں۔ مجھے بہت دکھ ہوا کہ میرے پیر ومرشد مدینہ منورہ میں ہیں اور مجھے خبر نہیں۔

جب قریب پہنچا تو سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کو نہ دیکھ پایا، صلوٰۃ وسلام عرض کر کے واپس ہوا۔ باب السلام سے مڑ کر دیکھتا ہوں تو سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کو بارگاہِ مقدس میں موجود پاتا ہوں۔ دوبارہ حاضر ہوا تو پھر پہلے والی کیفیت تھی۔ پھر باب السلام سے تیسری بار مڑ کر دیکھا تو بھی اُنھیں حاضر بارگاہ پایا۔ فقیر سمجھ گیا یہ اُن کا اپنا معاملہ ہے۔ اِس میں دخل اندازی مناسب نہیں اور گھر کو چلا آیا۔ (ایضا، ج:1، ص:302)

ہمیں اے رضا ترے دل کا پتہ چلا بمشکل

درِ روضہ کے مقابل ہمیں تُو نظر تو آیا

یہ نہ پوچھ کیسا پایا؟

بعینہٖ اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت سید احمد شیخ جمال اللیل (معلّم الحجاج مکہ مکرمہ) نے ارشاد فرمایا۔ وہ کہتے ہیں: میرے چچا شیخ عقیل جمال اللیل سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ العزیز کے مرید تھے۔ مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئے۔ جب باب السلام سے داخل ہوتے ہیں تو سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کو بارگاہِ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم میں صلوٰۃ وسلام عرض کرتا ہوا پاتے ہیں۔ جب قریب پہنچے تو نظروں سے اوجھل پایا۔ چند بار ایسا ہی ہوا۔ اس کے بعد وہ سمجھ گئے کہ یہ میرے پیر و مرشد کا روحانی معاملہ ہے۔ (ایضا، ص:303)

حضرت قطب مدینہ علیہ الرحمہ نے ۱۳۳۳ھ میں فرمایا:

ان ایام میں فقیر باب السلام، زقاق الزرندی (باب السلام کی مغربی جانب کے قدیم بازار سوق القماشہ کی ایک گلی) میں رہائش پذیر تھا۔ (مولانا) فضل الرحمٰن اِسی گھر میں پیدا ہوا۔ اس مکان پر جنات کا قبضہ تھا، کبھی کبھی کوئی جن آتا اور مجھے بازو سے پکڑ کر کہتا: (آپ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کے مرید ہیں) آپ کی پشت بڑی مضبوط ہے؛ اس لیے

ہم مجبور ہیں، بہتر ہے کہ یہاں سے چلے جاؤ (کوئی اور مکان لے لو)۔ میں کہتا: ''ابھی مجھے فرصت نہیں، جب فرصت ہوگی چلا جاؤں گا۔'' فضل الرحمٰن کے پیدا ہونے کے چند دن بعد یہ تمام مکان جنات سے بھر گیا۔ میں کھڑا ہوا، اذان و اقامت کہی، تمام جنات غائب ہو گئے۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد میرے قریبی دوست شیخ عتیق مخرج الحیدری تشریف لائے۔ ان سے واقعہ بیان کیا تو اُنھوں نے مکان تبدیل کرنے کا مشورہ دیا۔

فقیر سقیفۃ الرصاص میں مکان لے کر وہاں منتقل ہو گیا۔

(الیضا، ج:1، ص:306)

الدولة المكيّة :

سیدی قطب مدینہ علیہ الرحمۃ فرماتے:

۱۳۲۳ھ/ 1905ء میں (جب اعلیٰ حضرت دوسری بار حج کے لیے حرمین حاضر ہوئے) ہندوستان کے چند وہابیہ خلیل انبیٹھوی وغیرہ نے شریفِ مکہ کے بعض مصاحبوں کو تحفے تحائف دے کر مکارانہ باتوں سے ورغلایا اور ان کے ذریعہ سے والیٔ حجاز، شریفِ مکہ کے دربار میں ایک درخواست پیش کی کہ ہند سے ایک عالم آیا ہوا ہے، وہ عاشق رسول کے طور پر معروف ہے اور صاحب تصانیف کثیرہ ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے علم کو اللہ تعالیٰ کے علم کے برابر کہتا ہے۔ ہندوستان میں چونکہ انگریزوں کی حکومت ہے؛ وہاں کوئی باز پُرس نہیں کرتا، آپ سے استدعا ہے کہ اس کو دربار میں بلا کر باز پُرس کی جائے۔

شریفِ مکہ نے کہا:

جب تم مانتے ہو کہ وہ عالم عاشق رسول اور صاحب تصانیف کثیرہ ہے پھر میں حکماً اُس کو دربار میں بلاؤں تو یہ اُس کی توہین ہے۔ ہاں! یہ کر سکتا ہوں کہ تم سوالات کرو میں اُن

سے جواب کے لیے کہوں گا۔

اُنھوں نے پوری عرق ریزی سے پانچ اہم سوالات لکھ کر دیے اور حضرت شیخ صالح کمال مکی قدس سرہٗ نے حضور سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی خدمت میں وہ پانچ سوالات پیش کر کے جوابات کا مطالبہ اور اِصرار کیا۔ سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے شدید بخار کے باوجود مجموعی طور پر آٹھ گھنٹہ میں ایک طویل ضخیم کتاب ''الدولۃ المکیۃ'' کی صورت میں اِرقام فرمائی۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت قدس سرہٗ نے شریفِ مکہ کے نام ایک خط بھی لکھ کر دیا کہ میرے عقائد اِس کتاب سے ظاہر ہیں۔ مکہ معظّمہ علما سے بھرا ہوا ہے اور دنیا بھر کے علما اِس وقت مکہ معظّمہ میں موجود ہیں۔ یہ کتاب علما کے حضور پیش کر دی جائے اور اگر کوئی اعتراض ہو تو فقیر حاضر ہو کر گفتگو کرنے کو تیار ہے۔ غلطی ہوئی تو رجوع کر لوں گا۔

یہ کتاب اکابر علما کی موجودگی میں شریف مکہ کے دربار میں سنائی گئی تو دوسرے دن شہر مکہ مکرمہ میں اس کتاب کی عام شہرت ہوگئی۔ مولوی خلیل انبیٹھوی جواب طلبی کے ڈر سے جدہ بھاگ گیا۔

سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے اس کی ایک نقل حضرت علامہ ضیاء الدین علیہ الرحمہ کو عطا فرمائی کہ حرمین طیبین حاضر ہونے والے علما سے تصدیقات حاصل کی جائیں۔ جب سیدی ضیاء الدین قادری علیہ الرحمہ ایک سال بعد یہ تصدیقات لے کر بریلی شریف حاضر ہوئے تو سیدنا اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی اللہ عنہ کی خدمت اقدس میں عرض کیا: ''حضور وہاں کے علمانے کہا کہ مسئلہ لکھنے کا حق ادا کر دیا، مسئلہ بالکل حق لکھا ہے۔'' انھوں نے تائید اور تصدیق بھی کر دی، لیکن وہاں علما یہ بات تسلیم کرنے کو تیار نہیں کہ آپ نے ''الدولۃ

المکیۃ ''صرف سات گھنٹے میں تصنیف فرمائی اور ڈیڑھ گھنٹے میں نظر ثانی فرما کر کتاب مکمل فرما کر ساڑھے آٹھ گھنٹوں میں مکمل کر دی۔ علما کہتے ہیں کہ مصنف سفر میں تھا، اپنے کتب خانہ سے دور، کتب میسر نہیں اور بیمار...... یہ کیسے ممکن ہے؟ ہمارا تعلق بھی تو علم و تحقیق اور افتاء کے شعبہ سے ہے!!!

سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا:

شریفِ مکہ کے حکم سے علمائے مکہ نے اِصرار فرمایا، میرا عذر قبول نہ کیا ۔میں چاہِ زمزم شریف پر حاضر ہوا، برکت حاصل کرنے کے لیے وضو کیا، آبِ زم زم پیا، حجر اسود شریف کا بوسہ لیا، کعبہ شریف کا طواف کرنے کے بعد دو رکعت ادا کر کے مقام ابراہیم پر ہی حاضر رہا۔ رب العزت کی بارگاہ میں التجا کی، سید انبیا صلی اللہ علیہ وسلم اور سرکار سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے استعانت طلب کی، بیت اللہ شریف کی زیارت کے لیے جو نگاہ اُٹھی تو کیا دیکھتا ہوں **کہ کعبہ شریف کے دروازہ میں حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جلوہ افروز ہیں۔ دائیں طرف سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم اور بائیں طرف حضور غوث الثقلین رضی اللہ عنہ حضور کی بارگاہ میں حاضر ہیں۔ جو فرماتے رہے، فقیر تحریر کرتا رہا۔ گویا میرے قلب پر اِلقاء ہوا تھا۔**

(ایضا، ج:1، ص:308)

کریماں کہ در فضل بالاترند

سگاں پرورند و چناں پرورند

امام احمد رضا......مجدد اعظم

مقالہ نگار: محدث اعظم ہند ابوالحامد سید محمد کچھوچھوی علیہ الرحمہ

خاندان اشرفیہ کے اکابرین نے علوم عقلیہ ونقلیہ کی تکمیل کے بعد محدث اعظم ہند کو امام احمد رضا کے حوالے کیا؛ تا کہ علوم وفنون کے اِس ہمالہ سے فیض حاصل کر سکیں، لہٰذا محدث اعظم ہند نے فاضل بریلوی کے انتہائی قریب رہ کر بہت کچھ حاصل کیا، جو بقول اُن کے:

"یہی گھڑیاں میرے لیے سرمایۂ حیات ہوگئیں۔"

محدثِ اعظم کو آلِ رسول ہونے کے ناطے رضوی خاندان سے بے حد قربت حاصل رہی۔ خود فاضل بریلوی بے حد احترام و اِکرام کرتے رہے۔ محدث اعظم ہند نے امام احمد رضا کا جو مطالعہ کیا ہے اُس کا اظہار متعدد تصنیفات میں ملتا ہے، لیکن ناگپور میں ۱۳۷۹ھ کے جشنِ ولادتِ امام احمد رضا کے موقع پر صدارتی خطبہ کے ذریعہ جو تحقیقی اور مشاہداتی مقالہ پیش فرمایا تھا وہ امام احمد رضا کی تحریکِ تجدید واحیائے دین پر سب سے زیادہ مکمل، مبسوط اور گراں قدر مضمون ہے۔ ذیل میں وہی خطبۂ صدارت پیش خدمت ہے۔

خطبۂ صدارت کے مشمولات:

یادگار منانے پر عقلی ونقلی دلیل، یادگار منانے پر اعتراض اور جواب، یادگار منانے پر قرآن حکیم سے دلیل، امام بریلوی کی یادگار، امام بریلوی کا مقام، وائس چانسلر علی گڑھ امام بریلوی کی خدمت میں، معقولات میں امام بریلوی کا مقام، امام کے علوم وفنون سے میری حیرانی، امام بریلوی کے مسلّم کمالات میرے مشاہدے میں، اِفتاء کی خداداد عظیم صلاحیت، حیرت انگیز قوت حافظہ، میری شرارت، حیرت انگیز علم حساب، میری عرض وتمنا، علم الحدیث،

علم الرجال، امام بریلوی کے شاہکار، امام بریلوی کا دنیائے اسلام پر اِحسان، امام بریلوی کاملین کی نگاہ میں، بریلی کی طرف میری کشش، اندازِ تربیت، غوث اعظم کے ساتھ حیرت انگیز عقیدت، امام بریلوی کا لغزشوں سے محفوظ رہنا، امام بریلوی کی شعر گوئی، فن زیجات وفن تکسیر، عجیب واقعہ، وصال کی خبر اور اعلیٰ حضرت اشرفی میاں۔

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم... أحمد اللّٰہَ الأحدَ رضاءً لسیدنا أحمدَ واُصلِّی واُسلِّم علٰی سیدِنا أحمدَ رضاءً للّٰہ الواحدِ الصمدِ وعلی جمیع من رضی اللّٰہ عنھم ورَضُو عنہ أحُمَدَ الرضاءِ من الأزل اِلی الأبد.

امابعد! میرے پیارے سُنّی بھائیو! یہ شوال کا مہینہ ہے اور یہ اپنی عظیم خصوصیت کی وجہ سے مستحق ہے کہ ہم اس ماہ کا نام ''اہل سنت وجماعت، ہند'' کا مہینہ رکھیں۔ کیونکہ اِس مہینے میں ہندوستان میں اُس قدم کا ظہور ہوا جس کی بلندی کو نہ صرف ہندوستان بلکہ عرب وعجم کے تمام دینی وروحانی اراکینِ دین متین واساطینِ حق مبین کے جھکے ہوئے سروں نے قبول کیا اور اِس قدم کے نشانات کو بھی معظم ومکرم رکھا۔

یادگار منانے پر عقلی ونقلی دلیل:

ہمارا اور آپ کا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ زندہ قومیں، اُن کی قومیت کی شیرازہ بندی جس کے ہاتھوں سے ہوچکی ہے، اُس کی یادگار مناتی ہیں اور اِس کو اپنی زندگی کا بیمہ سمجھتی ہیں۔ دنیا نے مان لیا ہے کہ جو قوم اپنے قومی محسنوں کو بھول گئی تو زندگی نے ساری قوم کو بھلا دیا اور موت کے منہ میں ڈال دیا۔ یہ قومیت کا فطری جذبہ نہ کسی دلیل نقلی کا محتاج ہے نہ

برہانِ عقلی کا۔ اِس کا تعلق صحیح انسانیت اور درستیٔ ہوش وحواس سے ہے۔ جو افراد محسنین قوم کی یادگار منانے سے چڑنے لگتے ہیں ،تو اُن کو دنیا نے نہ صرف یہ کہ قومیت سے خارج کر دیا بلکہ اُنھیں ایک خاص قسم کا پاگل سمجھ لیا گیا۔

یادگار منانا چونکہ ایک فطری جذبہ ہے؛لہٰذا اِسلام جس کا دوسرا نام ہی ''دینِ فطرت'' ہے، اُس میں اِس جذبے کو اُجاگر رکھنے کی تعلیم اپنے روحانی انداز میں بہت صاف وصریح ہے، جو قرآن عظیم میں ارشاد ہوا:

وذکرھم بایام اللّٰہ. اللہ تعالیٰ کے دنوں کو یاد دلاتے رہو۔

یوں تو سب دن اللہ کے ہیں مگر کچھ ایسے دن بھی ہیں جن دنوں کو خاصان حق نے خصوصیت عطا فرمادی اور جن کی یاد سے اللہ تعالیٰ یاد آجاتا ہے، جس کے اِذن وعطا نے اُس کو سنوار دیا، ایسے دن جس کی بدولت حاصل ہوں، اُس کا گو یوم ولادت سے وقت وفات تک کا ہر دن اور وفات سے حشر تک کا ہر دن ''وللاخرۃ خیر لک من الاولی'' والے آقا کی وسعتِ دامان میں پلتا رہتا ہے اور بڑھتا ہی رہتا ہے مگر اِن سارے دنوں میں انتخابِ قدرت یوم پیدائش و یوم وصال و یوم حشر ونشر ہے۔

یادگار منانے پر اعتراض اور جواب:

چونکہ بات ایسی آپڑی ہے جس کا زیادہ واضح کر دینا ضروری ہو چکا ہے؛لہٰذا اِس سلسلے میں چند منٹ میں آپ کے اور لوں گا۔ واقعہ یہ ہے کہ پچھلے سالوں میں دیوبندیوں نے عید میلاد النبی منانے والوں پر جارحانہ حملے کرتے ہوئے کہا تھا کہ کسی شخصیت کی اہمیت کی تاریخ اُس کی پیدائش کی تاریخ میں نہیں ؛ کیونکہ پیدائش تو اچھوں اور بروں کی ہوتی ہی رہتی

ہے۔ یہ عید میلا دالنبی ایک غیر عاقلانہ اور غیر شرعی چیز ہے۔ اگر یادگار منانی ہے تو اس تاریخ کی منائی جائے جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ و التسلیم نے اِظہارِ نبوت فرمایا اور کارِ نبوت شروع فرمادیا تھا۔ بات ایسے انداز میں کہی گئی اور لہجہ ایسا بھولا تھا کہ سطحی طور پر بعض دماغ واقعی بھول میں پڑ گئے تھے، لیکن ابھی اُن کے پیغام کو 24 گھنٹے کی زندگی نہ ملی تھی کہ شہر بھر اتچ گیا، وہاں تعلیم یافتہ و متدین، صف اول کے لوگوں نے مجھ سے اِس کا تذکرہ کر کے جواب کا مطالبہ کیا۔ میں نے چند گھنٹے کے بعد وہاں ایک عظیم الشان اجتماع کو مخاطب کر کے کہا تھا:

> عید میلا دالنبی کو غیر عاقلانہ کہتے ہوئے اگر سب قوموں کی تاریخ دماغ سے نکل گئی تھی تو اس چشم دید چیز سے آنکھیں کیوں بند ہوگئی تھیں کہ آج جس بغل (گاندھی اور اُس کی ذریت) میں اِن کے فرقے کی اکثریت پل رہی ہے اور جہاں جینتی (گاندھی کا یوم پیدائش) اور مرتیو (گاندگی کا یوم مرگ) منانے میں عبادت گزارانہ اسپرٹ (جذبہ) کے ساتھ شرکت کی جاتی ہے، کیا اس نے عقل کو اتنی روشنی نہیں بخشی کہ قوموں نے یوم میلاد اور یوم ممات کے منانے ہی کو قومی حق مانا ہے؟

یادگار منانے پر قرآن حکیم سے دلیل:

قرآن کریم نے اپنے معجزانہ اندازِ روحانی میں مسئلہ کی اہمیت کو اِس طرح اُجاگر فرمایا ہے کہ جو لوگ قرآن پاک کی تلاوت کا شرف اِس لیے حاصل کرتے ہیں کہ اس کو سمجھیں اور اِس کو ہدایت کی روشنی جان کر اپنے آپ کو سنواریں، اگر ایسے لوگوں کا سایہ بھی راہ چلتے دیوبندیوں پر پڑ گیا ہوتا تو یوم ولادت اور یوم عرس منانے پر جو غیر اسلامی کہہ کر حملہ کر دیا ہے،

اِس کی جرأت نہ کر سکتے۔

قرآن کریم میں مقبولان درگاہ برحق کے لیے یہ بھی ارشاد فرمایا گیا کہ:

وسلام علیه یوم ولد ویوم یموت ویوم یُبعث حَیًّا. (مریم:15)

ان پر اللہ تعالیٰ کا سلام ہے ان کی پیدائش کے دن اور اُن کے وصال کے دن اور جب وہ میدان حشر میں اُٹھیں گے۔

اور اِسی قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے ایک مقبول بندے سیدنا عیسٰی علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا واضح بیان مذکور ہے کہ

سلام علیَّ یوم ولدت ویوم اموت ویوم اُبعث حیًّا. (مریم:33)

مجھ پر اللہ تعالیٰ کا سلام ہے میری پیدائش کے دن اور میرے وصال کے دن اور جب میں میدان حشر میں ہوں گا۔

کوئی بتائے کہ اگر کوئی عقل و دین کا درماندہ قرآن کو بادلِ نخواستہ اپنی دنیا ہی کے لیے سہی، لیکن کلام الٰہی کہنے پر مجبور ہو اُس کو کیا حق ہے کہ نص قطعی قرآنی کا ردّ صرف اپنے جذبۂ عناد کی بنا پر کرے، جو اللہ والوں سے اِس میں وراثۃً چلا آرہا ہو۔ بالکل ظاہر ہے کہ خاصانِ حق کی ہر گھڑی جب سے زمانہ کی تخلیق ہوئی اور جب تک سلسلۂ زماں رہے گا، ایسی ہے کہ اُن پر اللہ تعالیٰ کا سلام ہے۔ درود شریف کا جملہ اسمیہ اس دوام و استمرار کو ظاہر فرما رہا ہے۔ ہمارے آقا، رسول پاک کو مخاطب بنا کر صاف کہہ دیا گیا کہ:

وللآخرة خیر لک من الاولی. (الضحی:4)

ہر پچھلی ساعت سے آپ کی بعد کی ساعت بہتر ہے۔

بایں ہمہ اِس دوامی و استمراری دور کے پورے عہد مبارک میں خود اللہ رب العزت

وجل وعلا اور اِس اولوالعزم رسول نے تین دن کا انتخاب فرمایا: یوم پیدائش، یوم وصال ویوم حشرونشر۔

قرآن کریم میں ایسے ایام کو "ایام اللہ" بھی فرمایا گیا ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ وذکرھم بایام اللّٰہ ایام اللہ کی یادگار مناؤ۔ یقیناً اللہ والوں کا دن اللہ ہی کا دن ہے۔ غرض آیات قرآنیہ نے تعیینِ تاریخ کو معاذ اللہ بدعتِ ضلالہ کہنے والوں پر جا بجا طمانچے مارے ہیں اور دین فطرت نے ہماری فطرت سے ہم کو روکا نہیں، بلکہ اس کو اہمیت عطا فرما کر یادگار منانے پر مامور فرمایا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر اہمیت رکھنے والی شخصیت کی اہمیت دیکھ لینے کے بعد وہ دن یاد آجاتا ہے، جب کہ اس نے سب سے پہلے زمین پر قدم رکھا، جب اس نے دوسرے عالم کا سفر کیا۔ جس کو دیوبندی گروپ کے صف اول کے لوگ "جینتی"، "مرتیو" منانا کہتے ہیں اور مسلمان اس کو "یوم میلاد" و "یوم عرس" کہتے ہیں اور مناتے ہیں۔

یہ خیال رہے کہ تعیین و تخصیص اِن اللہ والوں کے لیے جو انبیاء علیہم السلام ہیں، عبارۃ النص ہے، یعنی دونوں (یوم ولادت ووفات) کے لیے قرآن کی نص قطعی منصوص ہے۔

بات میں بات نکلتی ہے، یہاں جملہ معترضہ سُن لیجیے کہ قرآن کریم میں خاصان خدا کے لیے تین وقتوں کی تعیین فرمائی گئی ہے جو منائی جائے: یومِ میلاد، جیسا کہ ہم مسلمان میلاد شریف کی محفل کرتے ہیں۔ دوسرے یوم وصال، جیسا کہ ہم مسلمان اعراسِ بزرگان دین کرتے ہیں۔ لیکن تیسرا یوم حشر ہے، جو کہ مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کی شفاعت فرمانے کا دن ہے اور اُس کی یادگار منانا ہمارے بس کی بات نہیں۔ یہ وہ خود ہم پر کرم فرما کر منائیں اور ان شاء اللہ تعالیٰ منائیں گے۔ تو قرآنی تعبیر یہ ہوئی کہ مسلمانو! یہ تین دن ہیں، ان میں پیدائش، وصال منانا تمہارا کام ہے اگر تم اس یادگار منانے کے عادی ہو جاؤ تو تیسرا دن محبوبان خدا کی

شفاعت کا دن ہے، اُس کے مستحق ہو جاؤ گے اور جو تمہیں کرنا ہے اگر نہ کیا تو شفاعت سے محروم رہو گے۔ یہی دیکھنے میں بھی آ رہا ہے جو اِن دونوں کی یادگاروں کو منانے پر غم و غصہ سے بھر جاتے ہیں، وہ آج کھلم کھلا مسئلہ شفاعت کا اِنکار کر دیتے ہیں یا اِقرار ایسا کرتے ہیں جو اِنکار سے بھی بدتر ہے۔ وہ انبیا و اولیا سے اِس طرح مایوس ہو چکے ہیں کہ قرآن میں جس کو کمایئس الکفار من اصحٰب القبور. (الممتحنہ:13) فرمایا گیا ہے۔

امام بریلوی کی یادگار:

بہر حال ہم اور آپ قرآن کریم کا سہارا لے کر اُس مہینہ کی یادگار منانے کے لیے یکجا ہوئے ہیں جس مہینے میں اللہ کا ایک مقبول بندہ اور رسول پاک کا سچا نائب، علم کا جبل شامخ اور عمل صالح کا اُسوۂ حسنہ، معقولات میں بحر زخار، منقولات میں دریائے ناپیدا کنار، اہل سنت کا امام واجب الاحترام اور اس صدی کا باجماع عرب و عجم مجدد، تصدیق حق میں صدیق اکبر کا پرتو، باطل کو چھانٹنے میں فاروق اعظم کا مظہر، رحم و کرم میں ذوالنورین کی تصویر، باطل شکنی میں حیدری شمشیر، دولتِ فقہ و روایت میں امیر المؤمنین اور سلطنت قرآن و حدیث کا مسلّم الثبوت، وزیر المجتہدین، اعلیٰ حضرت علی الاطلاق، امام اہل سنت فی الآفاق، مجددِ ملت حاضرہ، مؤیدِ ملتِ طاہرہ، اعلم العلما عند العلما و قطب الارشاد علی لسان الاولیا، و مولانا و فی جمیع الکمالات اُولانا، فانی فی اللہ و الباقی باللہ، عاشقِ کامل رسول اللہ مولانا شاہ احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ و رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ارضاہ کے قدم، اوّل اوّل اس خاکدان دنیا میں جلوہ فرما ہوئے۔

امام بریلوی کا مقام:

تیرھویں صدی کی یہ واحد شخصیت تھی جو ختم صدی سے پہلے علم و فضل کا آفتابِ فضل

وکمال ہوکر اسلامیات کی تبلیغ میں عرب وعجم پر چھا گئی اور چودھویں صدی کے شروع میں ہی پورے عالم اسلامی میں اِس کوحق وصداقت کا منارۂ نور سمجھا جانے لگا۔ میری طرح سارے حل وحرم کو اس کا اعتراف ہے کہ اِس فضل وکمال کی گہرائی اور اِس علم راسخ کے کوہِ بلند کو آج تک کوئی نہ پا سکا۔

وائس چانسلر علی گڑھ امام بریلوی کی خدمت میں:

مولانا سید سلیمان اشرف صاحب بہاری مرحوم مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر ضیاء الدین کو لے کر جب اِس لیے حاضر ہوئے کہ ایشیا بھر میں ڈاکٹر صاحب ریاضی اور فلسفہ میں فرسٹ کلاس ڈگری رکھتے ہوئے ایک مسئلہ کو حل کرنے میں زندگی کے قیمتی سال لگا کر بھی حل نہ کر پائے تھے اور فیثا غورثی فلسفۂ کشش اُن پر چھایا ہوا تھا تو اعلیٰ حضرت نے عصر ومغرب کی درمیانی مختصر مدت میں مسئلہ کا حل بھی قلمبند کر دیا اور فلسفۂ کشش ثقل کی کھینچ تان کو بھی ختم فرما دیا، جو رسالہ کی شکل میں چھپ چکا ہے۔ اس وقت ڈاکٹر صاحب حیران تھے کہ اُن کو یورپ کا کوئی تھیوریوں والا درس دے رہا تھا یا اِسی ملک کا کوئی حقیقت آشنا اُن کو سبق پڑھا رہا ہے۔ اُنھوں نے اِس صحبت کے تاثرات کو اجمالاً یہ کہا تھا کہ:

> اپنے ملک میں جب معقولات کا ایک ایکسپرٹ موجود ہے تو ہم نے یورپ جا کر جو کچھ سیکھا اپنا وقت ضائع کیا۔

معقولات میں امام بریلوی کا مقام:

یہ روز کا معمول تھا کہ فلکیات وارضیات کے ماہرین اپنے علمی مشکلات کو لے کر آتے اور دم بھر میں حل فرما کر اُن کو شاد شاد رخصت فرما دیتے۔ میں نے تو یہ بھی دیکھا کہ

ماہرین فن نجوم آئے اور فنی دشواریوں کو پیش کیا تو اعلیٰ حضرت نے ہنستے ہوئے اس طرح جواب دے کر خوش کر دیا کہ گویا دشواری نہ تھی۔

ایک بار ''حماری'' کے حل کے بارے میں مجھ سے سوال فرما کر جب کتابی جواب دیکھا تو اُس پر تحقیق بیان فرمائی تو میں نے محسوس کیا کہ ''حماری'' کی حمایت بے پردہ ہوگئی اور ''عروسی'' کا عروس ختم ہوگیا۔ (حماری اور عروسی دو شکلیں ہیں اور ''صدرا'' کی مشکل ترین ابحاث سے ہیں)

مسئلہ بخت و اتفاق ''شمس بازغہ'' کا سرمایۂ تفلسف ہے، مگر اس بارے اعلیٰ حضرت کے اِرشادات جب مجھے ملے تو اِقرار کرنا پڑا کہ ملا محمود آج ہوتے تو اعلیٰ حضرت کی طرف رجوع کرنے کی حاجت محسوس کرتے۔

اعلیٰ حضرت نے کسی ایسے نظریے کو کبھی صحیح و سلامت نہ رہنے دیا جو اسلامی تعلیمات سے متصادم رہ سکے۔ اگر آپ وجودِ فلک کو جاننا چاہتے ہوں اور زمین و آسمان دونوں کا سکون سمجھنا چاہتے ہوں اور سیاروں کے بارے میں ''كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ'' ذہن نشین کرنا چاہتے ہوں تو اُن رسائل کا مطالعہ کریں جو اعلیٰ حضرت کے رشحاتِ قلم ہیں اور یہ راز آپ پر ہر جگہ کھلتا جائے گا کہ منطق و ریاضی والے اپنی راہ کے کس موڑ پر کج رفتار ہو جاتے ہیں۔

امام کے علوم وفنون سے میری حیرانی:

علوم وفنون کا کیا حال ہے؟ اِس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ آج کی علمی دنیا پچاس علوم وفنون کے نام سے بے خبر ہے اور اعلیٰ حضرت کے قلم مبارک سے پچاس علوم وفنون کے مبسوط رسائل تیار ہیں۔

ایک دن ایسا ہوا کہ اعلیٰ حضرت نے نمازِ عصر کے لیے وضو فرماتے ہوئے مجھ سے اِرشاد فرمایا: نہج عرض شجرہ کا حساب یونانیوں نے جس وتد سے کیا تھا اب دنیا پر ظاہر ہو گیا کہ یونان، بلکہ دنیا کے ہر پہاڑ سے بلند کوہ ہمالیہ کی ایورسٹ چوٹی ہے، کیا اِس سے حساب لگا دو گے؟ میں نے دو دن کی مہلت مانگی اور رات دن صفحات سیاہ کرتا ہوا جب صحیح حساب تیار کر کے حاضر ہوا تو فرمایا کہ کیا آپ کا جواب یہ ہے؟ میں نے عرض کیا: ''ہاں!'' مگر حیران تھا کہ جس حساب میں میرا مغز سر سوکھ گیا وہ برجستہ اِرشاد فرمانے والا صرف ایک عالم ہے یا وہ ایسا ہے کہ لغت میں اُس کے لیے لفظ ہی نہیں۔ میرے صحیح جواب پر جو دعائیں فرمائیں آج وہ ہی میرے لیے سب کچھ ہے۔

امام بریلوی کے مسلّم کمالات میرے مشاہدے میں:

آج میں آپ کو جگ بیتی نہیں آپ بیتی سنا رہا ہوں کہ جب تکمیل درس نظامی و تکمیل درسِ حدیث کے بعد میرے مربیوں نے کارِ انتہا کے لیے اعلیٰ حضرت کے حوالے کیا، زندگی کی یہی گھڑیاں میرے لیے سرمایۂ حیات ہو گئیں اور میں محسوس کرنے لگا کہ آج تک جو کچھ پڑھا تھا وہ کچھ نہ تھا اور اب ایک دریائے علم کے ساحل کو پا لیا ہے۔ علم کو راسخ فرمانا اور ایمان کو رگ و پے میں اُتار دینا اور صحیح علم دے کر نفس کا تزکیہ فرما دینا یہ وہ کرامت تھی جو ہر ہر منٹ پر صادر ہوتی رہتی تھی۔

اِفتا کی خداداد عظیم صلاحیت:

عادت کریمہ تھی کہ استفتاء ایک ایک مفتی کو تقسیم فرما دیتے اور پھر ہم لوگ دن بھر محنت کر کے جوابات مرتب کرتے، پھر عصر و مغرب کے درمیان مختصر ساعت میں ہر ایک سے

پہلے استفتاء پھر فتوی سماعت فرماتے اور بیک وقت سب کی سنتے۔ اِسی وقت مصنفین اپنی تصنیف دکھاتے، زبانی سوال کرنے والوں کو بھی اجازت تھی کہ جو کہنا ہو کہیں اور جو سنانا ہو سنائیں۔ اتنی آوازیں، اِس قدر جداگانہ باتیں اور صرف ایک ذات کو سب کی طرف توجہ فرمانا، جوابات کی تصحیح وتصدیق و اِصلاح، مصنفین کی تائید و تصحیح اغلاط، زبانی سوالات کا تشفی بخش جواب عطا ہو رہا ہے اور فلسفیوں کے اس خبط کی کہ **لا یصدر عن الواحد الا الواحد** (ایک سے صرف ایک ہی صادر ہو سکتا ہے) کی دھجیاں اُڑ رہی ہیں۔ جس ہنگامۂ سوالات و جوابات میں بڑے بڑے اکابر علم وفن سر تھام کر چپ ہو جاتے ہیں کہ کس کی سنیں اور کس کی نہ سنیں، وہاں سب کی شنوائی ہوتی تھی اور سب کی اِصلاح فرما دی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ ادبی خطا پر بھی نظر پڑ جاتی اور اُس کو درست فرما دیا کرتے تھے۔

حیرت انگیز قوت حافظہ:

یہ چیز روز پیش آتی تھی کہ تکمیل جواب کے لیے جزئیاتِ فقہ کی تلاش میں جو لوگ تھک جاتے تو عرض کرتے، اُسی وقت فرما دیتے کہ **ردّ المحتار** جلد فلاں کے صفحہ فلاں میں اِن لفظوں کے ساتھ جزئیہ موجود ہے۔ **درّ مختار** کے فلاں صفحہ، سطر میں یہ عبارت ہے۔ عالمگیری میں بقید جلد و صفحہ و سطر یہ الفاظ موجود ہیں، ارشاد فرما دیتے۔ اب جو کتابوں میں جا کر دیکھتے تو صفحہ و سطر و عبارت وہی پاتے جو زبانی اعلیٰ حضرت نے فرمایا تھا۔

اس کو آپ زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ خداداد قوت حافظہ سے ساری چودہ سو برس کی کتابیں حفظ تھیں۔ یہ چیز بھی اپنی جگہ پر حیرت ناک ہے، مگر میں تو یہ کہہ سکتا ہوں کہ حافظ قرآن کریم نے سالہا سال قرآن عظیم کو پڑھ کر حفظ کیا، روزانہ دہرایا، ایک ایک دن

میں سوسو بار دیکھا، حافظ ہوا، محراب سنانے کی تیاری میں سارا دن کاٹ دیا اور صرف ایک کتاب سے واسطہ رکھا، حفظ کے بعد سالہا سال مشغلہ رہا، ہو سکتا ہے کہ کسی حافظ کو تراویح میں لقمے کی حاجت نہ پڑی ہو، گو ایسا دیکھا نہیں گیا اور ہو سکتا ہے کہ حافظ صاحب کسی آیت کریمہ کو سن کر اِتنا یاد رکھیں کہ اُن کے پاس جو قرآن کریم ہے اُس میں آیۂ کریمہ داہنی جانب ہے یا بائیں جانب ہے، گو یہ بھی نادر چیز ہے، مگر یہ تو عادتاً محال ہے اور بالکل محال ہے کہ آیت قرآنیہ کے صفحہ وسطر کو بتایا جاسکے۔ تو کوئی بتائے کہ تمام کتب متداولہ وغیر متداولہ کا ہر جملہ بقید صفحہ وسطر بتانے والا اور پورے اسلامی کتب خانے کا صرف ''حافظ'' ہی ہے یا وہ اعلیٰ کرامت کا ''نمونہ ربانیہ'' ہے، جس کے بلند مقام کو بیان کرنے کے لیے اب تک اربابِ لغت واصطلاح لفظ پانے سے عاجز رہے ہیں۔

میری شرارت:

مجھے اپنی یہ شرارت یاد ہے کہ جان بوجھ کر اپنے جانے بوجھے جزئیات فقہ کو دریافت کرتا تو اعلیٰ حضرت مسکرا کر بتا دیتے اور مزید حوالے بتا دیتے مع صفحہ وسطر عبارت نوٹ کر لیتا کہ شاید کبھی صفحہ یا سطر یا عبارت میں کسی لفظ ونقطہ کی بھول ہو جائے، مگر آج میں بڑی مسرت کے ساتھ باقرارِ صالح اپنا بیان دیتا ہوں کہ میری شریرانہ خواہش ہمیشہ ناکام رہی ہے۔

حیرت انگیز علم حساب:

چونکہ میں نے حساب کی تعلیم اسکول طور پر پائی تھی؛ لہٰذا فرائض کے حساب کی مشق بڑھی ہوئی تھی اور ایسے استفتاء میرے سپرد فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ پندرہ بطن کا مناسخہ آیا، ظاہر ہے کہ مورثِ اعلیٰ کی پندرہویں پشت میں درجنوں وِرثہ دار ہوں گے، مجھے اس کے

جواب میں دو رات اور ایک دن سخت محنت کرنی پڑی اور آنہ پائی سے درجنوں ورثا کے حق کو قلمبند کردیا۔ نمازِ عصر کے بعد بیٹھا کہ استفتاء سناؤں، وہ بہت طویل تھا، فلاں مرا اور فلاں کو وارث چھوڑا، پھر فلاں مرا اور اتنے وارث چھوڑے، اس میں صرف ناموں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ فل سکیپ سائز کے دو صفحے بھرے ہوئے تھے۔ اِدھر استفتاء ختم ہوا، اُدھر بلا کسی تاخیر کے ارشاد فرمایا کہ آپ نے فلاں کو اتنا اور فلاں کو اِتنا، درجنوں نام بنام لوگوں کا حصہ بتا دیا۔ اب میں حیران و ششدر کہ استفتاء کو بیس مرتبہ تو میں نے پڑھا، ہر ایک نام کو بار بار پڑھ کر اُن کا حصہ قلمبند کیا، لیکن مجھ سے صرف سب اَحیا (زندہ افراد) کا نام کوئی پوچھے تو بغیر استفتاء اور جواب دیکھے نہیں بتا سکتا۔ یہ کیا تبحر؟ کیا وسعت ادراک؟ توبہ توبہ! یہ کتنی شاندار کرامت ہے کہ ایک بار استفتاء سنا تو درجنوں ورثا کا ایک ایک نام یاد رہا اور ہر ایک کا صحیح حصہ اس طرح بتا دیا کہ جیسے کئی مہینے تک کوشش کر کے حصہ و نام کو رَٹ لیا گیا ہو۔

میری عرض وتمنا:

میں اُس سرکار میں کس قدر شوخ تھا یا شوخ بنا دیا گیا تھا؟ اپنا جواب اعلیٰ حضرت کی نشست کی چارپائی پر رکھ کر عرض کرنے لگا کہ: حضور! کیا اِس علم کا کوئی حصہ عطا نہ ہوگا جس کا علمائے کرام میں نشان بھی نہیں ملتا؟ مسکرا کر فرمایا:

> ”میرے پاس علم کہاں جو کسی کو دوں؟ یہ تو آپ کے جدِ امجد سرکار غوثیت کا فضل وکرم ہے اور کچھ نہیں۔“

یہ جواب مجھ ننگ خاندان کے لیے تازیانۂ عبرت بھی تھا کہ لوٹنے والے لوٹ کر خزانہ والے ہو گئے اور میں ”پدرم سلطان بوذ“ کے نشہ میں پڑا رہا اور یہ جواب اِس کا بھی نشان دیتا تھا کہ علم راسخ والے مقام تواضع میں کیا ہو کر اپنے کو کیا کہتے ہیں؟

یہ شوخی میں نے بار بار کی اور یہی جواب عطا ہوتا رہا اور ہر مرتبہ میں ایسا ہو گیا کہ میرے وجود کے سارے کل پرزے معطل ہو گئے۔

علمِ قرآن

علمِ قرآن کا اندازہ اگر صرف اعلیٰ حضرت کے اِس ترجمے سے کیجیے جو اکثر گھروں میں موجود ہے اور جس کی کوئی مثالِ سابق نہ عربی زبان میں ہے نہ فارسی میں ہے اور نہ اُردو میں اور جس کا ایک ایک لفظ اپنے مقام پر ایسا ہے کہ دوسرا لفظ اِس جگہ پر نہیں لایا جا سکتا، جو بظاہر محض ترجمہ ہے مگر درحقیقت وہ قرآن کی صحیح تفسیر اور اُردو زبان میں قرآن ہے۔ اس ترجمہ کی شرح حضرت صدر الافاضل، استاذ العلما مولانا محمد نعیم الدین صاحب علیہ الرحمہ نے حاشیہ پر لکھی ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ دورانِ شرح میں کئی بار ایسا ہوا کہ اعلیٰ حضرت کا استعمال کردہ لفظ اٹل ہی نکلا۔ اعلیٰ حضرت خود شیخ سعدی کے فارسی ترجمہ کو سراہا کرتے تھے، لیکن اگر حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ اُردو زبان کے اس ترجمے کو دیکھ پاتے تو فرما ہی دیتے کہ: ''ترجمۂ قرآن شیءِ دیگر است و علمِ قرآن شیءِ دیگر است۔''

علم الحدیث و علم الرجال:

علم الحدیث کا اندازہ اس سے کیجیے کہ جتنی حدیثیں فقہ حنفی کا ماخذ ہیں، ہر وقت پیشِ نظر اور جن حدیثوں سے فقہ حنفی پر بظاہر زد پڑتی ہے اُن کی روایت و درایت کی خامیاں ہر وقت ازبر۔

علم الحدیث میں سب سے نازک شعبہ علم اسماء الرجال کا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے سامنے کوئی سند پڑھی جاتی اور راویوں کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو ہر راوی کی جرح

وتعدیل کے جو الفاظ فرمادیتے تھے، اُٹھا کر دیکھا جاتا تو ''تقریب'' و ''تہذیب'' و ''تذہیب'' میں وہی لفظ مل جاتا تھا۔ یحییٰ نام کے سینکڑوں راویان حدیث ہیں، لیکن ہر یحییٰ کے طبقہ واستاد وشاگرد کا نام بتادیتے۔ اس فن کے اعلیٰ حضرت خود موجد تھے؛ کہ طبقہ واسماء سے بتادیتے تھے کہ راوی ثقہ ہے یا مجروح۔ اِسے کہتے ہیں علم راسخ اور علم سے شغف کامل اور علمی مطالعہ کی وسعت اور خداداد علمی کرامت۔

امام بریلوی کے شاہکار:

اب ذرا اعلیٰ حضرت کے شاہکار ملاحظہ ہوں۔ یہی زمانہ تھا جب کہ وہابیت جنم لے رہی تھی اور جیسا کہ دستور ہے کہ تحریک باطل اپنے ابتدائی دور میں تہافت اور تخالف میں مبتلا رہتی ہے۔ ابھی کچھ کہا اور پھر اس سے ٹکرا کر اُس کے خلاف کچھ کہا۔ صراطِ مستقیم میں کسی چیز کو بزرگوں کا ارشاد بتایا، تقویۃ الایمان میں اِسی کو بدعت وضلالت لکھ مارا۔ ایک نے کچھ کہا دوسرے نے کچھ کہا۔ مولوی رشید احمد گنگوہی نے اپنے کو آغا تقی سمجھ کر فتوی دے دیا کہ آغا تقی کے باغ میں کوا حلال ہے۔ کوا کھانے کو کارِ ثواب قرار دے کر بکرے کے کپورے بھی ہضم کرنے لگے۔ اس طرح تحلیل مَا حَرَّمَ اللّٰہ کا سلسلہ چل پڑا۔ دوسری طرف سارے اعیان فرقہ نے میلاد شریف کی شیرینی اور آستانہ جاتِ اولیاء کے چڑھاوے، محرم کی سبیل، بارہویں شریف، گیارھویں شریف کے تبرکات کے لیے ''نجس''، ''حرام'' اور ''کفری پلاؤ'' کی بکواس شروع کردی۔ یعنی تحریمِ مَا اَحَلَّ اللّٰہ کا سلسلہ بھی قائم ہوگیا۔ مسئلہ توحید کی آڑ لے کر یہ اسپرٹ پیدا کی گئی کہ انبیا اور اولیا کو عام بشریت سے بالاتر جاننا ہی شرک ہے۔ اگر موحد ہو تو انبیا اور اولیا سے الگ ہو جاؤ، ان کا تذکرہ بھی نہ کرو۔ اگر مولوی اسماعیل صاحب کی بولی میں پھنس جاؤ تو لحاظ رہے کہ تعریف ایسی کرو جو بشریت عامہ سے بلند نہ ہو، بلکہ

جہاں تک ہو سکے ایسی بولی بولو جس سے لوگ سمجھیں کہ بشریت بھی بڑی چیز ہے۔ اولیا اور انبیا کو بشریت سے کم باور کراؤ۔

اِس کے بعد قدرتی طور پر جب اعمال متعلقاتِ عقائد کو بُرا بھلا کہہ چکے تو عقائد پر براہِ راست حملۂ جارحانہ شروع کر دیا۔ اعلان کیا گیا کہ کلامِ الٰہی میں بھی جھوٹ کا دخل ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو سچا سمجھ کر نہ کہو کہ وہ ہر عیب سے وجوباً پاک ہے اور جھوٹ اُس کلام میں محال ہے۔ بلکہ اگر اللہ تعالیٰ کو پاک و بے عیب کہنے کی مجبوری آ پڑے تو سمجھ کر کہو: ''عادتاً اگر چہ جھوٹ نہیں بولتا، لیکن اگر بول دے، بلکہ اپنے کو سارے عیوب میں ملوث کر دے تو وہ قادر ومختار ہے۔ نہ یہ عقلاً باطل ہے نہ شرعاً۔''

رسول پاک ﷺ کے بارے میں لکھا گیا کہ وہ تو مر کر مٹی میں مل گئے، اُن کا مرتبہ عند اللہ چوہڑے چمار یا زیادہ سے زیادہ گاؤں کے چودھری ایسا تھا۔ ایک بولا: علم میں رسول پاک کے اندر کوئی شان تخصیص نہ تھی، اُن کو اگر غیب کا علم تھا تو کوئی بات نہ تھی، ایسا علم غیب تو ہر زید و بکر بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کو حاصل ہے۔ ایک بولا کہ: علم کی وسعت دیکھنی ہے تو ہمارے فرقہ کے عالم ''عزرائیل'' کے علم کو دیکھو کہ رسول کے علم سے کتنا بڑھا ہوا ہے۔ اگر رسول کے لیے وفورِ علم کو مانو گے تو مشرک ہو جاؤ گے۔ ایک اُن کے ادارے کے بانی نے عمل کی پیائش کی تو امتی کو نبی سے بڑھا دیا۔ غرض رسول پاک کے علم کو بھی گھٹا دیا اور عمل کو بھی۔

ذرا اِس جرأتِ کافرانہ کو دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول پاک کو صاف صاف ''خاتم النبیین'' فرمایا تو فرقہ کے ایک ذمہ دار نے قرآن میں توڑ مروڑ شروع کر دی کہ ''پچھلے نبی ہونے'' میں کیا رکھا ہے؟ ایسا سمجھنا عوام کا طریقہ ہے۔ لفظ خاتم النبیین کی دلالت مطابقی

صرف ختم ذاتی پر ہے، ختم زمانی پر اگر دلالت ہے تو ضمنی ہے ،وہ عبارۃ النص نہیں ہے۔ ضروری عقیدہ ''ختم ذاتی'' کا ہے۔ اس بولنے والے نے بہت زور باندھا کہ مسئلہ تبلیغ کے بعد اُن کے امام کا خواب تعبیر پائے مگر قرآن کو توڑ مروڑ کرنے والے اور عقیدہ ضروریہ سے منہ موڑنے والے یہ دیکھ کر حیران ہو گئے کہ غلام احمد قادیانی نے اِعلان کر دیا کہ اگر اب بھی نبی ہوسکتا ہے تو اُس کے ہوجانے میں کون سی قیامت ہے۔ ''نبی ہو سکنے'' کی ذمہ دار دیوبندی پارٹی ہے، اگر وہ اپنے دعوے کو نباہ سکے تو ہم اپنے ''نبی ہو جانے'' کو نباہ لیں گے۔

اب آپ بتایئے کہ دین پاک کے ساتھ یہ اِستہزا کیا جائے ، یہ کافرانہ غداریاں کی جائیں، اللہ اور رسول کی شان میں گستاخیاں، بدزبانیاں کی جائیں تو کوئی اگر فنافی الدنیا ہو کر غور ہی نہ کرے اور کوئی عاقبت کے خیال سے آزاد اِس پر دھیان ہی نہ دے، کوئی دین و دینداری سے غافل محض مولویوں کی مولویت قرار دے کر الگ ہو جائے ،غرض جس نے دین سے کوئی مضبوط رشتہ نہ رکھا وہ چپ رہے تو چپ رہے مگر وہ کیسے خاموش رہے جس کو پوری صدی کے دینِ پاک کا ذمہ دار ہونا ہے؟ وہ اللہ تعالیٰ کا فانی فی اللہ اور باقی باللہ بندہ جو عیب تو عیب ہے کسی ہنر و کمال میں بھی اللہ تعالی کے لیے لفظ ''اِمکان'' کا استعمال اس ذات قدیم کی صفاتِ قدیمہ کے لیے جائز نہ قرار دے، وہ ''عیب کے امکان'' کو کیسے برداشت کرے۔ جو رسول پاک کا عاشق صادق ہو وہ رسول پاک کی شان میں بدلگامیوں کو کیسے سنتا رہے؟ چنانچہ یہی ہوا۔ بکمال احتیاط بکواس والوں کو خط لکھا کہ:

کیا یہ تحریر تمہاری ہے، کیا تم اِس بکواس سے راضی ہو؟ کیا اس بکواس کی اشاعت تمہاری اجازت سے ہے؟

گویا اِس محتاط اعظم نے سمجھا دیا کہ کسی بہانے یا جھوٹ سے اپنی ذمہ داری چھوڑ

دے مگر رجسٹریوں پر رجسٹریاں کی گئیں اور اہل باطل کی آنکھوں پر ایسی عنادی پٹی بندھی رہ گئی کہ رعایت سے فائدہ نہ کیا اور سخن سازی اور رکیک تاویل غیر ناشی عن الدلیل کی بدولت جس جہنم میں کفر نے قدم رکھا تھا، اس میں دھنستے چلے گئے، اس وقت فاروقی درّہ اور حیدری ذوالفقار کا بے نیام ہو جانا واجب ہو گیا تھا۔ چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ جرائم پیشہ مجرموں کے ایک ایک جرم کو آشکار اِس طرح کر دیا کہ کفر و ارتداد کے ملزموں کو عرب وعجم کے علماء و مشائخ کے سامنے ننگا کر کے کھڑا کر دیا اور ان عادی مجرموں کو حل وحرم میں اتنے اکابر مشائخ علما نے مجرم کفر و اِرتداد کا فتوی دیا کہ چودہ صدیوں میں کسی فرقے کے کسی مجرم فرد پر اتنی بڑی تعداد کا اتفاق تاریخ میں موجود نہیں ہے۔

یہ تھا وہ واقعہ جس کا مقابلہ اس ملعون پروپیگنڈے سے کیا جانے لگا کہ آستانہ رضویہ بریلی میں کفر کی مشین ہے، وہاں مسلمانوں کو کافر بنایا جاتا ہے۔ ان عقل کے دشمنوں کو یہ نہ سوجھی کہ کوئی بھی کسی دوسرے کو کافر بنانے کی سکت ہی نہیں رکھتا، کفر بکنے والا خود اپنے کو کافر بناتا ہے، البتہ اُس کے کفر بکنے اور کافر بننے سے اُمت اسلامیہ کو باخبر کر دیا جاتا ہے؛ تا کہ ان سے بچیں اور کفریات سے اپنے کو محفوظ رکھیں۔ دنیا جانتی ہے کہ مجرموں کو سزا اس لیے دی جاتی ہے کہ جرم کا اِنسداد ہو، چور کو چور مجسٹریٹ نہیں بناتا بلکہ اُس کے چوری کے جرم نے اس کو چور بنایا۔ مجسٹریٹ نے تو چور کو اس لیے سزا دی کہ دوسرا اِرتکاب نہ کرے۔ یہ تھی خالص دینی و اِسلامی سیاست کہ بے جھجک اور بے رعایت، نہ کسی کی مولویت دیکھی جائے نہ کسی کی مسجد کی پروا کی جائے اور کوئی کسی کی رِعایت کر چکا ہے تو مجرم ہے۔ اس کو فوراً سخت سے سخت سزا دی جائے۔

سعدی علیہ الرحمہ نے ملکِ بے سیاست کو زندہ رہنے کا حق نہ دیا۔ وہ بھی سیاست

ہے جس میں جرم کی تعزیر فوراً کی جائے اور ارتکابِ جرم کے حوصلے کو دبا کر رکھ دیا جائے۔ اگر کاش! ہمارے ملک کے ہمارے کلمہ گو اِس سیاست کو جان لیتے اور اس پر عمل پیرا ہوتے تو برصغیر سے لے کر امریکہ تک وہ بکواس نہ ہو سکتی جس کی بدولت ناموسِ رسول ﷺ کے نام پر جیل جانے کی نوبت آتی۔ رسول پاک ﷺ کے بارے اِس زمانے کا گندا لٹریچر ایک لازمی نتیجہ ہے اُس ناپاک ہمدردی کا جو مجرموں کے ساتھ برتی گئی، اور دیکھیے کہ اس غلط کاری کی بدولت آئندہ امت اسلامیہ کو کیا کیا بھگتنا ہے۔ وہ تو اعلیٰ حضرت نے ماضی و حال کے ساتھ مستقبل کو ایسا بھانپ لیا تھا اور مجرموں کا ایسا تعاقب فرمایا تھا کہ اُن کو چلنے کی راہ نہیں ملتی تھی اور روزانہ کی کفری بکواس کا سلسلہ توڑ دیا گیا تھا۔ ورنہ خفیف الکلامی اور شوخ بیانی کا سلسلہ جاری رہتا تو آج معاذ اللہ اسلام کے نام پر کفر نوازی بے پناہ ہو چکی ہوتی۔

امام بریلوی کا دنیائے اسلام پر احسان:

یہ تو اعلیٰ حضرت کا دنیائے اسلام و سنیت پر احسان عظیم ہے کہ بکواس والوں کی لمبی لمبی زبانوں کو کاٹ کر رکھ دیا اور کفر بکتے رہنے کی جرأت کو کمزور کر دیا اور اس طرح مجرموں کو برہنہ کر کے مسلمانوں کو ان کے کفری انداز کے شکار ہونے سے بچالیا۔ یعنی اعلیٰ حضرت نے کسی کو کافر نہیں بنایا بلکہ کافر بننے والوں کے جرائم کفریہ کو واضح فرما کر مسلمانوں کو کافر بننے سے بچالیا۔

اعلیٰ حضرت کی اس شانِ احتیاط کو دیکھیے کہ کوئی ممکن رعایت ایسی نہ تھی جو مجرم کو عطا نہ فرمائی گئی ہو۔ اگر کسی کی توبہ مشہور ہو گئی تو اُس کے کفریات گنا کر حکم لگاتے وقت ایسی رعایت برتی کہ کچھ لوگ اس رعایت ہی کو برداشت نہ کر سکے۔ حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ

اللہ علیہ نے جس مجرم کا قول قال المرید المرتد کہہ کر نقل فرمایا، وہ صرف اعلیٰ حضرت کا محتاط قلم ہے جس نے منصبِ قضا کی ذمہ داریوں کو نہ چھوڑا اور غم سہا، دکھ اُٹھایا، مگر قانون کی ہر رعایت کو فطری غیظ پر غالب رکھا۔

یہ تو جب غلام احمد قادیانی نے اپنے کفری دعوی نبوت کو کسی طرح نہیں چھوڑا، نانوتوی نے ختم زمانی کے عقیدہ حقہ کی ضرورت سے اِنکار کر دیا اور اسی پر جما رہا، گنگوہی اور انبیٹھوی نے رسول پاک کے علم کے بارے میں حضور کے مقابلے پر شیطان کے علم کو بڑھایا اور باز نہ آئے، تھانوی علم رسول کی سطح کو ہر زید وعمرو وصبی ومجنون وبہائم حیوانات کی سطح پر لایا اور ضد کو نہ چھوڑا تو گنتی کے اِنھیں جیسے چند مجرموں کی توبہ سے مایوس ہو کر اِس فرض شرعی کو ادا فرمایا کہ امت اسلامیہ کو ہوش ہو اور وہ جس کش مکش میں پڑ گئے ہیں کہ مجرموں کا ساتھ دیں تو دامن رسول ﷺ ہاتھ سے نکل جاتا ہے اور رسول پاک ﷺ کے دامن کو تھامے رہیں تو مولوی نما نمازیوں سے بے تعلق ہونا پڑتا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے اِس کش مکش کا یہ علاج بتایا کہ دامن رسول ﷺ ہی مسلمانوں کی پناہ گاہ ہے اور اس کے لیے کسی مولوی ملا کی پرواہ نہ کی جائے۔ رسول پاک ﷺ کا دامن دین و ایمان ہے، اس کو چھوڑ کر خواہ کچھ ہو جائے، مگر مسلمان نہیں رہ سکتا۔

اِس صاف اور سادہ اور نا قابلِ انکار بلکہ روشن پیغام کو "کفری مشین" کہہ کر پروپیگنڈا کرنا حقیقتاً اِس حقیقت کو مان لینا ہے کہ مجرموں اور ان کے ساتھیوں کے پاس جرم سے بریت کا کوئی سامان ہی نہیں ہے، اُن کا دل یہ شکایت نہیں کر سکتا کہ وہ بے گناہ ہیں، البتہ ان کو غم اس کا ہے کہ ہمارے جرائم کو آشکار کیوں کیا گیا۔ جس کا جواب خود ان کے علم میں بھی

ہے کہ جب توبہ، اِنابت الی اللہ سے مجرموں کو محروم پایا تو وہ مؤاخذہ فرمایا کہ جو شرع مطہر سے فرض عین ہو گیا تھا۔ چنانچہ دیوبندیت کے نقیب و رئیس المناظرین حسن چاند پوری نے چھاپ کر اعلان کر دیا کہ ''ہمارے بڑوں کے کلمات کے ظاہر معنی جو اعلیٰ حضرت نے پائے تو ہمارے کفر کے بکنے کو ظاہر نہ کرتے خود کافر ہو جاتے۔''

اعلیٰ حضرت نے اس حقیقت کو واضح فرما دیا کہ دیوبندیوں کی توحید بتوں اور اصنام کے خلاف نہیں ہے، بلکہ وہ صرف اینٹی (Antti) انبیا و اولیا ہے۔ توحید ان کی بوتل کا صرف فریب کاری کا لیبل ہے، جس بوتل میں شرک و کفر و بدعت ہی بھرا ہوا ہے۔

اعلیٰ حضرت نے اس حقیقت کو واضح فرما دیا کہ دیوبندیوں کا ایمان بالرسول بایں معنی نہیں ہے کہ رسول پاک سید المرسلین ہیں، خاتم النبیین ہیں، شفیع المذنبین ہیں، اکرم الاولین والآخرین ہیں، اعلم الخلق اجمعین ہیں، محبوب رب العالمین ہیں، بلکہ صرف بایں معنی ہے کہ زیادہ سے زیادہ بڑے بھائی ہیں، جو مر کر مٹی بن چکے ہیں، وہ ہمیشہ سے بے اختیار اور عند اللہ بے وجاہت رہے، اگر اُن کو بشر سے کم قرار دو تو تمہاری توحید زیادہ چمکدار ہو جائے گی۔

ان حقائق کو واضح کر دینے کا یہ مقدس نتیجہ ہے کہ آج مسلمانوں کی جمہوریت اعلانیہ بڑی اکثریت کے ساتھ دامن رسول ﷺ سے لپٹی ہوئی ہے اور دشمنان اسلام کے فریب سے بچ کر مجرموں کے منہ پر تھوک رہی ہے۔

فجزاه الله تعالى عنا وعن سائر اهل السنة والجماعة خير الجزاء.

دنیا کو یہ حقیقت یاد رکھنی چاہیے کہ اعلیٰ حضرت، جن کے قلم کے نیزے کی مار نے کئی آنکھیں پھوڑیں، کسی کو نمرود والی سزا دی، کسی کو مبہوت کر کے رکھ دیا، یہاں تک کہ وہ مر کر مٹی

میں مل گئے، یہاں بھی کراہتے رہے اور وہاں بھی چیختے ہیں، مگر اتنی جرأت آج تک کوئی نہ کر سکا کہ اعلیٰ حضرت کی کسی تصنیف کا برائے نام ہی سہی رد لکھ کر چھاپ دے۔ میدان رزم اِس مردِ میدان کی خداداد ہیبت وجلالت کا یہ عالم ظاہر کرتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کا یہ ارشاد ایک طرح سے اظہر حقیقت ہے

؎ وہ رضا کے نیزے کی مار ہے

امام بریلوی قدس سرہٗ کاملین کی نگاہ میں:

میرے استاذ، فن حدیث کے امام (حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی) کو بیعت حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی سے تھی، مگر حضرت کی زبان پر پیر ومرشد کا ذکر میرے سامنے کبھی نہ آیا اور اعلیٰ حضرت کے بکثرت تذکرے محویت کے ساتھ فرماتے رہتے۔ اس وقت تک بریلی حاضر نہ ہوا تھا، اِس انداز کو دیکھ کر میں نے ایک دن عرض کیا کہ آپ کے پیر ومرشد کا تذکرہ نہیں سنتا اور اعلیٰ حضرت کا آپ خطبہ پڑھتے رہتے ہیں۔ فرمایا:

"جب میں نے پیر ومرشد سے بیعت کی تھی بایں معنیٰ مسلمان تھا کہ میرا سارا خاندان مسلمان سمجھا جاتا تھا، مگر جب میں اعلیٰ حضرت سے ملنے لگا تو مجھ کو ایمان کی حلاوت مل گئی۔ اب میرا ایمان رسمی نہیں ہے، بلکہ بعونہٖ تعالیٰ حقیقی ہے۔ جس نے حقیقی ایمان بخشا اُس کی یاد سے اپنے دل کو تسکین دیتا رہتا ہوں۔"

حضرت کا اندازِ بیان اور اُس وقت چشم پُرنم۔ مگر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ واقعی "ولی را ولی می شناسد" اور "عالم را عالم می داند"۔ میں نے عرض کیا کہ علم الحدیث میں کیا وہ آپ کے برابر ہیں؟ فرمایا: "ہرگز نہیں۔" پھر فرمایا:

شہزادہ صاحب! آپ کچھ سمجھے کہ "ہرگز نہیں" کا کیا مطلب ہے؟ سنیے! اعلیٰ حضرت اس فن میں امیر المومنین فی الحدیث ہیں؛ کہ میں سالہا سال تک صرف اِس فن میں تلمذ کروں تو بھی اُن کا پاسنگ نہ ٹھہروں۔

بریلی کی طرف میری کشش:

حضرت محدث صاحب قبلہ کے اِسی قسم کے ارشادات نے میرے دل کو بریلی کی طرف کھینچا اور بالآخر آنکھوں سے دیکھ لیا کہ اعلیٰ حضرت کیا ہیں؟ اس کا اندازہ بڑے سے بڑا مبصر بھی نہیں کرسکتا۔

اندازِ تربیت:

ذرا انداز تربیت دیکھیے کہ کارِ افتا کے لیے جب بریلی حاضر ہوا تو میرے اندر لکھنؤ میں رہنے کی خوبو کافی موجود تھی۔ شہر کے جغرافیہ میں بازار اور تفریح گاہوں کو وہاں کے لوگوں سے پوچھتا رہا کہ جمعہ کے دن کی فرصت میں کچھ سیر سپاٹا کروں۔ جمعہ کا دن آیا تو مسجد میں سب سے آخری صف میں تھا، نماز ہوگئی تو مجھے دریافت فرمایا کہ کہاں ہیں؟ میں بریلی کے لیے بالکل نیا شخص تھا۔ لوگ ایک دوسرے کے منہ دیکھنے لگے۔ یہاں تک کہ اعلیٰ حضرت خود کھڑے ہوگئے اور بابِ مسجد پر مجھ کو دیکھ لیا تو مصلیٰ سے اٹھ کر صفِ آخر میں آ کر مجھے مصافحہ سے نوازا۔ اِس سے زیادہ کا اِرادہ فرمایا تو میں تھرا کر گر پڑا۔ اعلیٰ حضرت پھر مصلیٰ پر تشریف لے گئے اور سنن ونوافل ادا فرمانے لگے۔ مسجد کے ایک ایک شخص نے اِس کو دیکھا اور بڑی حیرت سے دیکھا۔ میں نے بازار اور کتب خانہ کی سیر کو طے کر رکھا تھا۔ شام کو جب چلا تو شہامت گنج کی موڑ پر پہلے پان کھانے کی خواہش پیدا ہوئی، ابھی پان والے سے کہا بھی نہیں تھا کہ ہر طرف سے السلام علیکم آیئے! اور مجھ کو جواب دینا پڑے۔ اب پان والے کی دوکان

کے سامنے کھڑا ہونا میرا دشوار ہوگیا۔ سلام و مصافحہ کی برکت نے سارا پروگرام ختم کر دیا۔ وہ دن ہے اور آج کا دن ہے کہ بریلی کا ذکر نہیں، کلکتہ بمبئی مدارس میں بھی پا پیادہ نہیں، بلکہ موٹر میں بیٹھ کر بھی صرف سیر کے لیے نہیں نکلا۔ سارا لکھنوی انداز ہمیشہ کے لیے ختم فرمادیا۔

حضرت غوث اعظم کے ساتھ حیرت انگیز عقیدت:

دوسرے دن کارِ افتا پر لگانے سے پہلے خود گیارہ روپیہ کی شیرینی رکھ کر فاتحہ غوثیہ پڑھ کر دستِ کرم سے شیرینی مجھ کو بھی عطا فرمائی اور حاضرین میں تقسیم کا حکم دیا کہ اچانک اعلیٰ حضرت پلنگ سے اُٹھ پڑے۔ سب حاضرین کے ساتھ میں بھی کھڑا ہوگیا کہ شاید کسی شدید حاجت سے اندر تشریف لے جائیں گے، لیکن حیرت بالائے حیرت یہ ہوئی کہ اعلیٰ حضرت زمین پر اکڑوں (زانو کھڑے کر کے) بیٹھ گئے، سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ دیکھا تو یہ دیکھا کہ تقسیم کرنے والے کی غفلت سے شیرینی کا ایک ذرہ زمین پر گر گیا تھا اور اعلیٰ حضرت اس ذرے کو نوکِ زبان سے اُٹھا رہے ہیں۔ اور پھر اپنی نشست گاہ پر بدستور تشریف فرما ہوئے۔

اِس واقعہ کو دیکھ کر سارے حاضرین سرکارِ غوثیت کی عظمت و محبت میں ڈوب گئے اور فاتحہ کی شیرینی کے ایک ایک ذرے کے تبرک ہو جانے میں کسی دلیل کی حاجت نہ رہ گئی اور اب میں نے سمجھا کہ بار بار مجھ سے جو فرمایا گیا کہ: ''میں کچھ نہیں، یہ آپ کے جد امجد کا صدقہ ہے۔'' وہ مجھے خاموش کر دینے کے لیے ہی نہ تھا اور نہ صرف مجھ کو شرم دلانا ہی تھی، بلکہ درحقیقت اعلیٰ حضرت غوث پاک کے ہاتھ میں ''چوں قلم در دست کاتب'' تھے۔ جس طرح غوث پاک رضی اللہ عنہ سرکار دو عالم ﷺ کے ہاتھ میں ''چوں قلم در دست'' کاتب تھے۔

اور کون نہیں جانتا کہ رسول پاک ﷺ اپنے رب کی بارگاہ میں ایسے تھے۔ قرآن کریم نے فرمایا: وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی۔

امام بریلوی کا لغزشوں سے محفوظ رہنا:

علمائے دین کے اعلیٰ کارنامے چودہ صدیوں سے چلے آرہے ہیں، مگر لغزش قلم اور سبقتِ لسانی سے بھی محفوظ رہنا یہ اپنے بس کی بات نہیں۔ زورِ قلم وہ میں تفرد پسندی میں آگئے، بعض تجدد پسندی پر اُتر آئے، تصانیف میں بھی خود آرائیاں ملتی ہیں، لفظوں کے استعمال میں بھی بے احتیاطیاں ہو جاتی ہیں، قولِ حق کے لہجے میں بھی بوئے حق نہیں ہے، حوالہ جات میں اصل کے بغیر نقل پر ہی قناعت کر لی گئی ہے، لیکن ہم کو اور ہمارے ساتھ سارے علمائے عرب وعجم کو اعتراف ہے کہ حضرت شیخ محقق دہلوی، بحر العلوم فرنگی محلی یا پھر اعلیٰ حضرت کی زبان وقلم کا یہ حال دیکھا کہ مولیٰ تعالیٰ نے اپنی حفاظت میں لے لیا ہے اور زبان وقلم نقطہ برابر خطا کرے اس کو ناممکن فرما دیا۔ ذلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء.

اس عنوان پر غور کرنا ہو تو فتاوی رضویہ کا گہرا مطالعہ کر ڈالیے۔

امام بریلوی کی شعر گوئی:

کتنی عجیب بات ہے کہ ایسے امام الوقت مستند العصر کے پاس، جس کو رات دن کے کم از کم بیس گھنٹے میں صرف نشر علم دین سے واسطہ ہو، جس کے ایوان علم میں اپنے ساتھ قلم دوات اور دینی کتابوں کے سوا کچھ نہ ہو، جو عرب وعجم کا رہنما ہو، اُس کے شعر کہنے کو کیا کہا جائے؟ کسی سے شعر سننے کی فرصت کہاں سے ملتی ہے؟ مگر شان جامعیت میں کمی کیسے ہو اور مملکت شاعری میں برکت کہاں سے آئے اگر اعلیٰ حضرت کے قدم اس کو نہ نوازیں۔ حضرت

حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس رشکِ جناں سے سرفراز تھے اُس کی طلب تو ہر عاشق کے لیے سرمایۂ حیات ہے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت کے حمد و نعت کا ایک مجموعہ کئی حصوں میں شائع ہو چکا ہے، جس کا ایک ایک لفظ خود مست ہے اور سننے والوں کو مستی عطا کرتا رہتا ہے۔

ایک مرتبہ لکھنؤ کے ادیبوں کی شاندار محفل میں اعلیٰ حضرت کا قصیدہ معراجیہ میں نے اپنے انداز میں پڑھا تو سب جھومنے لگے۔ میں نے اعلان کیا کہ اُردو ادب کے نقطۂ نظر سے میں ادیبوں کا فیصلہ اِس قصیدہ کی زبان کے متعلق چاہتا ہوں تو سب نے کہا کہ:

''اِس کی زبان تو کوثر کی دُھلی ہوئی زبان ہے۔''

اس قسم کا ایک واقعہ دہلی میں پیش آیا تو سرآمد شعرائے دہلی نے جواب دیا کہ:

''ہم سے کچھ نہ پوچھئے، آپ عمر بھر پڑھتے رہیے اور ہم عمر بھر سنتے رہیں گے۔''

فن زیجات و فن تکسیر:

فن زیجات و فن تکسیر میں شانِ اِمامت کے نمونے آج اعلیٰ حضرت کے تلامذہ سے معلوم کیے جاسکتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے ارشد تلامذہ حضرت ملک العلما ظفر الملۃ والدین اِس عہد میں ہر دو فن کے ماہر مانے جا رہے ہیں۔ علم جفر میں اعلیٰ حضرت ساری دُنیا میں فرد یکتا تھے، بڑے بڑے مدعیانِ فن ''منتظرہ'' تک پہنچ کر آگے معذور ہو جاتے ہیں اور ان کے حسابات میں جواب سے پہلے کوئی نہ کوئی کسر آجاتی ہے۔ بڑے بڑے رمّال و جفّار نے اعتراف کیا کہ ہم اعلیٰ حضرت کے آگے طفل دبستان ہیں۔

عجیب واقعہ:

اِس سلسلہ میں ایک واقعہ یاد آگیا کہ حضرت مولانا ہدایت رسول رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ریاست رام پور میں علمی منصب پر فائز تھے، نواب صاحب کی بیگم بیمار پڑیں جن کی بیماری نواب صاحب کے لیے نا قابل برداشت تھی۔ ان کی بیماری کا انجام جاننے کے لیے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بھیجا، پہلے تو اعلیٰ حضرت نے ٹال دیا مگر مولانا کا سوکھا سامنہ دیکھ کر رحم آ گیا اور لکھ کر دے دیا کہ: ''اگر رفض سے توبہ نہ کی تو اسی محرم میں رام پور کے اندر مر جائے گی۔'' نواب صاحب نے طے کر لیا کہ ماہِ محرم کو تو روکا نہیں جا سکتا، مگر رام پور سے چلا جانا ممکن ہے، مع بیگم کے نینی تال چلے گئے کہ وہاں موت واقع ہوئی تو وہ نینی تال ہے، رام پور نہیں ہے، مگر وہ جو کہ فرمایا گیا ہے جَفَّ القلمُ بما هو كائن (یعنی جو کچھ ہونا ہے، قلم نے لکھ دیا ہے) آخر یہ ہو کر رہا کہ کانپور کی مسجد شہید گنج کے ہنگامے میں لیفٹیننٹ گورنر مسٹر مسٹن کی بے چینی حد سے بڑھی تو نواب صاحب کو تار دے دیا کہ رام پور آتا ہوں، جلد آ کر ملو۔ نواب صاحب اکیلے جانے کو تیار ہوئے تو بیگم نے نہ مانا اور دونوں ماہِ محرم میں جیسے ہی رام پور پہنچے کہ بیگم کا انتقال ہو گیا۔ اعلیٰ حضرت نے مولانا سے فرمایا تھا کہ اس پر ایمان نہ لانا، مگر ہو گا ایسا ہی چنانچہ وہ ہو کر رہا۔

کارخانۂ قدرت کے جس عجوبہ کاری میں دنیا نے دیکھا کہ علامہ شامی کی وہ مبارک ہستی تھی جس نے وہابیہ نجدیہ کو باغی قرار دے کر اس کے خلاف آواز بلند کی اور دہلی کے شاہ صاحب نے اپنے گھر کی وہابیت کو چھپا کر دفن کر دیا، اُس کا ردّ فرما دیا اور اعلیٰ حضرت نے وہابیت نجدیت دیوبندیت کی وہ بے مثال گردن زدنی فرمائی کہ عرب و عجم نے امامت ومجددیت کا تاج زرّیں فرق (سر) مبارک پر رکھ دیا۔

وصال کی خبر اور اعلیٰ حضرت اشرفی میاں:

میں اپنے مکان پر تھا اور بریلی کے حالات سے بے خبر تھا۔ میرے حضور شیخ المشائخ اعلیٰ حضرت شاہ سید علی حسین اشرفی میاں قدس سرہ العزیز وضو فرما رہے تھے کہ یکبارگی رونے لگے، یہ بات کسی کی سمجھ میں نہ آئی کہ کیا کسی کیڑے نے کاٹ لیا ہے؟ میں آگے بڑھا تو فرمایا:

”بیٹا میں فرشتوں کے کاندھے پر قطب الارشاد کا جنازہ دیکھ کر رو پڑا ہوں۔“

چند گھنٹے کے بعد بریلی کا تار ملا تو ہمارے گھر کہرام پڑ گیا۔ اس وقت حضرت والد ماجد قبلہ حکیم الاسلام علامہ سید نذر اشرف قدس سرہ کی زبان پر بے ساختہ آیا کہ رحمۃ اللہ علیہ۔ اسی وقت ایک خاندانی بزرگ نے فرمایا کہ اس سے تو تاریخ وصال نکلتی ہے۔

آج ہم اور آپ اسی یکتائے روزگار امام و مجدد قطب الارشاد کی بارگاہ عالی میں نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کو جمع ہیں اور ان کی روح مبارک سے دارین کا آسرا لگائے ہوئے ہیں۔

فرحمة اللّٰه تعالٰى عليه ورضى اللّٰه تعالٰى عنه أحمدَ رضًا.

فقط

فقیر اشرفی و گدائے جیلانی

ابو المحامد سید محمد غفرلہٗ کچھوچھوی نزیل ناگپور

امام احمد رضا بحیثیتِ محدث

تحریر: ڈاکٹر فضل حنان سعیدی، شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

نوٹ: یہ تحریر تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان کے درجہ الشہادۃ العالمیہ، سیشن 1988 کے لیے لکھے گئے مقالہ ''برصغیر میں علمائے اہل سنت کی خدماتِ حدیث'' کا حصہ ہے۔

ولادت باسعادت:

اعلیٰ حضرت مولانا مفتی الشاہ احمد رضا خاں علیہ الرحمہ 10 شوال المکرّم 1272ھ بمطابق 14 جون 1856ء کو بریلی (روہیل کھنڈ) میں پیدا ہوئے۔

(رحمان علی، تذکرہ علمائے ہند، ص98)

تعلیم:

فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے علوم معقول ومنقول اپنے والد ماجد مولانا نقی علی خان سے حاصل کیے۔ آپ کے علاوہ مولانا ابوالحسین نوری مارہروی، مولانا عبدالعلی رامپوری اور مرزا غلام قادر بیگ وغیرہم علیہم الرحمہ سے بھی استفادہ فرمایا۔

(بدرالدین قادری، سوانح اعلیٰ حضرت، ص:98، 99)

فاضل بریلوی نے اپنے والد ماجد مولانا الشاہ نقی علی خان سے اکیس علوم حاصل کیے، باقی تقریباً سینتیس (37) علوم فضل ربانی وفیض نبوی سے آپ پر منکشف ہوئے۔

درس حدیث:

فاضل بریلوی علیہ الرحمہ تعلیم سے فراغت کے بعد تدریس و اِفتا کے منصب پر متمکن

ہوئے۔ دیگر علوم وفنون کے ساتھ ساتھ علم حدیث میں بھی یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ علامہ ظفرالدین بہاری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

آپ نے درس وتدریس بھی کسی مدرسے میں مدرس ہوکر یا اپنا ہی مدرسہ قائم کرکے نہیں کی، لیکن ایک زمانے میں مرجع طلبا رہے۔ دور دور سے طلبا آکر مستفید ہوتے رہتے۔ سہارنپور اور دیوبند مدرسہ اپنی طوالتِ عمر وقدامت کی وجہ سے بہت مشہور تھا، لیکن وہاں کے چند طلبا دیوبند اور گنگوہ کو چھوڑ کر درس حدیث وفقہ کے لیے بریلی، اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہاں کے طلبا کو سخت تعجب ہوا اور اُنھوں نے آنے والوں سے پوچھا: ''طلبا کو ثَمَّهُ خَيْرًا کا مرض ہوتا ہے، ایک جگہ پڑھ رہے ہیں وہاں سے پڑھنا چھوڑ کر دوسری جگہ چل دیے، لیکن یہ عموما ایسی جگہ ہوتا ہے کہ دوسری جگہ وہاں کی تعریف ہوتی ہو۔ آپ لوگ دیوبند اور گنگوہ سے بریلی کس طرح پہنچے؟ اِس لیے کہ وہابی مدرسوں میں اِس کی توقع ہی نہیں کہ کسی اہل سنت عالم کی تعریف کریں اور وہ بھی اعلیٰ حضرت جیسے رادِّ وہابیہ کی۔'' (اُنھوں نے کہا)

''ٹھیک ہے کہ وہاں مولانا کی مدح وثنا نہیں ہوتی، مگر ایک بات کہنے پر وہ بھی مجبور ہوتے ہیں کہ جب کوئی تذکرہ نکلتا تو اخیر میں ایک ٹیپ کا بند یہ ضرور ہوتا تھا کہ ''احمد رضا قلم کا بادشاہ ہے، جس مسئلہ پر قلم اُٹھایا پھر نہ کسی موافق کو اِضافہ کی ضرورت رہتی ہے اور نہ مخالف کو اِنکار کی۔'' یہی صفت ہماری کشش کا باعث بنی جو دیوبند اور گنگوہ کو چھوڑ کر بریلی پہنچے۔ (حیات اعلیٰ حضرت)

علم حدیث میں قلمی خدمات

مفتئ اعظم پاکستان سید ابوالبرکات شاہ صاحب فرماتے تھے جب اعلیٰ حضرت کی عمر 50 سال ہوگئی تو آپ نے تمام تر توجہ تصنیف وتالیف کی طرف پھیر دی اور فرمایا:

"ایک دور، یعنی صدی گذر گئی ہے، زمانے کے حالات بدل گئے، اب ہمیں بھی اپنی عادات میں تبدیلی لانی چاہیے۔"

چونکہ لوگ تحریر سے اِستفادہ کر سکتے تھے؛ اِس لیے تقریر پر تحریر کو فوقیت دی۔

الزبدة الزکیّہ لتحریم سُجود التحیّہ:

ایک سوال کے جواب میں سجدۂ تعظیمی کی حرمت ثابت کرنے کے لیے آپ نے ایک دقیق کتاب لکھی جس میں آپ کے تبحر علمی کا جوہر نمایاں ہے؛ کہ ابوالحسن ندوی کو بھی اعتراف کرنا پڑا کہ: "یہ ایک نہایت جامع رسالہ ہے، جو اُن کے نورِ علم اور قوتِ استدلال پر دلالت کرتا ہے۔" (نزھۃ الخواطر، ج:8، ص:40)

متعدد آیات کریمہ اور ڈیڑھ سو نصوص فقہیہ کے علاوہ آپ نے اِس کی تحریم کے ثبوت میں چالیس احادیث بھی پیش کی ہیں۔

(دیکھیے: فتاویٰ رضویہ، ج:22، ص:425 تا 537، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ)

اعلیٰ حضرت خود رقمطراز ہیں:

"حدیث میں چہل حدیث کی بہت فضیلت آئی ہے، ائمہ وعلما نے رنگ رنگ کی چہل حدیث لکھی ہیں۔ ہم بتوفیقہٖ تعالیٰ غیر خدا کو سجدہ حرام ہونے پر چہل حدیثیں لکھتے ہیں۔"

یہ حدیثیں دو نوع کی ہیں:

نوع اول: سجدۂ غیر کی مطلقاً ممانعت۔ اِس کے تحت 23 احادیث ذکر کی گئی ہیں۔

نوع دوم: قبر کی طرف ممانعت۔ اِس کے تحت 24 سے 40 تک حدیثیں مذکور ہیں، اور درمیان میں جابجا تشریحات وتوضیحات بھی ہیں۔

رادّ القحط والوباء بدعوة الجيران ومؤاساة الفقراء:

اعلیٰ حضرت نے اِس کتاب میں ساٹھ (60) احادیث سے صدقہ دینے کی فضیلت، اُس کی خوبیاں، صلہ رحمی کے فوائد اور ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے میں دنیوی واُخروی فوائد تفصیل سے تحریر فرمائے۔ (فتاوی رضویہ، ج:23،ص:135 تا 160)

الأمن والعُلیٰ لناعتی المصطفیٰ بدافع البلاء:

مفتی احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے اِس کتاب میں آیات کریمہ اور دیگر نصوص کے علاوہ سینکڑوں احادیث کریمہ سے رسول مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو "دافع البلاء" کہنے کا اِثبات واِحقاق کیا ہے۔ (دیکھیے: فتاوی رضویہ، ج:30،ص:359 تا 500)

خود تحریر فرماتے ہیں:

"اسنادِ غیر ذاتی کسی قسم کا ہو، اب جو اِسے شرک کہا جاتا ہے تو اُس کی دو ہی صورتیں متصور ہیں: بنظر مصداق نسبت یا بنفس حکایت۔

اول یہ کہ غیر خدا کے لیے ایسا اِتصاف ماننا ہی مطلقاً شرک ہے، اگرچہ مجازی ہو، جس کا حاصل اِس مسئلہ میں یہ کہ حضور دافع البلاء صلی اللہ تعالی علیہ وسلم دفع بلا کے سبب ووسیلہ وواسطہ بھی نہیں کہ مصداقِ نسبت کسی طرح متحقق۔ جو غیر خدا کو ایسے

اُمور میں سبب ہی مانے وہ بھی مشرک۔

دوم یہ کہ ایسی نسبت و حکایت خاص بذاتِ احدیت جل وعلا ہے، غیر کے لیے مطلقاً شرک، اگرچہ اسناد غیر ذاتی مانے۔ آدمی اگر عقل و ہوش سے کچھ بہرہ رکھتا ہو تو غیر ذاتی کا لفظ آتے ہی شرک کا خاتمہ ہوگیا؛ کہ جب بعطائے الٰہی مانا تو شرک کے کیا معنی؟''

سرور العید السعید فی حلّ الدعاء بعد صلوۃ العید:

اس کتاب میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلی نے اڑتیس (38) حدیثوں سے نماز عید کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگنے کا ثبوت دیا ہے۔ (دیکھیے: فتاوی رضویہ، ج:8، ص:511 تا 560)

حاجز البحرین:

اس کتاب کے مطالعہ کے بعد پتا چلتا ہے کہ فاضل بریلوی علیہ الرحمہ احادیث کریمہ کی اِصطلاحات و اسانید، نقدِ رجال اور دیگر متعلقات پر گہری نظر رکھتے تھے۔ الفاظ و مفاہیم ہر ایک پر محققانہ اور عالمانہ کلام فرماتے تھے اور پھر صحیح نتائج تک اُن کی محدثانہ بصیرت براہِ راست رہنمائی کیا کرتی تھی۔

صحیحین کی ایک حدیث ہے، جس سے بعض لوگ ظہرین (ظہر اور عصر) عرفہ، اور عشائین (مغرب وعشا) مزدلفہ کے علاوہ دوسرے ایام میں بھی بالقصد جمع بین الصلوٰتین کا حکم لگاتے ہیں۔ حدیث یہ ہے: ''عن ابی جحیفة رضی اللّٰه عنه خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِالهَاجِرَةِ، فَأُتِيَ بِوَضُوءٍ، فَتَوَضَّأَ، فَصَلّٰى بِنَا الظُّهْرَ وَ العَصْرَ...''
(صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب الصلوٰۃ الی العنزۃ)

مطلب یہ کہ حضور ﷺ خیمۂ اقدس سے نکل کر تشریف لائے وضو فرمایا اور ظہر وعصر کی نماز ادا فرمائی۔

اِس میں مطلقاً جمع بھی نہیں ہے، چہ جائے کہ جمع حقیقی میں نص ہو۔

جمع بین الصلوٰتین کے قائل نے یہ تحقیق پیش کی کہ ھاجرہ (یعنی دوپہر) خروج، وضو اور صلوٰۃ سب کا ظرف ہے، اور ''فا'' ترتیب بے مہلت کے لیے، تو بمقتضائے ''فا'' معنی یہ ہوئے کہ یہ سب کام ھاجرہ میں ہی ہوئے۔ ظاہر یہی ہے تو اِس سے عدول بے مانع قطعی ناروا۔ علاوہ ازیں عصر، ظہر پر معطوف اور ''صلّٰی'' ''توضأ'' سے بے مہلت مربوط، تو معطوفِ معمول کو جدا کر لینا کیونکر جائز؟

اِس پر فاضل بریلوی نے متعدد وجوہ سے ردّ فرمایا:

1: ''فا'' کو ترتیبِ ذکری کافی۔ مسلم الثبوت میں ہے: **الفاء للترتیب علی سبیل التعقیب ولو فی الذکر.** (مسلم الثبوت، مسئلہ: الفاء للترتیب، ص: 61، مطبوعہ دہلی)

2: عدمِ مہلت ہر جگہ اُس کے لائق ہوتی ہے، **کمافی فواتح الرحموت: ''تَزَوَّجَ فَوُلِدَ لَہٗ''** (فواتح الرحموت، جلد: 1، ص: 234، مطبوعہ مصر) کون کہے گا کہ نکاح کرتے ہی اُسی آن میں بچہ پیدا ہو گیا، تو جیسے وہاں تقریباً ایک سال کا فاصلہ منافی مقتضائے ''فا'' نہیں، ظہر وعصر میں دو ساعت کا فاصلہ کیوں منافی ہو گا؟

3: ھاجرہ ظرفِ خروج ہے، ممکن کہ خروج آخرِ ھاجرہ میں ہو؛ کہ وضو و نمازِ ظہر تک تمام ہو جائے اور نماز عصر بلا مہلت اُس کے بعد ہو۔ ھاجرہ کچھ دوپہر کو ہی نہیں کہتے، زوال سے عصر تک کو شامل ہے۔

4: حدیث مروی بالمعنی ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب نے تصریح کی ہے کہ ایسی حدیث

کے ''فا''، ''و'' وغیرہما سے استدلال صحیح نہیں، کما فی حجة اللّٰہ البالغه. وأنا أقول وبحول اللّٰہ أصول:

5: ھاجرہ کوظرفِ افعال ثلاثہ کہنا محض اِدّعائے بے دلیل ہے۔ ''فا'' تعقیب چاہتی ہے، اتحادِ زمانہ نہیں چاہتی، بلکہ تعدد واجب کرتی ہے؛ کہ تعقیب بے تعدد معقول نہیں۔

6: ظرفیتِ ثلاثہ ''فا'' سے ثابت ہے یا خارج ہے؟ اول بداھۃً باطل، کما علمت، برتقدیرِ ثانی حدیث ''فا'' لغوِ محض ہے؛ کہ عصر فی الھاجرہ اُسی قدر سے ثابت، پھر باوصفِ لغویت اُسی کی طرف اسناد کہ ''بمقتضائے فا یہ معنی ہوئے'' اور عجیب تر۔

7: صحیح مسلم وغیرہ میں ملاحظہ ہو: فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ تَوَجَّهُوا إِلٰى مِنًى فَأَهَلُّوا بِالْحَجِّ وَرَكِبَ رَسُولُ اللّٰهِ -صلى الله تعالى عليه وسلم- فَصَلّٰى بِهَا الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ وَالْفَجْرَ. (صحیح مسلم، جلد: 1، ص: 396، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی)

جب آٹھویں ذی الحجہ کی ہوئی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حج کا اِحرام باندھ کر منٰی کو چلے اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے تو منٰی میں ظہر وعصر ومغرب وعشا وفجر پانچوں نمازیں پڑھیں۔

وہی فا وہی ترتیب، وہی عطف، وہی ترکیب۔ اب یہاں بھی کہہ دینا کہ سوار ہوتے ہی معاً بے مہلت پانچوں نمازیں ایک وقت میں پڑھ لیں، جو معنی صلی الظھر والعصر الی آخرہ کے یہاں ہیں وہی وہاں، اور یہ قطعاً محاورۂ عامہ شائعہ سائغہ ہے اصلاً مفیدِ وصلِ صلوات نہیں ہوتا۔

8: کلام متناقض ہے؛ کہ اوّل کلام میں حکمِ وصل سے عصر کا فعل خلافِ ظاہر ماننا، یہ دلیل

صحت ہے، آخر میں کیونکر جائز کہا، یہ دلیل فساد ہے۔

9: تاویل کے لیے قطعیتِ مانع ضروری جاننا عجب جہل ہے۔ کیا اگر کسی حدیث کے ظاہر سے ایک معنی متبادر ہو اور دوسری حدیثِ صحیح اس کے خلاف میں صریح، تو حدیثِ اوّل کو اُس کے خلاف ہی پر حمل واجب ہے؛ کہ بے مانع قطعی ظاہر سے عدول کیونکر ہو؟

آخر میں تحریر فرماتے ہیں صحیحین میں یہی حدیث متعدد طرق سے بلفظ ثُــمَّ آئی، جو آپ کی تعقیب بے مہلت کو تعاقب سے دم لینے نہیں دیتی۔

(دیکھیے: فتاوی رضویہ، ج:5، ص:159 تا 313)

دوام العیش فی الأئمة من قریش:

اس کتاب میں فاضل بریلوی نے 92 اقوال مفسرین وفقہا وغیرہ کے علاوہ پچاس احادیث سے ثابت کیا ہے کہ خلافت شرعیہ کے لیے قرشیت قطعی اجماعی ہے۔

(دیکھیے: فتاوی رضویہ، ج:14، ص:173 تا 238)

جزاء اللہ عدوّہ بابائہٖ ختم النبوة:

اِس کتاب کے اندر اعلیٰ حضرت نے تیس (30) نصوص قطعیہ کے علاوہ ایک صد تیس (130) احادیث طیبہ سے حضور ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کا ثبوت پیش کیا ہے۔

(دیکھیے: فتاوی رضویہ، ج:15، ص:629 تا 739)

منیر العین فی تقبیل الابہامین:

اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ اذان میں أشهد أن محمّدًا رّسولُ اللّٰہ میں نامِ پاک سنتے وقت انگوٹھے چومنا کیسا ہے؟ آپ نے جوابا

فرمایا: جائز، بلکہ مستحب ہے۔ اِس کے جواز پر کثیر دلائل قائم ہیں، اور اگر کوئی دلیل خاص نہ ہوتی تو ممنوع نہ ہونے پر شریعت سے دلیل نہ ہونا ہی جواز کے لیے دلیل کافی تھا۔

اِس سلسلے میں جن احادیث سے استدلال کیا جاتا ہے اُن کے بارے میں ائمہ نے فرمایا کہ: ''یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔'' ایک محدث ہونے کی حیثیت سے اعلیٰ حضرت نے اس پر بڑی جامع گفتگو فرمائی اور کئی فوائد ذکر کیے، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

1) محدثین جس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ''یہ حدیث صحیح نہیں'' اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ غلط و باطل ہے، بلکہ محدثین کے نزدیک حدیث ''صحیح'' کے لیے کڑی شرائط ہیں، اگر کوئی حدیث اُن شرائط پر پوری اُترے تو اُسے صحیح قرار دیتے ہیں، اگر نہیں تو ''صحیح'' سے کم درجہ کی حدیث قرار دیتے ہیں، یعنی ''حسن'' اور یہ بھی حجت ہے۔

2) کسی حدیث کی سند میں راوی مجہول ہونے سے صرف یہ اثر ہوتا ہے کہ اُسے ''ضعیف'' کہا جائے، نہ کہ ''باطل'' و ''موضوع''۔ بلکہ علما کو اِس میں اختلاف ہے کہ جہالت قادحِ صحت اور مانعِ حجیت ہے بھی یا نہیں۔

3) اِسی طرح سند کا ''منقطع'' ہونا مستلزمِ وضع نہیں۔ ہمارے ائمہ کرام اور جمہور علما کے نزدیک تو اِنقطاع سے صحت اور حجیت میں بھی خلل نہیں آتا۔

4) انقطاع تو ایک امرِ سہل ہے، جسے صرف بعض نے طعن جانا، علما فرماتے ہیں کہ حدیث کا ''مضطرب'' بلکہ ''منکر'' ہونا بھی موضوعیت سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا، یہاں تک کہ دربارۂ فضائل مقبول رہے گی۔ بلکہ فرمایا کہ ''مدرج'' بھی موضوع سے جدا قسم ہے، حالانکہ اِس میں تو غیر کا کلام بھی خلط ہوتا ہے۔

5) جہالتِ راوی کا تو یہ حاصل تھا کہ شاگرد ایک ہے یا عدالت مشکوک ہے۔ شخص تو

متعین تھا، کہ فلاں ہے، ''مبہم'' میں تو اِتنا بھی نہیں، جیسے حدّثنی رجل مجھ سے ایک شخص نے حدیث بیان کی، یا بعض أصحابنا ایک رفیق نے خبر دی، پھر بھی یہ صورت ''ضعیف'' ہے، نہ کہ موجب وضع۔

6) بھلا جہالت و اِبہام تو عدمِ علم عدالت ہے، اور بداہتِ عقل شاہد ہے کہ علم عدم، عدمِ علم سے زائد۔ مجہول و مبہم کا کیا معلوم کہ شاید فی نفسہٖ ثقہ ہو۔ اور جس پر جرح ثابت، اِحتمال ساقط؛ ولہٰذا محدثین دربارۂ مجہول ردّ وقبول میں مختلف اور ثابت الجرح کے ردّ پر متفق ہوئے۔

7) پھر کسی ہلکے سے ضعف کی خصوصیت نہیں، بلکہ سخت سخت اقسامِ جرح میں، جن کا ہر ایک جہالتِ راوی سے بدر جہا بدتر ہے، یہی تصریح ہے کہ اُن سے بھی موضوعیت لازم نہیں۔

غرض یہ کہ اعلیٰ حضرت نے تیس (30) فوائد ذکر فرمائے، جن میں علمِ حدیث اور فنِ حدیث پر اِس طرح بحث کی جیسے بحرِ بیکراں بہہ رہا ہو۔

(دیکھیے: فتاوی رضویہ، ج:5، ص:429 تا 478)

الزهر الباسم فی حرمة الزكٰوة علی بنی هاشم:

فاضل بریلوی نے تمام بنی ہاشم اور سادات کرام کے لیے زکوٰۃ کی حرمت پر ایک مختصر سے جواب میں باون (52) عبارتوں کے ساتھ ستائیس (27) احادیث کریمہ بھی پیش کیں۔ یہ وہ احادیث تھیں جو لکھتے وقت آپ کے سامنے تھیں، مزید تحقیق فرماتے تو کئی احادیث سے استدلال فرماتے۔ (دیکھیے: فتاوی رضویہ، ج:10، ص:271 تا 286)

اعلیٰ حضرت بحیثیتِ محشّیٔ کتبِ احادیث

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صرف درپیش مسائل کو ہی احادیثِ کریمہ کی روشنی میں ثابت نہیں کیا، بلکہ کتبِ احادیث پر حواشی اور شروحات بھی تحریر فرمائیں، لیکن اِن میں سے اکثر ابھی تک زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہوسکیں۔ کچھ کتابیں چھپ چکی ہیں جن میں سے چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔

تعلیقاتِ رضا:

بلاشبہ مجموعۂ احادیث کی ہر کتاب ایک ایسا شفاف آئینہ ہے جس میں حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا عکس جمیل نظر آتا ہے، لیکن جو مقبولیت و شہرت صحیح بخاری کو حاصل ہوئی آج تک کسی اور کتاب کو حاصل نہیں ہوئی؛ اِسی وجہ سے اِس پر کئی شروح اور حواشی لکھے گئے۔ حضرت شہاب الدین احمد بن محمد خطیب قسطلانی (متوفی: ۹۲۳ھ) نے بخاری شریف کی شرح ''اِرشاد الساری'' لکھی جو دس جلدوں پر مشتمل ہے۔ ارشاد الساری پر متاخرین علما میں سے امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں صاحب کا ایک مختصر، مگر لاجواب حاشیہ عربی زبان میں ہے، جس کا ترجمہ و تحقیق جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور کے مدرس علامہ سید غلام مصطفیٰ شاہ بخاری عقیل نے کی، اور حضرت علامہ مولانا محمد عبدالحکیم صاحب شرف قادری علیہ الرحمہ کی کوشش سے رضا اکیڈمی نے شائع کردیا۔

علامہ قسطلانی نے کہیں کہیں بلاترجیح و تعیین مختلف اقوال ذکر کیے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے اُن اقوال میں سے راجح قول کی نشان دہی کی ہے اور وجہ ترجیح بھی ذکر کی۔ مثلاً امام

بخاری نے زیرِعنوان اَداءُ الخُمُسِ من الایمان ایک حدیث بیان فرمائی ہے؛جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قبیلۂ عبدالقیس کا ایک وفد حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔آپ نے اس وفد کو مندرجہ ذیل چار چیزوں پر عمل کرنے کی ہدایت فرمائی:

1)ایمان۔2)نماز۔3)زکوۃ۔4)روزہ۔5)غنیمت کا 1/5 حصہ۔

(صحیح بخاری،ج:1،ص:13،مطبوعہ قدیمی کتب خانہ،کراچی)

اب ذہن میں یہ بات لازمی طور پر کھٹکتی ہے کہ یہ تو پانچ چیزیں ہیں،جب کہ حدیث کے شروع میں ''چار'' کا ذکر ہے۔شارح نے اِس وہم کو رفع کرنے کے لیے کئی اقوال ذکر کیے:

1۔ مقصود صرف پہلی چار چیزیں تھیں،پانچویں چیز بالتبع اُس وفد کے مخصوص جغرافیائی حالات کی وجہ سے ذکر فرمادی؛کیونکہ وہ ایسی جگہ رہتے تھے جہاں اکثر جہاد کی ضرورت پیش آتی تھی اور غنیمت نصیب ہوتی رہتی تھی،لیکن اِس جواب پر یہ اشکال ہے کہ باب کا عنوان بتلا رہا ہے کہ خُمُس کا ذکر مستقلاً ہے نہ کہ بالتبع۔

2۔ زکوۃ اور خمس چونکہ دونوں مالی عبادت ہیں؛اِس لیے حضور نے اِن کو ایک چیز شمار کیا،لہٰذا کل چار چیزیں ہوئیں۔

3۔ حضور ﷺ نے جن چار چیزوں کا ذکر فرمایا تھا،اُن میں سے پہلی چیز ''ایمان باللہ'' ہے اور مومن ہونے کی ظاہری علامت اور نشانی کے طور پر حضور ﷺ نے نماز،روزہ،زکوۃ اور خمس کا ذکر فرمایا۔یعنی یہ چیزیں ایمان باللہ کی ہی تفسیر ہیں؛لہٰذا راوی نے چار میں سے ایک کا ذکر کیا باقی بھول گئے۔یہ جواب علامہ بیضاوی نے دیا ہے۔

(ارشاد الساری شرح صحیح بخاری،جلد اول،ص:146)

علامہ قسطلانی نے اِن میں سے کسی جواب کو راجح قرار نہیں دیا جب کہ امام احمد رضا خاں نے علامہ بیضاوی کے قول کو راجح قرار دیا ہے، اور وجہ ترجیح یہ ذکر کی ہے کہ خمس کی ادائیگی اس صورت میں مستقل ٹھہرتی ہے اور باب کے عنوان کا بھی یہی تقاضا ہے، جب کہ دوسرے جوابات کی باب کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں ہے۔ (تعلیقات رضا، ص:16، 17)

شارح بخاری نے بعض جگہ کہا ہے کہ زیر نظر حدیث بخاری شریف کے فلاں فلاں ابواب میں مذکور ہے، تو امام احمد رضا نے بعض دوسری جگہوں کی نشان دہی فرمائی ہے، مثلاً جلد اول، صفحہ نمبر 290، حدیث کے ذکر کے بعد اُس کے دیگر ابواب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بخاری شریف میں یہ حدیث اس باب " أبوال الابل وألبانها " جہاد، تفسیر، مغازی، دیات، محاربین، میں بھی ہے۔

(اِرشادالساری شرح صحیح بخاری، جلد اول، ص:147)

امام احمد رضا مزید اضافہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اِن مقامات کے علاوہ طب اور زکوٰۃ میں بھی ہے۔ (تعلیقات رضا، ص:290)

اِمام قسطلانی نے مذکورہ حدیث کے متعلق فرمایا کہ یہ حدیث ابوداؤد مسلم، نسائی نے روایت کی ہے۔

امام احمد رضا نے کہا کہ صرف اِن تینوں ہی میں نہیں بلکہ ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث مذکور ہے۔

شرح معانی الآثار:

شرح معانی الآثار مصنفہ علامہ طحاوی فقہ حنفی میں ایک بہت ہی معتبر کتاب ہے۔ اِس کتاب کی شرح نویں صدی ہجری کے علامہ بدرالدین عینی نے تحریر فرمائی۔ حضرت امام احمد رضا خاں کا حاشیہ اِسی شرح عینی پر ہے۔

حاشیہ عمدۃ القاری شرح بخاری:

علامہ بدرالدین عینی کی مشہور شرح بخاری ہے۔ احناف میں یہ شرح بہت مقبول ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قدس سرہٗ نے اِسی شرح پر حاشیہ تحریر فرمایا۔ جو حاشیہ عمدۃ القاری شرح بخاری کے نام سے معروف ہے۔

حاشیہ فتح الباری شرح صحیح البخاری

بخاری شریف کی دو شرحوں نے بہت مقبولیت حاصل کی:

1) عمدۃ القاری۔

2) فتح الباری جو قاضی القضاۃ، حاکم الحافظ علامہ ابوالفضل شہاب الدین احمد ابن حجر عسقلانی مصری شافعی (773ھ تا 852ھ) نے تصنیف کی۔ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت احمد رضا خان قدس سرہٗ کا یہ حاشیہ فتح الباری پر صرف پارۂ اول تا پارۂ پنجم تک سامنے آتا ہے۔

نوٹ: مذکورہ بالا تینوں حواشی سید محمد ریاست علی قادری نے ترتیب دیے اور اُنھیں ادارۂ تحقیقات اِمام احمد رضا کراچی کی طرف سے ''اِمام احمد رضا کی حاشیہ نگاری'' کے عنوان سے کتاب میں شامل کیا ہیں۔

حاشیہ أشعّة اللّمعات شرح مشکوٰۃ

مشکوٰۃ کی شرح فارسی زبان میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ۱۰۱۹ھ میں دہلی میں شروع کی اور ۱۰۲۵ھ میں چھ سال کی محنت کے بعد مکمل کی۔ اعلیٰ حضرت نے اِس فارسی شرح پر حاشیہ تحریر فرمایا جو حاشیہ أشعّة اللّمعات شرح مشکوٰۃ کے نام سے فارسی زبان میں مشہور ہے۔

حاشیہ مسند امام اعظم رضی اللہ عنہ

مسند امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا الشاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حاشیہ تحریر فرمایا، جو انتہائی اہمیت کا حامل اور قابلِ قدر ہے۔

نوٹ: مذکورہ بالا دونوں حواشی بھی اِدارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی نے ''امام احمد رضا کی حاشیہ نگاری'' جلد دوم میں شائع کر دیے ہیں۔

فن حدیث میں اعلیٰ حضرت کی تصانیف

نمبر	سال تصنیف	اسمائے کتب
1	1296ھ	النجوم الثواقب فی تخریج أحادیث الکواکب. یہ عربی زبان میں فضائل علم میں رسالۂ والد ماجد کی احادیث کی تخریج ہے۔
2	1294تا 1299ھ	الروض البهیج فی آداب التخریج. یہ رسالہ عربی زبان میں ہے، اِس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حدیث کی تخریج میں عالم کو کس کس بات کا لحاظ درکار ہے؟ اِس کتاب کے متعلق تذکرۂ علمائے ہند کے مؤلف کا تبصرہ کچھ یوں ہے: ''اگر اِس سے قبل اِس فن میں کوئی کتاب نہیں ملتی تو مصنف کو اِس فن کا موجد کہہ سکتے ہیں۔''
3	1305ھ	البحث الفاحص عن طرق أحادیث الخصائص. یہ کتاب بھی عربی میں ہے، حدیثِ خصائص اقدس کے طرق و الفاظ کی جمع حاوی ہے۔
4	1305ھ	إسماع الأربعین فی شفاعة سید المحبوبین. شفاعت اقدس سے متعلق چہل حدیث پر مشتمل ہے۔ فتاوی رضویہ، جلد:29۔
5	1305ھ	تَلألُؤُ الأفلاک بجلال حدیث لولاک. عربی زبان میں حدیث لولاک کا ثبوت۔

6	1306ھ	ذیل المدعی لأحسن الوعا. اُردو زبان میں دعا کے آداب واوقات ومکانات واسبابِ اجابت کے بیان میں رسالۂ حضرت والدِ ماجد کا ذیل۔ یہ رسالہ مکتبۃ المدینہ نے ''فضائل دعا'' کے نام سے شائع کردیا ہے۔
7	1309ھ	انباء الحُذّاق بمسلک النفاق. اُردو زبان میں نفاقِ اعتقادی وعملی کا فرق اور اِس کے بارے میں احادیث کثیرہ کا جمع کرنا۔
8	1310ھ	أعحب الامداد فی مکفِّراتِ حقوق العباد. اُردو زبان میں یہ رسالہ ''حقوق العباد سے کن کن اعمال کے سبب نجات مل سکتی ہے'' پر مشتمل ہے۔ فتاوی رضویہ، ج:24،ص:459 تا 476۔
9	1311ھ	الهداية المباركه فی خلق الملائكه. اس کتاب کے اندر اردو زبان میں ملائکہ کی پیدائش وموت کا بیان ہے۔
10	1313ھ	الهاد الكاف فی حكم الضعاف. یہ کتاب اردو زبان میں حدیث ضعیف پر عمل کے احکام پر مشتمل ہے۔ فتاوی رضویہ، ج: 5، ص:478 تا 628۔
11	1313ھ	مدارج طبقاتِ حديث. یہ کتاب عربی زبان میں کتب حدیث کے تفرقہ مراتب پر مشتمل ہے۔
12	1313ھ	الأحاديث الراويه لمدح الأمير معاويه. اِس کتاب کے اندر حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب پر مشتمل احادیث کو جمع کیا گیا ہے۔

13	1323ھ	الاجازۃ الرضویہ لمجبل مکۃ البھیّہ. علمائے مکہ کو حدیث کا اجازت نامہ جو مصنف نے دیا۔
14	1323ھ	فصل القضاء فی رسم الافتاء
15	1323ھ	الفضل الموھبی فی معنٰی اذا صحّ الحدیث فھو مذھبی. فتاوی رضویہ، ج:27،ص:61تا100۔ مسلکِ دیوبند کے جید عالم مولانا نظام الدین احمد پوری کو جب فن حدیث میں امام احمد رضا کی کتاب الفضل الموھبی فی معنیٰ اذا صح الحدیث فھو مذھبی کے منازل حدیث کے متعلق ابتدائی اوراق سنائے گئے تو اُنھوں نے حیرت سے کہا: یہ سب منازلِ فہمِ حدیث مولانا کو حاصل تھے؟ افسوس میں اُن کے زمانے میں رہ کر بے خبر اور بےفیض رہا۔ (رہبرو رہنما ص:2) مذکورہ بالا عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ دیوبند کے بڑے بڑے علما اعلیٰ حضرت کی فن حدیث میں مہارت تسلیم کرتے تھے ۔اس کے باوجود اکثر حضراتِ دیوبند یہ زبان درازی کرتے ہیں کہ آپ کو فن حدیث پر کوئی مہارت نہ تھی۔ (نزھۃ الخواطر ،جلد:2،ص:41)

کتب حدیث پر اعلیٰ حضرت کے حواشی

نمبر شمار	اسمائے کتب	زبان
1	حاشیہ صحیح بخاری شریف	عربی
2	حاشیہ صحیح مسلم شریف	عربی
3	حاشیہ ترمذی شریف	عربی
4	حاشیہ نسائی شریف	عربی
5	حاشیہ ابن ماجہ شریف	عربی
6	حاشیہ سنن دارمی شریف	عربی
7	حاشیہ عمدۃ القاری	عربی
8	حاشیہ فتح الباری	عربی
9	حاشیہ ارشاد الساری	عربی
10	حاشیہ اشعۃ اللمعات	عربی
11	حاشیہ مرقاۃ المفاتیح	عربی
12	حاشیہ تیسیر شرح الجامع الصغیر	عربی
13	حاشیہ تقریب	عربی
14	حاشیہ مسند امام اعظم	عربی
15	حاشیہ کتاب الحج	عربی
16	حاشیہ کتاب الآثار	عربی
17	حاشیہ مسند امام احمد بن حنبل	عربی
18	حاشیہ طحاوی شریف	عربی

19	حاشیہ الخصائص الکبری	عربی
20	حاشیہ کنز العمال	عربی
21	حاشیہ الترغیب والترہیب	عربی
22	حاشیہ کتاب الاسماء والصفات	عربی
23	حاشیہ القول البدیع	عربی
24	حاشیہ نیل اوطار	عربی
25	حاشیہ المقاصد الحسنہ	عربی
26	حاشیہ الآلی المصنوعہ	عربی
27	حاشیہ الموضوعات الکبیر	عربی
28	حاشیہ الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ	عربی
29	حاشیہ تذکرۃ الحفاظ	عربی
30	حاشیہ نصب الرایہ	عربی
31	حاشیہ جمع الوسائل فی شرح الشمائل	عربی
32	حاشیہ فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	عربی
33	حاشیہ مجمع بحار الانوار	عربی
34	حاشیہ فتح المغیث	عربی
35	حاشیہ میزان الاعتدال	عربی
36	حاشیہ العلل المتناہیہ	عربی
37	حاشیہ تہذیب التہذیب	عربی
38	حاشیہ خلاصہ تہذیب الکمال	عربی

(انوار رضا، ص:232 تا 234)

امام احمد رضا کی فقاہت

تحریر: ادیبِ شہیر، مولانا محمد عبدالحکیم اختر شاہجہان پوری علیہ الرحمہ

عمر ہا در کعبہ و بُت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بُروں

ذیل میں دنیائے اسلام کے بطلِ جلیل، چودھویں صدی کے مجدد و فقیہ اعظم، یعنی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فقہی مقام پر کچھ عرض کرنا ہے؛ کیونکہ آپ سچی توحید و رِسالت کے حقیقی علمبردار اور اِسلام کی صحیح ترین تصویر، یعنی مقدس حنفیّت کے سرگرم مبلغ و بے باک ترجمان تھے، مگر افسوس کہ سنیوں نے اپنے اِس محسن کی علمی کارناموں کو نہ کماحقہٗ محفوظ کیا اور نہ دنیا والوں کو اس نابغۂ عصر کی علمی عظمت سے آشنا کرانے کی زحمت ہی گوارا کی۔ دوسری طرف مخالفین نے اِس آسمانِ علم و عرفان کی طرف دُھول اُڑانے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی۔

مذکورہ حقائق کے باوجود اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا نام اُن کے عظیم علمی کارناموں کی وجہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔

ہر گز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

آپ نے مقدس شجرِ اسلام میں غیر اسلامی نظریات کی پیوند کاری کرنے والوں سے قلمی جہاد کیا، نیز علمائے حق و علمائے سوء میں پہچان کرائی اور ایسے مصلحین کے تعاقب میں ہمیشہ سرگرمِ عمل رہے، جنھوں نے نئے نئے فرقے بنا کر مسلمانوں کے اِتحاد کو پارہ پارہ کیا

اور جو بات بات پر سچے اور پکے مسلمانوں کو بھی مشرک اور بدعتی وغیرہ ٹھہراتے رہتے تھے۔ آپ نے براہین قاطعہ سے اُن کے سارے مزعومہ دلائل کے تار پود بکھیر کر رکھ دیے۔

خالق کائنات جل جلالہ کی صفات کو جب علما نے اپنے غلط عقلی پیمانوں سے ماپنا شروع کر دیا اور سرورِ کون و مکاں ﷺ کے کمالاتِ عالیہ کی حدود ایسی متعین کرنے لگے، جن کی ایک اُمتی کہلانے والا ہرگز جسارت نہیں کر سکتا، تو اعلیٰ حضرت نے عظمتِ خداوندی اور شانِ مصطفوی کا علم بلند کیا اور کسرِ شان کرنے والوں کے دلائل فاسدہ و خیالات کاسدہ کا عمر بھر ردِ بلیغ کرتے رہے۔ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی جرم ہے جس کی پاداش میں وہ آج تک بعض حلقوں میں سبّ و شتم کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔

آپ بزرگوں کے اس درجہ مؤدّب تھے کہ چھ سال کی عمر میں بغداد شریف کی سَمت معلوم ہونے پر پھر کبھی اُس طرف پاؤں نہیں پھیلائے۔ کسی بزرگ کا نام مناسب القاب اور دعائیہ کلمات کے بغیر کبھی نہ لکھا۔

آپ نے اللہ تعالیٰ کو "اللہ میاں" کہنا غلط بتایا اور سمجھایا کہ درود شریف کا "صلعم"، "ص"، "علیہ" وغیرہ اِشارات سے اختصار کرنا صَلُّوا علیہ وسلِّموا تسلیمًا کے خلاف فَبَدَّل الَّذین ظلموا قولًا غیر الّذی قِیل لھم کے قبیل سے ہونے کی بنا پر دلیل محرومی ہے۔ آپ کے نزدیک صحابہ کرام کے اسمائے گرامی کے ساتھ رضی اللہ عنہ کی بجائے "رض" اور دیگر بزرگوں کے ناموں پر رحمۃ اللہ علیہ کی بجائے "رح" لکھنا ناپسندیدہ تھا؛ کیونکہ یہ بدعت قبیحہ اور بزرگوں کی شان گھٹانے والوں کی ایجاد ہے۔

اگر آپ فرق باطلہ کے علمبرداروں کو نہ ٹوکتے، مقدس اسلام کے مخصوص عقائد و نظریات کی من مانی تعبیریں کرنے والوں کا محاسبہ نہ کرتے تو تمام فرقوں کے نامور علما اِس عبقریِ

اسلام کی علمی عظمت کو برملا تسلیم کرتے، لیکن کسی مجدّد کو ایسی جھوٹی عزّت کی کبھی خواہش نہیں ہوئی۔ چونکہ آپ بھی عظمتِ خداوندی اور ناموسِ مصطفوی کے سچّے نگہبان تھے اسی لیے طعن و تشنیع اور تحسین و آفرین سے بے نیاز ہو کر ہر حالت میں اپنا فرض ادا کرتے رہے۔

کسی زندہ قوم میں اِس مرتبے کا کوئی عالم پیدا ہو جاتا تو وہ قوم اُس کے علوم و فنون سے نہ صرف خود مستفید ہوتی بلکہ تمام دُنیا کو اُس کے افکار و نظریات پڑھنے اور سمجھنے پر مجبور کر دیتی۔ علمائے اہل سنت کی بے حسّی کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ جب کہ اِس یگانۂ روزگار و نابغۂ عصر کے اکثر علمی شاہکار زیورِ طبع سے محروم اور زینتِ طاقِ نسیاں بنے ہوئے ہیں۔

ذیل میں ہم فقیہ اعظم کے فتاوی کی بعض جھلکیاں پیش کرتے ہیں، جن سے اُن کے فقہی مقام اور درجۂ امامت کو سمجھنے میں کچھ مدد مل سکتی ہے۔

مسئلہ تقبیل الابہامین:

۱۳۰۱ھ میں اعلیٰ حضرت مجدّد دین و ملت سے بایں الفاظ سوال ہوا:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اِس مسئلہ میں کہ اذان میں کلمۂ "اَشھدُ اَنّ محمّدًا رّسولُ اللہ" سُن کر انگوٹھے چومنا، آنکھوں سے لگانا کیسا ہے؟

فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے، جس وقت آپ کی عمر اُنتیس سال تھی، ایسا جواب تحریر فرمایا کہ چشمِ فلک نے ایسا جامع جواب اس مسئلے کا نہ دیکھا ہوگا۔

اوّلاً: المقاصد الحسنہ، مسند الفردوس، موجبات الرحمہ، تاریخ شمس الدین محمد بن صالح مدنی، شرح نقایہ، کنز العباد، فتاوی صوفیہ، اور تکملۂ مجمع بحار الانوار وغیرہ کے حوالوں سے اِس فعل کا استحباب ثابت کیا۔ اِس مسئلۂ تقبیلِ ابہامین میں اعلیٰ حضرت قدّس سرہٗ نے علمِ اصولِ

حدیث کو جس طرح بیان کر کے رکھ دیا اور تقبیلِ ابہامین کا بے جا اِنکار کرنے والوں کی ہر راہِ فرار بند کی ہے، اور اُنھوں نے اس موضوع پر جو دریا بہائے ہیں، اُس سے اُن کی فضیلتِ علمی کا صحیح اندازہ، اصل کتاب "مُنیر العین فی حکم تقبیل الابھا مین" کے مطالعہ سے ہی ہوسکتا ہے؛ کہ انتیس سالہ مفتی، گویا علم کا ایک بحرِ بے کراں، گلشن مصطفوی کا بلبلِ نغمہ خواں اور مخالفین کے حق میں برہان الٰہی کی تیغِ برّاں تھا، اور کیوں نہ ہو؟ جب کہ وہ مجدّدِ دوراں جو تھا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

مسئلہ سماعِ موتی:

بعض علمائے دیوبند نے اہل سنت ہونے کا دعوی کرتے اور حنفیّت کا دم بھرتے ہُوئے معتزلہ کے اتباع میں اِدراک وسماعِ موتی کا اِنکار شروع کر دیا۔ اُسی زمانے میں اُن کے ایک مولوی صاحب کا فتوی سیّدنا اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی نظرِ اِمعان سے گزرا۔ بزرگان دین کو اینٹ پتھروں کی طرح ٹھہرائے جانے پر مجدّد دین وملت نے، جب کہ آپ کی عمر تینتیس سال تھی، ایسا مُسکت جواب تحریر فرمایا کہ بزرگان دین یعنی اولیائے عظام اور عُلمائے اسلام کی مقدس ارواح کو اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ اُن کے ناموس کا وہ دفاع کیا کہ مسلمانوں کے گلوں میں اِحسان کی ہیکلیں ڈال دیں۔

اِس معرکۃ الآراء جوابی فتوے کا تاریخی نام "حیات الموات فی بیا ن سماع الأموات" ہے۔ اِس تحریر پر اہل سنت کے بے مثل مفتی نے تصانیفِ علمائے اہل سنت کی

روشنی میں 35 ایسے اعتراضات کئے جو مخالفین کے کسی عالم سے آج تک رفع نہ کیے جاسکے۔ پھر اکابر خاندانِ عزیزی کے اقوال سے اُن کے خیالات کا ردّ کیا۔ ساتھ ہی منکرین جو انّک لاتسمع الموتی سے غلط استدلال کرنے بیٹھ جاتے تھے، اُن کے بیانات پر مفصّل ومدلّل تبصرہ کر کے دعوے کو دلیل سے بیگانہ ثابت کیا۔

منکرینِ سماعِ موتی ''مسئلۂ یمین'' کو اپنی ڈھال بناتے تھے، لیکن اس وارثِ علومِ پیمبر نے الوفاق المتین بین سماع الدفین وجواب الیمین کے نام سے جواب دے کر اُسے رسالہ حیات الموات کا گویا تکملہ بنا دیا۔ اِس میں منکرین کے تمام پیش کردہ دلائل کو دعوے سے لاتعلق ثابت کیا، کتبِ حدیث، فقہ، تفسیر اور اُصول کے حوالہ جات کی روشنی میں پچاس سے زائد دلیلوں اور سو سے زائد قاہر اعتراضوں سے وہ ردّ بلیغ فرمایا کہ لب کشائی کی گنجائش باقی نہ چھوڑی۔

الحمدللہ کہ مجددِ دین وملت کا یہ مبارک رسالہ اولیائے کرام کی کرامتوں، عظمتوں کا مظہر، آج تک لاجواب ہے اور تا قیامت لاجواب رہے گا۔

ذٰلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء واللّٰہ ذو الفضل العظیم.

جمع بین الصّلوٰتین:

۱۳۱۳ھ میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ سفر وحضر میں دو نمازوں کو ملا کر پڑھ لینا جائز ہے یا نہیں؟ چونکہ غیر مقلد حضرات اِس کے قائل اور عامل ہیں، نیز میاں نذیر حسین صاحب دہلوی نے اپنی کتاب معیار الحق میں بلند بانگ دعووں کے ساتھ اِس مسئلے پر بحث کی اور حنفی مسلک کو احادیث کے خلاف قرار دیا تھا؛ لہٰذا حضرت فاضل

بریلوی نے، جب کہ آپ صرف اکتالیس برس کے تھے، محدث کہلانے والے میاں صاحب کے دلائل کا جواب دینا ضروری سمجھا اور ایسا عالمانہ، مجدّدانہ ردّ کیا کہ میاں صاحب اور ان کے تلامذہ میں سے آج تک کسی کو ہمت نہیں ہوئی کہ اِن روشن وواضح دلائل کا جواب دے۔

فتاویٰ رضویہ (مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ)، جلد پنجم میں یہ مبارک فتوی صفحہ:159 سے صفحہ:313 تک حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلوتین کے نام سے 154 صفحات پر مشتمل ہے۔

نوٹ کی حقیقت اور متعلقہ مسائل:

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں نوٹ بالکل نو ایجاد چیز تھی۔ مفتیانِ عظام سے اِس کے بارے میں شرعی حکم دریافت کیا جاتا تو تسلی بخش جواب بن نہ پڑتا تھا، حتی کہ مکۂ مکرمہ کے مفتیٔ احناف مولانا جمال بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جزئیہ کا کماحقہ، حکمِ شرع بیان کرنے سے اپنا عذر العلم أمانة فی أعناق العلماء (علم علما کی گردنوں میں امانت ہے) کہہ کر پیش کیا۔

اعلیٰ حضرت کا یہ پوری دنیائے اسلام پر عظیم اِحسان ہے کہ آپ نے اس مسئلے کو صحیح صورت میں دنیا کے سامنے بدلائل قاہرہ و باہرہ مع حکمِ جزئیات واضح فرمایا۔

آپ جب دوسری دفعہ ۱۳۲۳ھ میں حج بیت اللہ اور زیارتِ روضۂ مطہرہ کی غرض سے مکہ مکرمہ میں حاضری دے رہے تھے، اُن دنوں وہاں الدولة المکیّة کا آفتابِ عالم تاب جلوہ گر ہو چکا تھا۔ آپ کی عظمت کے پیش نظر موقع غنیمت جان کر ایک روز مولانا عبداللہ مرداد اور مولانا محمد احمد جداوی نے نوٹ کے متعلق ایک استفتاء پیش کر دیا، جس میں

بارہ سوالات تھے، جومع جوابات کفل الفقیہ الفاہم کے نام سے شائع ہوئے۔ علمائے مکہ انگشت بدنداں رہ گئے، پوری دنیائے اسلام کے علمائے کرام عش عش کر اُٹھے، خدا کا شکر ادا کیا کہ ایسے کامل کے فیض سے حصہ پایا۔

٤ صفر ١٣٢٤ھ کو اعلیٰ حضرت کفل الفقیہ کے مبیّضہ کی تصحیح کے لیے کتب خانۂ حرم میں پہنچے، دیکھا کہ ایک جید عالم بیٹھے مسودۂ کفل الفقیہ کا مطالعہ کر رہے ہیں (یعنی مولانا عبداللہ بن صدیق مفتیٔ حنفیہ) جب وہ اُس مقام پر پہنچے جہاں اعلیٰ حضرت نے فتح القدیر سے یہ عبارت نقل فرمائی کہ "لو باع کاغذةً بألفٍ یجوز ولایکرہ" یعنی اگر کوئی شخص کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے میں بیچے تو بلا کراہت جائز ہے، تو پھڑک اُٹھے اور اپنی ران پر ہاتھ مار کر بولے: این جمال بن عبد اللّٰہ من ھذ النصّ الصّرِیح ؟ حضرت جمال بن عبداللہ اس نص صریح سے کہاں غافل رہ گئے؟

جب گزشتہ زمانے میں حضرت مولانا جمال بن عبداللہ بن عمر مکی علیہ الرحمہ مفتیٔ حنفیہ تھے تو اُن سے بھی نوٹ کے بارے میں سوال ہوا تھا۔ اُنھوں نے جواب میں لکھا کہ علم علماء کی گردنوں میں امانت ہے۔ مجھے اس کے جزئیہ کا کوئی پتہ نہیں چلتا کہ کچھ حکم دوں۔ موجودہ مفتیٔ حنفیہ مولانا عبداللہ بن صدیق کا اِشارہ اُنھیں کی جانب تھا۔

(سوانح اعلیٰ حضرت امام احمد رضا، ص: ٢٢٠)

تیمّم کی تعریف و ماہیتِ شرعیہ:

١١محرم الحرام ١٣٢٥ھ کو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا: تیمّم کی تعریف و ماہیت شرعیہ کیا ہے؟

علومِ شرعیہ کے اِس بحرِ بےکراں نے وہ جواب دیا جو فتاوی رضویہ شریف (مطبوعہ

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور) کی جلد سوم کے صفحہ 311 سے صفحہ 577 تک حُسْنُ التَعَمُّم لِبَیَانِ حَدِّ التَیَمُّم 267 صفحات پر مشتمل ہے۔ ہر صفحے پر دلائل کے انبار، حوالے قطار اندر قطار، غرضیکہ علمِ فقہ کا ایک اتھاہ سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔

پہلے تیمّم کی سات تعریفیں بیان فرمائیں۔ مسئلۂ تیمّم کے متعلق تمام کتبِ فقہ کی متعلقہ عبارات، اُن پر سیر حاصل تبصرہ، اُن کی مطابقت وموافقت دکھانا، اِجمال کی تفصیل اور ابہام کی توجیہ ایسے محققانہ انداز سے کرنا، جس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ سب تائیدِ ربانی کی کرشمہ سازیاں وگوہر باریاں ہیں۔ ائمہ دین وعلمائے امت کی متعلقہ جملہ تصریحات کے پیش نظر مفتی نے اپنے کمال اور زورِ استدلال سے میدان فقہ میں عالمی ریکارڈ قائم کر دیا، جس کو دیکھتے ہوئے ماننا پڑتا ہے کہ کم ترک الأوّل للآخر.

جلیل القدر فضلا کی تصانیف میں تیمّم صحیح ہونے کے لیے پانی نہ ملنے کی دس بیس سے زیادہ صورتیں نہ دیکھی گئیں، جن میں عذر عند الشرع مقبول ہو، مگر دیگر مایہ ناز کتب میں بھی یک جا ایسے عذر چالیس پچاس سے تجاوز نہ کر سکے، لیکن امام اہل سنت فاضل بریلوی کی باری آئی اور آپ نے پانی سے عجز کی صورتیں گنائیں تو ترتیب وار پونے دو سو بتائیں۔ والحمد للّٰہ علیٰ ذٰلک.

اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف اِس ایک مسئلہ تیمّم میں جس قدر دلائل پیش کیے، تمام کتبِ فقہ کی روشنی میں جو سیر حاصل تبصرہ فرمایا اور اِس سے جو آپ کی علمیت ثابت ہوتی ہے، اُس کے لحاظ سے ہر منصف مزاج یہ کہنے پر مجبور ہو جائے گا کہ بے شک اعلیٰ حضرت مرکز دائرہ تحقیق اور اہل سنت کے امام ہیں۔ موافقین ومخالفین کی فقہی تصانیف موجود ہیں، اُنہیں سامنے رکھ کر دیکھیے! نتیجہ صاف ظاہر ہے۔ بغض وعناد کی بنا پر اعلیٰ حضرت کے

لیے کوئی خواہ کچھ بھی کہتا پھرے، لیکن اس چودھویں صدی میں کسی عالم کا آپ سے سبقت لے جانا، مساوی ہونا تو دُور کی بات ہے، حقیقتًا کوئی بلحاظِ علمیت آپ کی گردِراہ کو بھی نہیں پاسکا۔

کتنے خوش نصیب ہیں وہ سُنّی مسلمان جو امام اہلِ سُنّت، مجدّد مائۃ حاضرہ رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کی روشنی میں مسلکِ اسلاف کو اپنا کر حشرات الارض کی طرح پھیلے ہوئے بے دینوں، گمراہوں کے پھندوں سے بچے ہُوئے ہیں۔

ربّنا لا تزغ قلوبنا بعد اِذ هديتنا وهب لنا من لدنک رحمة انّک انت الوهاب. وصلی الله تعالٰی علٰی حبيبه محمّدٍ وّاله واصحابه أجمعين.

مسئلہ امکانِ کذب:

متحدہ ہندوستان میں سب سے پہلے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (متوفی ۱۱۷۶ھ) کے پوتے مولوی اسماعیل دہلوی (متوفی ۱۲۴۶ھ) نے معتزلہ، کرامیہ، اور ظاہریہ وغیرہ فرقِ ضالّہ کے اتباع میں، امکانِ کذب باری تعالیٰ کا نظریہ اپنے رسالہ ''یک روزی'' میں لکھ کر ایک کفریہ بدعت کو رواج دیا، جو روحِ اسلام اور شریعت محمدیہ کے بالکل خلاف ہے۔ علمائے اہل سنت اور خاندان عزیزی کے خوشہ چیں اہل علم حضرات نے تصنیف و تالیف اور مباحثوں، مناظروں کے ذریعے، مصنفِ ''یک روزی'' اور اُن کے ہم خیال علما کا ایسا ناطقہ بند کیا کہ یہ نظریہ نیم بسمل کی طرح تڑپتا ہوا نظر آنے لگا اور مکذّبین باری تعالیٰ نے مجبور ہو کر اس مسئلہ پر گفتگو کرنے سے زبان و قلم کو روک لیا۔

سالہا سال بعد اگر مولوی رشید احمد گنگوہی (متوفی ۱۳۲۳ھ) اور مولوی خلیل احمد

انبیٹھوی (متوفی ۱۳۴۵ھ) اپنی رسوائے زمانہ کتاب ''براہین قاطعہ'' میں اس مسئلہ کو دوبارہ زیر بحث نہ لاتے اور اِس کی علمبرداری نہ کرتے تو یہ غیر اسلامی عقیدہ بھی اپنے ہندوستانی موجدوں کے ساتھ ہی زندہ درگور ہوگیا ہوتا اور ایک زبردست فتنہ کا دروازہ بند ہوجاتا۔

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اِس میدان میں مولوی محمد اسماعیل صاحب دہلوی سے بھی چار قدم آگے بڑھ گئے۔ اپنے ایک مہری دستخطی فتوے میں صاف تصریح کر دی کہ وقوعِ کذب کے قائل کو تفسیق و تضلیل سے مامون رکھنا چاہیے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

چونکہ شریعتِ محمدیہ میں امکان کذب کی قطعاً گنجائش نہیں؛ لہٰذا عوام کو مغالطہ دینے کی غرض سے دینِ مصطفوی پر یوں غضب ڈھایا کہ خُلفِ وعید کو امکان کذب کی نوع ٹھہرایا، حالانکہ محققین نے خُلفِ وعید کا بھی اِنکار کیا ہے اور جن علمائے کرام نے اِسے جائز ٹھہرایا ہے وہ اِس کا صرف امکان نہیں بلکہ وقوع مانتے ہیں۔ یوں گنگوہی اور انبیٹھوی صاحبان وقوعِ کذبِ باری کے قائل ٹھہرتے ہیں۔

جب یہ نئے مکذّبینِ باری تعالیٰ شانِ خداوندی میں جُھوٹ جیسے عیب کا دھبہ لگا رہے تھے تو چاروں طرف سے علمائے اہلِ سنت نے اُن کا محاسبہ کیا۔ تحریر و تقریر کے ذریعے منکرینِ تنزیہ و تقدیسِ باری تعالیٰ شانہٗ کی تردید میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔

۱۳۰۷ھ میں شہر میرٹھ سے جناب ابو صادق علی مداح صاحب نے اِس مسئلہ کی صحیح صورتِ حال معلوم کرنے کی غرض سے امام اہلِ سنت مجددِ دین وملت علیہ الرحمہ کی خدمت میں استفتاء بھیجا۔ اُس وقت مولانا احمد رضا خاں بریلوی قدس سّرہ کی عمر صرف پینتیس سال تھی۔ آپ نے جو معرکۃ الآراء جواب دیا وہ آج تک لاجواب اور سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح کے تاریخی نام سے مشہور و معروف ہے، جس نے اِس خلافِ اسلام

عقیدے کے اگلے پچھلے سارے علمبرداروں کے سب حیلے ملیا میٹ کر دیے اور مکذبینِ تقدیس باری کے بلند بانگ دعاوی کا شیش محل، اُس کے منصۂ شہود پر آتے ہی بُلبُلے کی طرح مِٹ گیا۔

فقیہ کا مقام:

قرآن وحدیث کی تعلیمات کے نچوڑ کا نام ''فقہ'' ہے۔فقہ پر اُسی کو عبور حاصل ہوسکتا ہے جو تمام اِسلامی علوم سے بہرہ مند ہو۔اگر ایک عالم دین اعلیٰ درجے کا مفسر یا محدث ہے تو اِس سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ وہ بلند پایہ فقیہ بھی ہو،لیکن اِس کے برعکس جو بلند پایہ اور وسیع النظر فقیہ ہے وہ لازمی طور پر بہترین مفسر، اعلیٰ درجے کا محدث اور لاجواب متکلم بھی ہوگا۔

اماموں اور فقیہوں کے سردار، سراجِ امت مصطفوی، امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے عظیم فقہی مقام سے کون منکر ہوسکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ آپ کی علمیت کو جملہ ماہرین علوم وفنون یعنی علمائے اُمت و ساداتِ ملت نے سراہا اور آپ کے تاجِ فضیلت کی گواہی دی ہے۔مثلاً:

1۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

الناس کلّهم عیال أبی حنیفة فی الفقه .

یعنی تمام لوگ فقہ میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بال بچے ہیں۔(صدقت یاسیدی)

2۔ خاتم الحافظ علامہ جلال دین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

من مناقب أبی حنیفة التی انفرد بها أنه أوّل من دوّن علم الشریعة ورتّبه أبوابا، ثم تبعه ما لک بن انس فی ترتیب

المؤطأ. ولم يسبق ابا حنيفة احدٌ.

(تبییض الصحیفه فی مناقب الامام أبی حنیفه)

یعنی امام ابوحنیفہ کے اُن خصوصی مناقب میں سے جن میں وہ منفرد ہیں، ایک یہ بھی ہے کہ آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم شریعت کو مدوّن کیا اور اِسے ابواب پر ترتیب دی۔ پھر امام مالک بن انس (رحمۃ اللہ علیہ) نے مؤطا کی ترتیب میں اُنہی کی پیروی کی۔ اِس میدان میں ابوحنیفہ سے سبقت لے جانے والا کوئی نہیں۔

3۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

سبحان اللّٰه! هو من العلم و الورع وإيثار الدار الأخرة بمحلّ لايدرك ه أحدٌ. (مناقب ابی حنیفه للذهبی)

سبحان اللہ! وہ (امام اعظم) تو علم، ورع اور عالمِ آخرت کو اختیار کرنے میں اُس مقام پر ہیں جہاں کسی کی رسائی نہیں۔

4۔ امام سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

ما مقلت عيني مثل ابی حنيفه. (مناقب أبی حنیفه للذهبی)

میری آنکھ نے ابوحنیفہ کی مثل نہیں دیکھا۔

5۔ جرح وتعدیل کے امام، یحیٰ بن سعید القطان رحمۃ اللہ علیہ نے شہادت دی:

انه و اللّٰه لأعلم هذه الامة بماجاء عن اللّٰه وعن رسوله.

(تاریخ امام طحاوی)

بے شک خدا کی قسم، امام ابوحنیفہ اِس اُمت میں خدا اور رسول سے جو کچھ وارد ہوا اُس (قرآن وحدیث کے) سب سے بڑے عالم ہیں۔

تمام فقہا و مجتہدین کے بادشاہ، جناب امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ اُن سرمایۂ روزگار ہستیوں کے ہزاروں میں سے چند بیانات پیش کیے ہیں جو آج آسمانِ علم کے شمس و قمر ہیں۔ اِن میں مفسر، محدث، فقیہ، جرح و تعدیل کے امام اور عارف کامل وغیرہم سب شامل ہیں۔ لیکن امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ چونکہ فقیہ اعظم ہیں اسی جامعیت کے پیش نظر سب ان کے مداح ہیں۔ آپ کے زمانہ سے لے کر آج تک اُمتِ محمدیہ کے اکثر مفسر، محدث، متکلم اور فقیہ آپ کے ہی خوشہ چین اور مقلد ہیں اور بہت تھوڑے حضرات دیگر ائمہ ثلاثہ کے۔

یہ مدلّل وضاحت محض اِس وجہ سے کی ہے تا کہ واضح ہو جائے کہ فقیہ کا علمی مقام، محض ایک مفسر یا محدث سے بلند ہوتا ہے۔

گزشتہ صفحات میں ہم نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی علمیّت نیز علمائے متقدمین ومتاخرین کی تصانیف پر آپ کا عبور اور زبردست طرزِ استدلال کی ہلکی سی جھلک اُن کی صرف چھ تصانیف کی روشنی میں دکھائی ہے۔ اِن کے علاوہ اُن کی سیکڑوں کتابیں اور ہزاروں فتوے اِس امر پر شاہدِ عادل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو فقہی مقام، حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو عنایت فرمایا تھا، کوئی معاصر آپ کا اِس میدان میں مد مقابل نہیں، نہ اِس ملک میں نہ بیرونِ ملک۔

جن چھ کتب کا اجمالی خاکہ، قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا چکا ہے، اُن میں سے **حیات الموات**، **منیر العین** اور **حاجز البحرین** سے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تبحّر فی الحدیث کا بخوبی پتہ لگ جاتا ہے۔

حیات الموات کے ذریعے منکرین سماع موتی کی جہاں ہر ایک دلیل کا مُسکت

جواب دیا وہاں منیر العین کے ذریعے آپ نے احادیث کو ضعیف ہے، ضعیف ہے کی رَٹ لگا کر رد کرنے والوں کو بھی ہمیشہ کے لیے ساکت وصامت کر دیا۔

حاجز البحرین کو پڑھیے تو غیر مقلدوں کے شیخ الکل، میاں نذیر حسین صاحب دہلوی بھی اعلیٰ حضرت کے سامنے یوں نظر آرہے ہیں جیسے کوئی چڑیا باز کے پنجوں میں گرفتار ہو۔

سبحان السبوح سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کے سب سے بڑے متکلم تھے۔

حسن التعمّم میں جو مسئلہ تیمّم کے متعلق، متقدمین ومتاخرین فقہا کے اکثر اقوال جمع کر کے فاضلانہ اور محققانہ بحث کی ہے اُس سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو رہا ہے کہ فقہ میں آپ کی پرواز، نادرِ روزگار معاصرین کے فہم وادراک سے بھی بلندوبالا تھی۔ مکہ مکرمہ کے ایک فاضل جلیل، عالم نبیل، محافظ کتب حرم سید اسماعیل بن سید خلیل رحمۃ اللہ علیہما نے مجدّدِ مائۃ حاضرہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فتویٰ دیکھ کر فرمایا تھا:

واللهِ أقول والحق أقول اِنهٗ لو رأها أبو حنيفه النعمان لأقرت عينه ولجعل مؤلفها من جملة الأصحاب.

یعنی اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں اور سچ کہتا ہوں کہ اگر اِس فتوے کو امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیکھتے تو یقیناً اُن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور اِس مؤلف (اعلیٰ حضرت) کو اپنے اصحاب (امام ابو یوسف وامام محمد وغیرہ رحمہم اللہ) کے زمرے میں شامل فرماتے۔

ابھی تک اِس مقالے میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا تبحر، جو اُن کی بعض تصانیف سے ظاہر و باہر ہے دکھانے کی غرض سے اِجمالی خاکہ پیش کیا ہے، مگر بتوفیقہٖ تعالیٰ ہم اس سے

آگے قدم بڑھانا چاہتے ہیں۔ یعنی اب دکھانا یہ ہے کہ متقدمین ومتاخرین فقہا کے درمیان اعلیٰ حضرت کا مقام کیا ہے؟ چونکہ یہ مقام بہت اہم اور نازک ہے، لہٰذا علمائے کرام سے درخواست ہے کہ جہاں احقر اپنی علمی بے مائیگی کے سبب ٹھوکر کھا جائے تو اصلاح فرما دیں۔

پہلے فقہ کی تعریف اور فقہا کے درجے بیان کر دینا ضروری ہے۔

فقہ: العلم بالأحکام الشرعیّة المکتسب من أدلّتها التفصلیّة. یعنی احکام شرعیہ فرعیہ کا جاننا جو اپنے تفصیلی دلائل سے اخذ کیے گئے ہوں۔ (تنویر الابصار)

اصول فقہ: النظر فی الأدلة الشرعیة من حیث تؤخذ منها الأحکام و التکالیف. (مقدمہ ابن خلدون) یعنی دلائل شرعیہ میں اِس طرح غور وخوض کرنا کہ اُن کے ذریعے احکام وتکالیف معلوم ہوسکیں۔

فقیہ: لیس الفقیه الا المجتهد عندهم، وإطلاقه علی المقلّد الحافظ للمسائل مَجازٌ. (ردالمحتار، جلد اول) یعنی اُصولیین کے نزدیک فقیہ بھی مجتہد ہوتا ہے اور مسائل کے یاد کرنے والے مقلد پر فقیہ کا اِطلاق مجازی ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ فقہائے کرام کے حسب ذیل چھ طبقے ہیں:

مجتهدین فی الشرع: جو احکامِ شرعیہ کی روشنی میں اُصول وقواعد مقرر فرماتے ہیں۔ جیسے ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

مجتهدین فی المذهب: جو اُصول وقواعد میں مجتہد فی المذہب کے تابع ہوتے ہیں، لیکن استخراجِ مسائل کی اہلیت رکھنے کے سبب بعض مسائل میں اپنے امام سے اختلاف بھی کر جاتے ہیں۔ جیسے امام ابو یوسف وامام محمد وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

مجتهدین فی المسائل: یہ اصول وفروع میں اپنے امام کے تابع ہوتے

ہیں اور کسی مسئلے میں امام کی مخالفت کے مجاز نہیں، لیکن جس مسئلے کے متعلق امام کا فیصلہ نہ پایا جائے وہاں اپنے امام کے مقرر کردہ اصول وقواعد کے تحت اُس کا استخراج کرتے ہیں۔

اصحاب تخریج: اِنھیں اُصول اور اُس کے قواعد وضوابط پر تو پورا عبور ہوتا ہے، لیکن اجتہاد کی قدرت نہیں ہوتی؛ اِس لیے اِنھیں صرف مجمل قول کی تفصیل کا اختیار ہوتا ہے۔ جیسے جصاص، ابوبکر رازی اور کرخی وغیرہ، رحمہم اللہ تعالیٰ۔

اصحاب ترجیح: یہ حضرات بھی ہر قسم کے دلائل پر گہری نظر رکھتے ہیں، لیکن اجتہاد کی قدرت نہیں رکھتے۔ یہ بلحاظِ قوت، دلائل کو ایک دوسرے پر ترجیح دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جیسے صاحب قدوری وصاحب ہدایہ وغیرہ۔

ممیِّزین: یہ حضرات بھی اجتہاد کی قدرت بالکل نہیں رکھتے، ہاں جملہ اقسام کے دلائل پر گہری نظر ہوتی ہے اور بلحاظ قوت وصحت کے دلائل میں تمیز کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ جیسے صاحب کنز وصدر الشریعہ وغیرہ۔

اِن چھ طبقوں کے علاوہ باقی سب مقلدین محض ہیں۔

اب ہم دکھانا چاہتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت مجدّدِ مائۃ حاضرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اِن میں سے کسی طبقے میں شامل ہیں یا مقلد محض؟ وباللہ التوفیق۔

کتا مثل خنزیر نجس عین ہے یا نہیں؟

بنارس سے مولوی عبدالحمید صاحب نے کتے کے نجس ہونے، نہ ہونے کے بارے میں دلائل پیش کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ سے تصفیہ طلب کیا۔ فقیہ اعظم کا راہوارِ قلم ایسا حرکت میں آیا کہ میدانِ تحقیق میں سرپٹ دوڑتا ہی چلا گیا۔ نفس مسئلہ ابتدا میں یوں بیان فرمایا: ”فی الواقع ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں

جانور (کتا) سائر سباع کے مانند ہے؛ کہ لعاب نجس اور عین طاہر۔ یہی مذہب صحیح اصح و معتمد و مؤید بدلائل قرآن وحدیث ومختار ماخوذ للفتوی عند جمہور مشائخ القدیم والحدیث ہے۔"

(فتاویٰ رضویہ، جلد چہارم، ص399 تا 464، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن)

اِس کے بعد بقدرِ کفایت، احادیث سے دعویٰ کو ثابت کر کے میدانِ فقہ میں قدم رکھتے ہیں۔ فقہائے قدیم و جدید کی تصانیف سے پچاس متون و شروح، فتاوی و مختصر کی عبارتیں نقل فرمائیں۔ چونکہ اس مسئلے میں فقہا کے مابین اختلاف ہے؛ لہٰذا فریق ثانی کی طرف توجہ فرمائی اور کشفِ حقائق و شرح دقائق کی غرض سے متعدد کتب کی عبارتوں کو پیش فرما کر مختلف وجوہ سے اپنے دعوی کو مُبرہن کیا۔

کھڑے ہو کر پیشاب کرنا:

آ کچھ سنادے عشق کے بولوں میں اے رضا
مشتاق طبع لذتِ سوزِ جگر کی ہے

صحیح احادیث کے مطابق کھڑے ہو کر پیشاب کرنا ممنوع، بے ادبی اور خلافِ سنت ہے، لیکن بخاری و مسلم میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک دفعہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مروی ہے۔ علمائے کرام نے اِس کی تاویلیں کرتے ہوئے مختلف جواب دیے ہیں، جو یک جا کرنے پر آٹھ بنتے ہیں۔ اُن جوابات پر امام اہل سنت و جماعت اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اصلاح فرمائی۔

ہمیں امید ہے کہ فتاوی رضویہ، جلد چہارم، ص:85 تا 97 کے مطالعہ کے بعد قارئین کے سامنے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی علمِ حدیث میں وُسعتِ نظر، صحیح اندازِ فکر اور تائیدِ ربانی کی بھرپور جھلک سامنے آ جائے گی۔

قوانین العلما:

''ایک شخص تیمّم کرکے نماز پڑھ رہا ہے، نماز سے پہلے یا بعد میں دوسرے کے پانی پر مطلع ہوا'' اِس مسئلے میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالے کی طرح ڈالی، جس کو **قوانین العلماء فی متیمّمٍ عَلِمَ عند زیدٍ الماءَ** کے نام سے موسوم کیا۔

اس میں علمائے متقدمین ومتاخرین کی تصانیف سے متعلقہ عبارتیں نقل کرکے اُن کی آپس میں مطابقت اور مخالفت وغیرہ ظاہر کرکے ہر ایک پر مکمل بحث فرمائی اور صدہا اُمور کا اِضافہ فرمایا، جن سے تمام مختصر اور مفصل فقہی کتابوں یعنی متون وشروح کا دامن خالی ہے۔ غرضیکہ فضلِ خدا وعطائے مصطفیٰ جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے امام اہل سنت نے میدانِ تحقیق میں وہ بے نظیر کمال دکھایا ہے کہ ایسے چھوٹے سے مسئلہ پر اتنا جامع اور مکمل ومدلل بیان، چشمِ فلک نے آج تک نہ دیکھا ہوگا۔

اِس مسئلہ کے بارے میں فقہا کے نظریات کی جو نشان دہی فرمائی گئی، اُس کا بیان ضروری نظر آتا ہے۔ مثلاً اگر ایک شخص تیمّم کرکے نماز پڑھ رہا ہے دوسرے کے پاس پانی ہے، اِس کے متعلق علمائے کرام نے کیا حکم دیا ہے؟ چنانچہ کافی، خانیہ، خزانۃ المفتین، نہایہ، چلپی اور برجندی میں ہے: **لایجوز التیمم قبل الطلب.** خواہ اُمید نہ تھی یا بعدِ نماز طلب کا جواب نفی میں ملا، کسی صورت کا استثناء نہیں کیا۔ علاوہ بریں امام صفا، قدوری، ہدایہ، تبیین، منیہ، غنیہ اور ہروی علی الکنز میں ہے: **صلی با لتیمم قبل الطلب لا یجزیہ.** یہ اس سے بھی صریح تر بیان ہوا۔ اسی طرح مبسوط، شرح وقایہ اور جواہر اخلاطی وغیرہ میں ہے: **ان لم یطلب وصلّی لم یجز ولفظ الجوھر شرع فی الصلوۃ قبل الطلب لایجوز.** یعنی پانی مانگے بغیر پڑھ لی تو نماز نہ ہوئی۔

مذکورہ احکام کہ نماز نہ ہوئی یا تیمّم نہ ہوا، دونوں متحد ہیں؛ کیونکہ تیمّم نہ ہونے کی صورت میں بھی نماز نہ ہوئی۔ اسی طرح حیلہ میں ہے: **لایصح التیمم الا بعد المنع.**

لیکن صحیح، معتمد اور ظاہر الروایہ وہ حکم ہے جو امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلہ پنجم کے تحت، زیادات، جامع کرخی، محیط سرخسی، خلاصہ، وجیز، شرح وقایہ، حیلہ، عالمگیریہ، بحر اور غنیہ کی عبارتوں سے ثابت کیا: "بطلان نماز کا مذکورہ حکم صحیح نہیں؛ کیونکہ صرف غلبۂ ظنِ عطا سے نہ تیمّم باطل نہ نماز، لیکن اگر بعد میں ظنِ عطا کی خطا ظاہر ہو جائے تو تیمّم و نماز دونوں صحیح و تام ہیں۔"

اِس صریح تعارض کی نشاندہی کر کے مؤخر الذکر حکم کو بدلائل ترجیح دینا اور اوّل الذکر کی محققانہ اصلاح فرمانا، صرف اعلیٰ حضرت ہی کا حصّہ ہے۔

ذلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاءُ و اللّٰہ ذو الفضل العظیم .

اِس کے بعد اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بعض علما کے قوانین پیش فرمائے جو قابل اصلاح تھے۔ مثلاً:

۱۔ سب سے پہلے امام صدر الشریعہ کا قانون پیش کیا اور اس پر تین وجہ سے کلام کیا۔

۲۔ پھر صاحب بحر الرائق کا قانون نقل کر کے اُس پر گیارہ وجہ سے کلام کیا۔

۳۔ بعدہٗ علامہ حلبی کا قانون پیش کر کے اُس پر نو وجہ سے کلام کیا۔

۴۔ آخر میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے "قوانین رضوی" کے عنوان سے اپنا قانون پیش فرمایا کہ دنیائے اِسلام کی مایۂ ناز علمی ہستیاں انگشت بدنداں رہ گئیں اور شکرِ خدا بجالائے کہ ایسے عظیم الشان امام کے فیوض و برکات سے مستفید و مستفیض ہونے کا موقع ملا۔

اعلیٰ حضرت نے اپنے اِس قانون کو 426 اقسام پر مُنقَسِم کیا۔ یعنی مابسوال عطا 24

اور مابدونہ عطا 30 تو مجموعہ عطا 54 ہوا۔

بسوال وعدہ 72 اور مابدونہ وعدہ 96 تو مجموعۂ وعدہ ہوا 168۔

مابسوال سکوت 99، مابسوال منع 99، خاموشی مابدونہ 6، جملہ اقسام کا مجموعہ 426 ہوا۔ اِن سب کو اُنیس قاعدوں کے تحت دس اقسام میں محصور کر دکھایا۔ (سبحان اللہ)

(فتاوی رضویہ، جلد چہارم، ص: 178، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن)

الطلبة البديعه:

اگر کوئی جنب ہو اور اس کے ساتھ کوئی ایسا حدث بھی ہو جو وضو واجب کرے تو اِن سب صورتوں میں حکم یہ ہے کہ صرف تیمّم کرے اور وضو اگر چہ مضر نہیں اور اِس کے قابل پانی بھی موجود اور وقت میں بھی اِس کی وسعت ہے، لیکن اصلاً وضو نہ کرے؛ کیونکہ وہی تیمّم جو جنابت کے لیے کرے گا وہ حدث کے لیے بھی کافی ہو جائے گا۔

(فتاوی رضویہ، جلد چہارم، صفحہ: 189 تا 282)

امام صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ نے شرح وقایہ میں یوں فرمایا ہے:

اذا كان للجنب ماء يكفي للوضو لا للغسل يتيمم ولايجب عليه التوضي عند نا خلافا للشافعي. أما اذا كان مع الجنابة حدث يوجب الوضوء يجب عليه الوضوء فالتيمم للجنابة بالاتفاق. واذاكان للمحدث مايكفي لِغَسلِ بعض أعضائه فالخلاف ثابت أيضًا.

چونکہ یہ عبارت ظاہر مذہب کے خلاف معلوم ہوتی ہے؛ لہٰذا علمائے مابعد اپنی اپنی تصانیف میں اس پر بحث کرتے آئے ہیں۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اِس بحث کا خاتمہ

کرنے کی غرض سے ایک رسالہ الطلبۃ البدیعۃ فی قول صدر الشریعہ کے نام سے لکھا اور بدائع ، حلبی ، شامی ، ملک العلماء ، کافی ، زیلعی ، فتح ، حلیہ ، بحر ، شرنبلانی ، چلپی اور طحاوی وغیرہ متعدد کتب کی روشنی میں ثابت کیا کہ جنابت کے ساتھ حدث بھی ہو اور غسل نہ کرسکتا ہو اور وضو کرسکے تو وضو بھی نہ کرے ، دونوں کے لیے تیمّم کافی ہے۔ احناف کا یہی مسلک ہے۔

امام اہل سنت نے اس دعوے پر سات دلائل قائم کیے اور اُنھیں تبیین الحقائق ، حلیہ ، اختیار شرح مختار ، کنز الدقائق ، تنویر الابصار ، جواہر الفتاوی ، نوازل ، خزانۃ المفتین ، خلاصہ ، کافی ، غنیۃ ، فتح القدیر ، شرح نقایہ ، برجندی ، بحر الرائق ، مبسوط ، بدائع ، در مختار اور رد المحتار وغیرہ ، بلکہ خود شرح وقایہ کے متعدد حوالوں سے محققانہ انداز پر جوداِ تحقیق دی اور جس جودتِ طبع کا مظاہرہ کیا ، وہ صرف اعلیٰ حضرت ہی کا خاصہ ہے۔ اِس کے بعد مسلک احناف کی تائید میں بعض نصوص پیش کیے۔ پھر علمائے کرام نے اپنی تصانیف میں حضرت صدر الشریعہ کے اِس قول پر جو کلام کیا یا تاویلات وتوجیہات فرمائی ہیں اُن کو نمبروار نقل کر کے ہر فقیہ کی بحث اور تاویل وتوجیہ پر تصریحاتِ علمائے کرام اور خود اُن ہی کی تصانیف کی روشنی میں کلام کیا ہے۔

جناب مولانا عبد الحی صاحب لکھنوی نے اِسی قولِ صدر الشریعہ کی تردید کرتے ہوئے نرالی تحقیق پیش کی ، جس کا پچیس وجہ سے امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ نے ردّ فرمایا۔

اس کے بعد حضرت صدر الشریعہ کے مذکورہ قول کی صحیح تاویلات پیش کر کے عبارت کو اس طرح مشرّح کیا کہ سرے سے کوئی اعتراض ہی وارد نہ ہو۔

فقہائے کرام کے درمیان حضرت صدر الشریعہ کا مذکورہ قول ایک مدّت سے موضوعِ بحث اور ناقابلِ قبول بنا ہوا تھا ، لیکن بارگاہِ رضوی سے اُس کی وہ محققانہ شرح ہوئی کہ انگشت نمائی کی گنجائش ہی باقی نہ رہی۔ اِس قول کے اجمال کی وہ تفصیل کی کہ اب یہ

احناف کے مفتیٰ بہٖ مسئلہ کے مطابق ہوگا۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے یہ الفاظ خاص طور پر قابل غور ہیں:

وهـذا كما ترى بحمد اللّٰه تعالىٰ أحقّ باسم الشرح من اسم التأويل؛ اذ ليس فيه صرف لفظ عن معناه أصلا.........

وأنا أجعله هدية لروح الامام صدر الشريعة، جعله اللّٰه تعالىٰ لاصلاح أحوالي ومغفرة ذنوبي ذريعةً.

اِس قول کے زیر بحث آنے سے مندرجہ ذیل فائدے حاصل ہوئے:

۱۔ اعلیٰ حضرت کی خداداد علمیت، محققانہ شان اور تائیدِ ربانی منظر عام پر آگئی۔

۲۔ مذکورہ بحث کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہوگیا۔

۳۔ مذکورہ مسئلہ کی بعض ایسی صورتیں مع احکام بھی مذکور ہوگئیں، جن کے بیان سے دیگر فقہی کتابوں کا دامن تہی ہے۔

۴۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جنابت وحدث کی حالت میں تیمّم کرنے کی جملہ صورتوں کو سولہ مسائل کی صورت میں بطور خلاصہ بیان کردیا، جنہیں "ضابطۂ رضوی" کے نام سے موسوم کرنا بے جانہ ہوگا۔

مسئلہ لُمعہ:

جب نے بدن کا کچھ حصہ دھویا، کچھ باقی رہا کہ پانی ختم ہوگیا، پھر حدث ہوا کہ موجبِ وضو ہے، اب جو پانی ملے اُسے وضو اور رفعِ حدث میں صرف کرے یا بقیہ جنابت کے دھونے میں؟ یہ "مسئلہ لُمعہ" ہے۔

امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ نے اِس کی وہ تفصیلی تحقیق مع حوالہ جات بیان فرمائی کہ فقہ کی کسی کتاب میں اِس کا چوتھائی حصّہ بھی نہیں ملے گا۔

ذلک فضل اللّٰہ یؤتیه من یشاء و اللّٰہ ذو الفضل العظیم.

فقہ کی ہر ایک کتاب میں لُمعہ کی صورتیں مع احکام مندرج ہیں۔سب سے زیادہ صورتیں شرح وقایہ کے اندر بیان ہوئی ہیں، جن کا شمار پندرہ ہے۔لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے کرم سے امام اہل سنت کو اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزے کی شکل میں ظاہر کیا، جس نے علیحدہ علیحدہ گن کر لُمعہ کی اٹھانویں صورتیں بیان فرمائیں اور ہر ایک صورت کا مدلّل شرعی حکم واضح کیا۔چونکہ بعض صورتوں کا حکم ایک ہی جیسا ہے، لہٰذا اٹھانویں صورتوں کی تعداد تیس بیان فرمائی۔

اِس مسئلہ میں فقہا کے جو اختلافات واضطرابات ہیں، متعلقہ عبارتیں نقل کر کے اُنھیں رفع کیا گیا۔پھر مصنف نے تمام فقہا سے بہتر اور جامع، اپنا ضابطۂ کلیہ بھی بیان کر دیا ہے۔علاوہ ازیں جب نجاستِ حکمیہ اور حقیقیہ کا اجتماع ہو جائے اور پانی صرف ایک کے لیے بقدرِ کفایت موجود ہو، نیز جب حدثِ اکبر اور حدثِ اصغر دونوں کا اجتماع ہو جائے اور پانی اتنا ہے کہ صرف ایک حدث کے لیے کافی ہو سکتا ہے، اِن دونوں صورتوں سے متعلق عباراتِ علما نقل کر کے اُن پر کلام کیا اور واضح فرمایا کہ اِس مسئلہ میں ترجیح، محرّرِ مذہب، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ہے۔

آخر میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حقیقتِ واقعیہ کا یوں اظہار فرمایا ہے جو خاصا غور طلب اور فکر انگیز ہے:

"الحمد اللہ کتابِ مستطاب حسن التعمّم لبیانِ حدّ التیمّم مسوّدۂ فقیر سے

اٹھارہ جزو سے زائد میں باحسنِ وجوہ تمام ہوئی، جس میں صدہا وہ ابحاثِ جلیلہ ہیں کہ قطعاً طاقتِ فقیر سے بدر جہاوراء ہیں، **مگر فیض قدیر، عاجز فقیر سے وہ کام لے لیتا ہے جسے دیکھ کر انصاف والی نگاہیں، کہ حسد سے پاک ہوں، ناخواستہ کہہ اُٹھیں:**

ع کم ترک الأوّل للاخر

کتنے مسائل جلیلہ، معرکۃ الآراء بحمدہٖ تعالیٰ کیسی خوبی وخوش اُسلوبی سے طے ہوئے ہیں! وللہ الحمد۔ کتاب میں اصل مضمون کے علاوہ آٹھ رسائل ہیں......

بہر حال جو کچھ ہے میری طاقت سے وراء اور محض فضل میرے ربّ کریم، پھر میرے نبی رؤف ورحیم کا ہے۔ (فتاوی رضویہ، جلد چہارم، ص:319)

رِقّت وسیلان:

رِقّت وسَیلان کی فقہی تعریف اوراحکام کے بارے میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ الدّقّۃ و التبیان لعلم الرّقّۃ و السّیلان کے نام سے تحریر فرمایا۔

اس میں بھی تحقیق کے وہ نرالے جوہر دکھائے گئے ہیں کہ اُمتِ مسلمہ کوزیر بار احسان کرکے دنیائے اسلام کے تمام اہل علم حضرات کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔

اِس مسئلے کا ایسا محققانہ تفصیلی اور جامع بیان دیگر کسی بھی فقہی کتاب میں موجود نہیں ہے۔ بخوفِ طوالت ذیل میں ہم صرف اُن امور کے عنوان ہی پیش کرتے ہیں جن پر اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اِرشاداتِ علمائے کرام کے تحت معرکۃ الآراء بحث کی ہے:

معنیٰ طبیعت۔ پانی کی طبیعت رقت وسیلان ہے۔ معنیٰ رقت وسیلان۔

مذکورہ امور پر بحث کرنے کے بعد وضاحت سے ثابت کیا کہ رقت دوقسم کی ہوتی ہے:

(۱) رقت بالفعل۔ (۲) رقت بالقوۃ۔

پھر اِن کے متعلق احکام پر تفصیلی بحث فرمائی ہے۔ شرع میں جس حد کی رقت معتبر ہے اُس کے متعلق عباراتِ علماء تین قسم کی ہیں۔ آپ نے تین مقدمات پیش کر کے اُن عبارتوں کی محققانہ اصلاح فرمائی۔ مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت مسئلہ کی صورت کو واضح کیا:

رقیق بے جرم ہے اور کثیف ذی جرم۔ بے جرم سے مراد۔ تحقیق معنیٰ رقیق۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے رقیق کی جو بے مثل تعریف بیان کی، اِس سے علمائے کرام کی کتنی ہی عبارتوں کا اختلاف مٹ گیا۔ غرضیکہ اِس تعریف سے بیس فائدے حاصل ہوئے، جن کی تفصیل اصل رسالے میں ملاحظہ فرمائی جائے۔

رقت کا کثافت میں تبدیل ہونا غلبۂ غیر سے ہوتا ہے، لیکن غلبہ کس امر میں مراد ہے؟ غلبۂ اجزا سے مراد مذکورہ معانی میں کس کو ترجیح ہے؟ تمام اہلِ ضابطہ اور عامۃ الشراح کے اِرشادات کی روشنی میں محققانہ و فاضلانہ بحث فرمائی ہے۔ پھر واضح کیا کہ "طبخ" کی حقیقت کیا ہے؟ طبخ میں منع کس وجہ سے ہے؟ مختلف کتابوں کی روشنی میں بے مثال تحقیق فرمائی۔

"تغیر اوصاف" کے متعلق متون کی مراد بیان کرنے میں شروح کا اختلاف ہے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے شروح کے بیانات نقل کرنے کے بعد اُن کی اصلاح فرمائی اور متون کی اصل مراد ظاہر کی۔

اظہارِ حقیقت:

قارئین کرام! مندرجہ بالا مختصر و تعارفی سطور سے آفتابِ نصف النہار کی طرح واضح ہوا کہ اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، امام اہلِ سنت، مجدد مأۃ حاضرہ رحمۃ اللہ علیہ آسمانِ فقہ کے

مہر درخشاں ہیں۔ ماہرین پر یہ امر بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ اگر چہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ مجتہد نہیں بلکہ امام اعظم، سراج امت محمدیہ، ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد تھے، لیکن اُن کے بعض فتوے تدقیق کے ایسے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں جن سے اجتہاد کا رنگ جھلکتا ہے۔ بعض نئے مسائل یا ایسے مسئلے جن پر تصانیفِ علمائے کرام کے متون وشروح میں تفصیلی بحث نہیں کی گئی، جب وہ آپ کے سامنے پیش ہوئے تو اِس شان سے دادِ تحقیق دی کہ تسبیح کے دانوں کی طرح دلائل کو ایک لڑی میں پروتے چلے گئے اور آپ کی تحقیقات کے مطالعہ کے دوران یہ واضح ہوتا ہے کہ جملہ مندرجات ہر وقت پیش نظر رہتے تھے اور حل طلب مسائل پر ان سب کی روشنی میں تبصرہ اور بحث فرمائی تھی۔ جن مسائل یا دلائل میں فقہا کا اختلاف ہے وہاں مدلل طور پر ایک کی اِصلاح اور دُوسرے کی ترجیح یا صحت کو ثابت کیا ہے۔

غرضیکہ جب اور جس مسئلہ میں امام اہل سنت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا قلم میدانِ تحقیق میں اُترا تو اُس کی برق رفتاری اور سلامت روی کے پیش نظر آج بھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مُجیب میں اجتہاد واستنباطِ مسائل کی پوری قدرت تھی اور اِس مقام رفیع پر متمکن ہونے کی اُن میں بہت حد تک صلاحیت پائی جاتی تھی، اگر چہ من کل الوجوہ آپ مجتہد نہیں تھے اور نہ انھیں مجتہد ہونے کا دعوی تھا، بلکہ وہ اجتہاد کے دروازے کو بالکل بند سمجھتے تھے۔

نوٹ: یہ مضمون کچھ سال قبل تحریر کیا گیا تھا؛ مضمون نگار نے فتاوی رضویہ کے قدیم نسخہ کے مطابق حوالہ جات تحریر کیے تھے۔ ادارہ النظامیہ نے اُنھیں طبع جدید کے مطابق کر دیا ہے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے فقہائے احناف سے اختلاف کی نوعیت

مرتب: مولانا حافظ محمد طارق اکبری
شہادۃ العالمیہ فی العلوم العربیہ والاسلامیہ، BS عربیک

اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام:

فتاوی رضویہ کا بنظرِ عمیق مطالعہ کیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز ایسے مقلد تھے کہ جن کی تقلید کے دامن میں اجتہاد و استنباط کی وسعتیں اپنی تمام تر گہرائیوں کے ساتھ سمٹ آئی تھیں۔

فتاوی رضویہ کی روشنی میں طبقاتِ فقہاء کے اعتبار سے اعلیٰ حضرت کی شخصیت پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ آپ قواعدِ امام اعظم سے استخراج کرنے کی وجہ سے خصاف (1) اور طحاوی (2) علیہما الرحمہ کی طرح طبقہ ثالثہ (3) میں قدم راسخ رکھتے ہیں۔ روایات میں ترجیح اور تفصیل کے سبب طبقۂ رابعہ (4) اور خامسہ (5) کے فقہا سے کسی طرح کم نہیں؛ کیونکہ فقہ حنفی کا کوئی باب ایسا نہیں جس میں آپ نے فقہائے متقدمین (6) ومتاخرین (7) کی تصریحات سے مزید مسائل متفرع نہ کیے ہوں۔ جو اُمور متقدمین کی نظر سے مخفی رہ گئے، آپ نے اُنھیں انتہائی لطافت کے ساتھ واضح کر کے دلائل و براہین سے مزین کیا۔ آپ نے معاصرین فقہا کو بھی ان کی غلطیوں پر اَن گنت وجوہ سے متنبہ فرمایا۔

ہمارا مقصود اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کا فقہی مقام اُجاگر کرنا نہیں، بلکہ فتاوی رضویہ کی روشنی میں اعلیٰ حضرت کے فقہائے احناف سے اختلاف کی نوعیت کو بیان کرنا ہے،

اس لیے ذیل میں اسی موضوع کو واضح کیا جاتا ہے۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"اگر یہ سوال کیا جائے کہ مشائخ کبھی بلا ترجیح محض اقوال کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں اور کبھی تصحیح میں اختلاف کرتے ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی صورت میں جس طرح اُنھوں نے عمل کیا ہے، ہم کو بھی کرنا چاہیے۔ اس میں عرف عام اور تبدیلیٔ زمانہ کا لحاظ ضروری ہے۔" (8)

اصل مذہب سے عدول کی صورتیں:

آپ نے اصل مذہب حنفی سے عدول کی صورتیں بیان کرتے ہوئے سات مقدمات بیان فرمائے۔ پانچویں مقدمہ میں آپ کی تحریر کا خلاصہ درج ذیل ہے:

نبی اکرم ﷺ اور ائمہ مذاہب کے اقوال دو طرح کے ہیں:

(1) صوری۔ (2) ضروری۔

"صوری" تو قول منقول ہے اور ضروری وہ قول ہے جس کی صراحت قائل نے خاص طور پر نہ کی ہو، البتہ ایسے عموم کے ضمن میں اُسے بیان کر دیا ہو جو بدیہی طور پر اس بات کا حکم لگائے کہ اگر قائل اِس خاص مسئلے میں کلام کرتے تو ضرور ایسا ہی فرماتے۔ کبھی حکم ضروری حکم صوری کے خلاف بھی ہوتا ہے، ایسی صورت میں حکم ضروری کو ترجیح دی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ صوری کو اختیار کرنا قائل کی مخالفت شمار کیا جاتا ہے اور اس سے حکم ضروری کی طرف عدول قائل کی موافقت اور اتباع، جیسے: زید ایک نیک انسان تھا؛ اِس لیے عمرو نے اپنے خادموں کو کھلے لفظوں میں اُس کی تعظیم کا حکم دیا اور بار بار اُنھیں اِس بات کی ہدایت کی، اور وہ

پہلے اُن سے یہ بھی کہہ چکا تھا کہ تم لوگ ہمیشہ فاسق کی تعظیم سے بچتے رہنا، پھر ایک زمانے کے بعد زید فاسق معلن ہو گیا، تو اگر اب بھی عمرو کے خادم اُس کے حکم اور بار بار کی ہدایت پر عمل پیرا ہو کر زید کی تعظیم و توقیر کریں تو وہ ضرور ضرور نافرمان قرار پائیں گے اور اگر اس کی تعظیم چھوڑ دیں تو اطاعت شعار ہوں گے۔

حکم صوری سے عدول کے اسباب:

اس قسم کی چیزیں اقوال ائمہ میں ہوتی ہیں اور ان کے اسباب یہ ہو سکتے ہیں:

(1) ضرورت (2) حرج (3) عرف (4) تعامل (5) اہم مصلحت (6) فساد۔

یہ اس لیے ہے کہ "ضرورتوں کا استثنا، حرج دور کرنا، مصالح دینیہ کی رعایت جو زیادہ مفاسد سے خالی ہو، مفاسد کو دور کرنا، عرف کو اختیار کرنا اور تعامل پر عمل کرنا" ایسے قواعد کلیہ ہیں جو سب کو معلوم ہیں اور ائمہ یا تو اِن کی طرف مائل ہیں یا اِن کے قائل ہیں یا اِن پر اعتماد کرتے ہیں۔

اگر کسی مسئلہ میں امام اعظم کی نص موجود ہو اور پھر یہ مغیرات پائے جائیں تو ہم قطعی طور پر یہ جان لیں گے کہ اگر یہ امور حضور امام اعظم رحمہ اللہ کے عہد میں ہوتے تو آپ کا قول اِن کے مقتضا پر ہوتا، نہ کہ اِن کے خلاف۔ ایسی صورت میں اُن کے ضروری قول پر عمل جو آپ سے منقول نہ ہو، آپ ہی کے قول پر عمل ہے۔ (9)

اس کے بعد اعلیٰ حضرت نے دلائل سے ثابت فرمایا کہ جب کسی مسئلے میں امام اعظم سے کوئی نص ہو، پھر مذکورہ بالا اسباب تغییر میں سے کوئی سبب پیدا ہو جائے تو سابق حکم میں تبدیلی آ جاتی ہے۔

آپ نے اِن ''اسبابِ ستہ'' کی اہمیت اُجاگر کرنے کے لیے ایسے احکام ذکر فرمائے جو عہدِ رسالت سے لے کر آپ کے زمانہ تک حالات کی وجہ سے تبدیل ہوئے۔

فتاوی رضویہ کے ان اقتباسات کی روشنی میں واضح ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت جن مسائل میں اصل مذہب حنفی کے خلاف فتوی دیتے ہیں وہ ان اسباب ستہ کی رعایت کی وجہ سے ہوتا ہے۔

مزید برآں اس سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اعلیٰ حضرت نے فقہ کے فروعی مسائل میں حالات زمانہ کی رعایت کتنے اہتمام کے ساتھ کی ہے۔

اختلاف کی انواع:

اسباب ستہ کی رعایت کرتے ہوئے آپ کے اس اختلاف کو دو انواع میں منقسم کیا جا سکتا ہے:

(1) تمام فقہاء احناف سے اختلاف۔

(2) اصل مذہب حنفی سے اختلاف۔

تمام فقہا سے اختلاف کی مثال:

پہلی قسم کے اختلاف کی مثال درج ذیل ہے:

تمام کتب فقہ حنفی میں صراحت موجود ہے کہ تراویح وتحیۃ المسجد کے سوا تمام نوافل، سنن راتبہ ہوں یا غیر راتبہ، مؤکدہ ہوں یا غیر مؤکدہ، گھر میں پڑھنا افضل اور باعث ثوابِ اکمل ہے۔

اعلیٰ حضرت اسباب ستہ کی رعایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مگراب عام عمل اہل اسلام سنن کے مساجد ہی میں پڑھنے پر ہے اوراس میں مصالح ہیں کہ اِن (گھر پڑھنے) میں وہ اطمینان کم ہوتا ہے جو مساجد میں، اور عادتِ قوم کی مخالفت موجبِ طعن وانگشت نمائی واِنتشارِ ظنون وفتحِ بابِ غیبت ہوتی ہے اور حکم صرف استحبابی تھا، تو ان مصالح کی رعایت اِس پر مرجح ہے۔ائمہ دین فرماتے ہیں:

الخروج عن العادة شهرة ومكروه.(10)

''عادت کے خلاف کرنا شہرت پسندی ومکروہ ہے''

اصل مذہب سے اختلاف کی مثال:

اسباب ستہ کی رعایت کرتے ہوئے اپنے پیش روفقہائے کرام کے بدلے ہوئے مسائل کو برقرار رکھ کر اصل مذہب حنفی سے اختلاف کی مثال درج ذیل ہے:

اصل مذہب حنفی یہ ہے کہ زوجین میں سے کوئی اسلام سے پھر جائے تو اس کا نکاح فوراً فسخ ہو جائے گا، لیکن بعض فقہائے احناف نے اسباب ستہ کی رعایت کرتے ہوئے اِس حکم کے برعکس فتوی جاری کیا۔اعلیٰ حضرت ان کی تائید کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

ومن ذلك افتائى مرارًا بعدم انفساخ نكاح امرأةِ مسلمٍ بارتدادها؛ لِمَارأيتُ مِن تجاسُرِهِنَّ مبادرةً الى قطع العصمة مع عدم امكان استرقاقِهن فى بلادنا ولا ضربِهن وجبرِهن على الاسلامِ، كمابينته فى "السِّيَر" من فتاوانا، وكم له مِن نظيرٍ. (11)

اوراسی قبیل سے میرا یہ فتوی ہے کہ مسلمان کی بیوی کے ارتداد سے اُس کا نکاح فسخ

نہیں ہوتا؛ کیونکہ عورتیں بڑی جرات مند ہوگئی ہیں اور عصمت کے قطع کرنے میں جلدی کرتی ہیں۔ ہمارے بلاد میں اُنھیں باندیاں بنانا بھی ممکن نہیں اور نہ ہی اُنھیں مار پیٹ کر مسلمان کرنے کا امکان ہے، جیسا کہ میں نے اپنے فتاوی کے باب السیر میں بیان کیا اور اس کی بہت سی نظیریں ہیں۔

یہاں اس امر کی وضاحت بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ جہاں اعلیٰ حضرت اسباب ستہ کی رعایت فرماتے ہوئے سابق حکم کو بدل دیتے ہیں، وہاں آپ قول امام یعنی اصل مذہب حنفی کی حمایت میں بعض فقہائے احناف سے اختلاف بھی فرماتے ہیں؛ کیونکہ آپ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے سچے مقلد اور متصلب متبع ہیں اور ان کی اِصابتِ رائے اور اجتہاد وفکر اور قیاس واستحسان کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں، اور یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ اعلیٰ حضرت کے زمانے میں سائنس ارتقائی منازل میں داخل ہو چکی تھی، جس کی وجہ سے بہت سے ایسے مسائل پیدا ہو چکے تھے جن کے بارے امام اعظم رضی اللہ عنہ سے کوئی روایت نہ تھی۔ آپ نے ان مسائل میں امام صاحب کے اصول وفروع کو مدنظر رکھتے ہوئے استخراج واستنباط کیا اور آپ نے اصل مذہب کی حمایت کرتے ہوئے بعض معاصرین فقہائے احناف سے اختلاف کیا۔

حواشی

(1) امام خصاف تیسری صدی کے عظیم فقیہ ہیں اور دو واسطوں سے امام اعظم کے شاگرد ہیں۔

(2) امام ابو جعفر طحاوی رحمہ اللہ تیسری صدی کے عظیم محدث اور بے بدل فقیہ تھے، آپ کثیر تعداد کتب کے مصنف تھے۔

(3) طبقة المجتهدين في المسائل :یہ اصول وفروع میں امام کے تابع ہوتے ہیں اور جن مسائل میں امام سے کوئی روایت نہیں ہوتی ،ان میں امام کے اصول کے مطابق استخراج کرتے ہیں۔

(4) طبقة اصحاب التخريج :اس طبقہ کے فقہائے کرام کوفروع واصول پر کمال نظر حاصل ہوتا ہے لیکن یہ حضرات اجتہاد پر قادر نہیں ہوتے بلکہ ان کا کام صرف مجمل قول کی تفصیل محتمل امرین کی تعیین ہے۔

(5) طبقه اصحاب الترجيح :اس طبقہ کے فقہائے کرام بعض روایتوں کو دوسری روایتوں پر ترجیح دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

(6) متقدمین سے مراد وہ فقہاء ہیں جنہوں نے ائمہ ثلاثہ یعنی حضرت امام اعظم ابوحنیفہ،امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا زمانہ پایا ہو۔

(7) متاخرین سے مراد وہ فقہا ہیں جنہوں نے ائمہ ثلاثہ کے زمانے کو نہ پایا ہو۔

(8) فتاوی رضویہ، ج:1 ،ص 101-102 ،مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن لاہور، 1991ء۔

(9) ملخص از فتاوی رضویہ، ج:1 ،ص109-110

(10) فتاوی رضویہ، ج:7 ،ص 416 ،باب الوتر والنوافل

(11) فتاوی رضویہ، ج:1 ،ص135

امام احمد رضا کا حَزْم و اِتِّقَاء

تحریر: علامہ مولانا محمد عبد المبین نعمانی

مائۃ حاضرہ کے مجدّدِ اعظم، دنیائے اہل سنت کے بطلِ عظیم، اعلیٰ حضرت سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کو ایک مجاہد پیکر، مصلح امت، مجدد ملت اور اہل باطل کے لیے باعث قہر و نکبت کی حیثیت سے کون نہیں جانتا؟ اور یہ حقیقت بھی ہے کہ آپ کی حیات طیبہ میں اصلاح و تجدیدِ دین اور اِحقاقِ حق و اِبطال باطل کا عنصر جتنا نمایاں ہے اُس کی مثال نہیں ملتی۔

ایک مصلح و مجدد کو ذاتی طور پر جن محاسن و محامد اور فضائل و مناقب سے آراستہ ہونا چاہیے، امام احمد رضا کی ذات اُن میں بھی منفرد و یکتا نظر آتی ہے۔ خصوصاً زُہد و تقویٰ اور حزم و احتیاط کی شمع آپ کی بزمِ حیات میں اتنی فروزاں ہے کہ دیگر اوصاف سے قطع نظر کر لیا جائے جب بھی آپ کی ولایت و عظمت میں کسی شک و ارتیاب کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ آیئے! چند واقعات و شہادات کی روشنی میں اِس حیثیت سے بھی حضرت امام کی حیات طیبہ کا مطالعہ کریں؛ تاکہ معلوم ہو جائے کہ مردِ حق آگاہ زہد و ورع، تقویٰ و طہارت اور حزم و احتیاط کے کس بلند مقام پر فائز ہے۔

سب سے پہلے عہدِ طفولیت کا ایک عبرت انگیز واقعہ ملاحظہ ہو۔

ساڑھے تین برس کی عمر میں نگاہوں کی حفاظت:

ابھی تقریباً ساڑھے تین برس کی عمر ہے، ایک نیچا کرتا پہنے باہر سے دولت خانہ کی

طرف چلے جارہے تھے کہ سامنے سے کچھ بازاری عورتوں (طوائف) کا گزر ہوا۔ اُن پر نظر پڑتے ہی ساڑھے تین برس کے اِمام نے اپنا لمبا کرتا اٹھایا اور دامن سے آنکھیں چھپالیں یہ غیورانہ انداز دیکھ کر اُن عورتوں نے تضحیکانہ طور پر کہا:

واہ میاں صاحبزادے! نظر کو ڈھک لیا اور ستر کھول دیا۔

اِس پر اعلیٰ حضرت نے برجستہ فرمایا:

''پہلے نظر بہکتی ہے تب دل بہکتا ہے اور جب دل بہکتا ہے تو ستر بہکتا ہے۔''

اب تو اُن سب عورتوں پر سکتہ طاری ہوگیا اور پھر کچھ بولنے کی جرأت نہ ہوسکی۔

ساڑھے تین برس کی عمر میں فکروشعور اور عفت و پرہیز گاری کی اِس قدر بلندی کم تعجب خیز نہیں، آپ نے اِس جواب کے اندر شریعت وطریقت کے ایسے پنہاں نکتے منکشف فرمادیے، جن کا اِدراک آج بوڑھے ہونے کے بعد بھی مشکل سے ہوتا ہے۔

بالائے سرش زہوشمندی　　　می تافت ستارۂ بلندی

وقت وصال رخصت والی تصاویر بھی دور کرادیں:

امام احمد رضا جب وصال یار کی تیاریاں کر رہے تھے اور قریب تھا کہ اِس دار فانی سے رخصت ہوکر سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں آرا کا نظارہ کریں، جس کی تڑپ نے کبھی آپ کو ستایا تو یوں نغمہ سنج ہوئے:

جان تو جاتے ہی جائے گی قیامت یہ ہے　　　کہ یہاں مرنے پہ ٹھہرا ہے نظارہ تیرا

اور حضرت سرکار آسی نے اِسی موقع کی تصویر طرح کھینچی ہے:

آج پھولے نہ سمائیں گے کفن میں آسی

ہے شبِ گور بھی اُس گل سے ملاقات کی رات

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کے برادر زادہ اور تلمیذ وخلیفہ حضرت علامہ مولانا حسنین رضا صاحب قبلہ علیہ الرحمہ وقتِ وصال موجود تھے، فرماتے ہیں:

ایک بج کر چھپن منٹ پر اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ گھڑی سامنے رکھ دو، گویا کہ پہلے ہی سے وقت معلوم ہے اور اب شدت سے وقت معین کا انتظار ہے، اور کیوں نہ واقف ہوں کہ بارگاہ نبوت کے محبوب خاص تھے، ورنہ جانکنی کا وقت اور سامنے گھڑی ہونے کی خواہش چہ معنی دارد؟ پھر فرمایا، تصاویر ہٹا دو، لوگوں نے سوچا یہاں تصاویر کا کیا کام! لوگ سوچ ہی رہے تھے کہ خود ہی فوراً ارشاد فرمایا: یہی لفافے، کارڈ اور روپے پیسے وغیرہ (جس میں تصویریں ہوتی ہیں)۔''

یہاں حضور اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا احتیاط وتقوی قابل دیدنی ہے کہ حدیث میں ہے: ''جس گھر میں تصویر اور کتا ہوتا ہے اس میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔'' مگر سکوں کو بدرجۂ مجبوری اِس حکم سے الگ رکھا گیا ہے، جیسا کہ اکثر علمائے عظام کا قول ہے، لیکن اعلیٰ حضرت نے اِس مبارک ومسعود وقت میں اِسے بھی گوارا نہ کیا اور احتیاط وتقوی کی روح پیش فرمادی اور کلیتاً تصویر کے شائبہ سے بھی اجتناب فرمایا۔

لغویات سے اجتناب:

اعلیٰ حضرت قدس سرہ ٹھٹھا، قہقہہ اور کھل کھلا کر ہنسنے سے اجتناب فرماتے تھے اور فَلْيَضْحَكُوا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوا كَثِيْرًا. (التوبہ:82) (پس اُنھیں چاہیے کہ ہنسیں کم اور روئیں زیادہ) پر عمل پیرا تھے۔

کمالِ احتیاط کے ساتھ نماز کی پابندی:

امام احمد رضا قدس سرہٗ نماز با جماعت کی شدت سے پابندی فرماتے اور ہمیشہ عمامہ کے ساتھ نماز ادا فرماتے؛ اس لیے کہ حدیث پاک میں عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنے کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے اور مسائل نماز میں کمال احتیاط اور آداب کا پورا خیال فرماتے۔

جناب مولوی محمد حسین صاحب میرٹھی کا بیان ہے کہ امام احمد رضا نماز میں اِس قدر احتیاط اور جزئیاتِ مسائل کا ایسا اہتمام فرماتے کہ عام تو عام اکثر علما اِس پر عمل کرنا تو درکنار اُس کے سمجھنے سے بھی قاصر ہیں۔

ایک سال امام احمد رضا کی مسجد میں بیس رمضان المبارک سے میں معتکف ہوا۔ جب چھبیس (26) رمضان المبارک کی تاریخ آئی تو امام احمد رضا نے بھی اعتکاف فرمالیا، قبل اعتکاف ایک دن کا واقعہ ہے کہ عصر کے وقت حضور امام احمد رضا تشریف لائے اور نماز پڑھا کر تشریف لے گئے، میں مسجد کے اندر کونے میں چلا گیا، تھوڑی دیر میں ایک صاحب آئے اور مجھ سے کہنے لگے آپ نے ابھی عصر کی نماز نہیں پڑھی؟ میں نے کہا: ابھی حضور کے پیچھے پڑھی ہے، تو اُن صاحب نے تعجب سے کہا: حضور تو اب پڑھ رہے ہیں۔ میں نے بھی سنا تو نہایت تعجب کیا اور یقین نہ ہوا؛ اس لیے کہ نمازِ عصر کے بعد کوئی نماز داخل نہیں اور امام احمد رضا نے ہم لوگوں کے سامنے نماز پڑھی اور پڑھائی ہے اور ابھی مغرب کا وقت نہیں، پھر اگر غلطی ہوگئی ہوتی تو سب کو اِعادہ کرنے کا حکم فرماتے، غرض مجھ کو بڑی حیرت ہوئی۔ اُنھوں نے پھر کہا: دیکھ لیجیے! پڑھ رہے ہیں۔ تب میں نے آگے بڑھ کر دیکھا تو واقعی نماز پڑھ رہے تھے۔ منتظر کھڑا رہا، جب سلام پھیرا تو میں نے عرض کیا: حضور! میری سمجھ میں نہیں آیا کہ ابھی نماز پڑھائی ہے اور پھر پڑھ رہے ہیں؟ نوافل کا بھی اِس وقت سوال نہیں۔ تو امام احمد رضا

نے اِرشاد فرمایا:

"قعدۂ اخیرہ میں بعدِ تشہد حرکتِ نفس سے میرے انگرکھے کا بند (یعنی پہنے ہوئے خاص قسم کے قمیص کا بٹن) ٹوٹ گیا تھا، چونکہ نماز تشہد پر ختم ہو جاتی ہے، اِس وجہ سے آپ نے لوگوں سے نہیں کہا اور گھر میں جا کر بند و بست کرا کے اپنی نماز احتیاطاً پھر پڑھ لی۔"

یہ ایسا واقعہ ہے کہ اکثر لوگ اِس کی سمجھ سے بھی قاصر ہیں۔ ایک بزرگ نے مجھ سے یہ واقعہ سن کر اس کی بہت قدر کی۔ یہ بزرگ پیر عبدالحمید شاہ صاحب بغدادی ہیں، بڑودہ تشریف لائے تھے اور جامع مسجد میں ایک روز نماز پڑھائی، میں نے ایسا لطف کبھی قرآن کی تلاوت میں نہیں محسوس کیا۔ بعدِ نماز میں نے معلوم کیا کہ یہ کون بزرگ ہیں تو اُن کے بارے میں معلومات حاصل ہوئیں، پھر میں اُن کی قیام گاہ پر گیا، اعجازِ قرآن کے سلسلے میں ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ میں ایران گیا، وہاں آتش پرستوں کا ایک آتش کدہ بہت پرانا تھا، وہاں پر آتش پرستوں سے مناظرہ کے لیے لوگوں نے میرا اِنتخاب کیا، تو میں نے کہا:

"یہ لوگ جسے پوجتے ہیں، اسی سے پوچھ لو۔" یعنی آتش کدہ میں جا کر آگ سے پوچھ لو کہ وہ کس کی رعایت کرتی ہے؟

لوگوں نے اِسے محض دھمکا نا سمجھا اور میرا نام اور وہاں کے پجاری (آگ کی عبادت کرنے والے) کا نام مقرر کر کے ایک معین تاریخ کو مناظرہ کا اعلان کر دیا۔ وقت مقررہ پر تمام لوگ شہر کے جمع ہو گئے تو میں نے اُس پجاری سے کہا: "اب چلیے!" وہ گھبرایا اور رُک گیا۔ میں نے سوچا کہ اگر میں بھی رک گیا تو لوگ واقعی دھمکی تصور کریں گے؛ اس لیے اکیلا ہی اُس آتش کدہ میں چلا گیا اور پورے بیس منٹ تک آگ میں کھڑا رہا۔ اس کے بعد نکل آیا، یہ دیکھ کر بہت سے آتش پرست مسلمان ہو گئے اور آتش پرستی سے توبہ کر لی۔

اب میں نے اپنی ضعفِ ایمانی کی وجہ سے اُن بزرگ سے پوچھا کہ آپ کیسے آگ میں چلے گئے؟ فرمایا:

''قرآن مجید لے کر اور یہ سمجھ کر کہ جب ہم کو قرآن نار جہنم سے بچائے گا اس معمولی آگ سے کیوں نہ بچائے گا؟''

یہ واقعہ اس لیے ذکر کر دیا؛ تا کہ ناظرین اُن بزرگ کی فضیلت اور قوت ایمانی کا اندازہ لگا سکیں۔

اِن بزرگ صاحب کو جب میں نے امام احمد رضا کی اِس عصر کی نماز کا واقعہ سنایا پھر دوسرے دن ملاقات کی تو فرمایا:

''آج میں نے تمام رات گریہ وزاری میں گزاری، ساری رات میں یہی کہتا رہ گیا کہ خداوندا! تیرے ایسے بندے بھی ابھی روئے زمین پر ہیں جو اس درجہ احتیاط سے فریضۂ نماز ادا کرتے ہیں!!''

مولانا مولوی محمد حسین صاحب چشتی نظامی فرماتے ہیں کہ امام احمد رضا جس قدر اطمینان وسکون اور مسائل کی رعایت سے نماز پڑھتے تھے اُس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ ہمیشہ میری دو رکعت ہوتیں تو اُن کی ایک، جب کہ میری چار رکعت دوسرے لوگوں کی چھ اور آٹھ کے برابر ہوتیں۔ اور نماز سے اس قدر شوق فرماتے تھے اور جماعت کا اتنا خیال کرتے کہ بسا اوقات مرض کی وجہ سے اُٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا نہایت دشوار ہو جاتا مگر جب نماز کا وقت آتا تو بغیر کسی سہارے خود ہی مسجد تشریف لے جاتے اور معلوم ہوتا کہ پورے طور پر صحت یاب ہیں۔

نذرانہ قبول کرنے میں احتیاط:

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے:

"ایک مرتبہ ایک صاحب خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور ایک کوری ہانڈی جس میں بدایونی پیڑے تھے، پیش کی۔

اعلیٰ حضرت نے فرمایا: کیسے تکلف کیا؟

نووارد: حضور سلام کے لیے حاضر ہوا ہوں۔

امام صاحب: (تھوڑی دیر خاموشی اختیار فرمائی اور پھر دریافت کیا) کہیے! کوئی کام؟

نووارد: کچھ نہیں، یونہی مزاج پرسی کے لیے حاضر بارگاہ ہوا ہوں۔

امام صاحب: عنایت ونوازش (قدرے سکوت کے بعد فرمایا) کیا کچھ فرمایئے گا؟

نووارد: کچھ نہیں۔

اِس کے بعد امام احمد رضا رضی اللہ عنہ نے وہ شیرینی کی ہانڈی مکان میں بھجوادی اور اپنے کام میں مشغول ہو گئے، تھوڑی دیر توقف کے بعد اُن صاحب نے ایک تعویذ کی درخواست کی، اِس پر امام احمد رضا کا انداز بدل گیا اور فرمایا:

"میں نے تو پہلے ہی تین بار دریافت کیا مگر آپ نے کچھ نہ بتایا، اچھا تشریف رکھیے۔"

اِس کے بعد امام احمد رضا نے اپنے بھانجے علی احمد خاں کے پاس سے جو کہ تعویذ بانٹتے تھے، ایک تعویذ منگا کر اُن صاحب کو دیا اور ساتھ ہی مٹھائی کی وہ ہانڈی بھی گھر میں سے منگا کر فرمادیا: "اس کو بھی ساتھ لیتے جایئے۔" اُنھوں نے بہت اِصرار کیا کہ حضور اس کو قبول کرلیں، مگر امام احمد رضا نے قبول نہیں کیا اور فرمایا:

"ہمارے یہاں تعویذ بکتا نہیں ہے، آخر کار وہ صاحب اپنی شیرینی واپس لیتے گئے۔"

قلتِ طعام:

کھانے کے معاملے میں بھی امام احمد رضا بڑے محتاط واقع ہوئے تھے اور آپ کا کھانا اِس کا مصداق تھا کہ "خوردن برائے زیستن نہ زیستن برائے خوردن است" یعنی کھانا صرف جینے کے لیے ہے نہ کہ جینا ہی کھانے کے لیے ہے۔

چنانچہ امام احمد رضا کی غذا عام طور پر زیادہ سے زیادہ ایک چھوٹی پیالی بکری کا شوربا وہ بھی بغیر مرچ کا اور ایک، ڈیڑھ سوجی کا بسکٹ، اور کبھی چکی کے پسے ہوئے آٹے کی چند چپاتی، بلکہ کبھی تو اِس میں ناغہ بھی ہو جاتا اور رمضان المبارک میں اِفطار کے بعد صرف پان پر اکتفا فرماتے اور سحری کے وقت صرف ایک چھوٹے پیالے میں فیرنی اور چٹنی استعمال فرمایا کرتے تھے۔

آشوبِ چشم میں وضو کے بارے احتیاط:

جناب سید ایوب صاحب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ امام احمد رضا کو آشوب چشم کی شکایت ہوگئی، اِس دوران متعدد بار ایسا ہوا کہ امام احمد رضا نے کبھی قبل نماز، کبھی بعد نماز مجھ کو پاس بلایا اور کہا کہ سید صاحب! دیکھیے حلقۂ چشم سے باہر پانی تو نہیں آیا ہے، ورنہ وضو کر کے نماز کا اِعادہ کرنا ہوگا؛ اس لیے کہ دکھتی آنکھ سے جو پانی نکلتا ہے وہ ناقض وضو ہے۔ مگر اس میں اس قدر احتیاط کہ دوسرے کو آنکھ دکھا کر کیفیت دریافت کرنا، امام احمد رضا ہی کا مقام احتیاط ہے، اس لیے کہ شرعاً کوئی اتنے اہتمام کا مکلّف نہیں۔

مارکیٹ ریٹ کے مطابق ثمن عنایت کرنا:

ایک مرتبہ آپ کو مٹی کے تیل کی ضرورت درپیش ہوئی، تو جہانگیر خاں رضوی تیل

فروش سے فرمایا کہ مجھ کو ایک پیپا (کنستر) مٹی کے تیل کی حاجت ہے۔ چنانچہ حسبِ ارشاد جہانگیر صاحب نے ایک پیپا مٹی کا تیل لا کر حاضر کر دیا۔ امام احمد رضا نے دریافت فرمایا کہ اِس کی قیمت کیا ہے؟ تو عرض کیا حضور! ویسے اِس کی قیمت اتنی ہے، مگر آپ کم کر کے اتنی عنایت فرمادیں۔ اس پر امام احمد رضا نے فرمایا:

''نہیں جو قیمت عوام سے لیتے ہو وہی مجھ سے بھی لو۔''

اُنھوں نے عرض کیا: حضور! آپ میرے بزرگ ہیں عالم ہیں، آپ سے بھلا عام بھاؤ کیسے لوں؟ اِس پر اُنھوں نے فرمایا:

''میں علم نہیں بیچتا۔''

اور پھر وہی عام قیمت عنایت فرمائی۔

بچے سے معافی مانگنا:

ایک مرتبہ شام کے وقت حسب معمول پان میں تاخیر ہوگئی، دیر میں ایک بچہ پان لیکر حاضر خدمت ہوا۔ رمضان المبارک کا مہینہ تھا اور تقریباً مغرب کے بعد دو گھنٹے ہو چکے تھے اور یہ گزر چکا کہ امام احمد رضا افطار کے بعد صرف پان پر ہی اکتفا فرماتے تھے۔ لانے والے بچے سے فرمایا: ''اتنی دیر میں لایا۔'' اور اس کو ایک چپت بھی رسید کر دی (تھپڑ مارا)۔

واقعہ تو گزر گیا مگر امام احمد رضا نے بعد میں سوچا کہ میں نے غلطی کی کہ اس بچے کو ایک چپت رسید کر دی، لہٰذا رہا نہ گیا اور سحری کے وقت اُس بچے کو بلایا اور فرمایا:

''شام میں نے چپت ماردی تھی، حالانکہ قصور تمہارا نہیں بھیجنے والے کا تھا؛ لہٰذا اب اِس غلطی کا تدارک اِس طرح ہوگا کہ تم بھی میرے سر پر چپت مارو۔''

اور سر سے ٹوپی اتار کر اصرار فرمایا۔

حاضرین یہ تماشا دیکھ کر مضطرب و پریشان ہو گئے۔ بچہ بھی عالم حیرت میں مبتلا ہو گیا اور عرض کیا: حضور! میں نے معاف کیا۔ اِس پر امام احمد رضا نے فرمایا: ''تم نابالغ، تمہیں معاف کرنے کا کیا حق؟ تم چپت مارو۔'' مگر وہ نہ مار سکا۔

اس کے بعد اپنا بکس (صندوق) منگا کر اُس سے مٹھی بھر کر پیسے نکالے اور فرمایا: ''میں تم کو یہ اتنے پیسے دوں گا، تم چپت ماردو۔'' مگر وہ بچہ کہتا رہا: حضور! میں نے معاف کیا۔ آخر کار جب امام احمد رضا نے یہ دیکھا کہ یہ بدلہ نہیں لے رہا ہے تو اُس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سر مبارک پر بہت سی چپتیں لگائیں اور پھر اس بچہ کو پیسے دیکر رخصت فرمایا۔

داہنی طرف سے ابتدا:

امام احمد رضا قدس سرہ العزیز اپنے تمام افعال و اعمال میں سنت تیامُن (یعنی داہنے سے شروع کرنے) کا بہت خیال فرماتے، سوائے اُن افعال میں جن میں شرعاً ممانعت وارد ہے، جیسے استنجا کرنے یا ناک صاف کرنے وغیرہ افعال۔

قبلہ کا احترام:

قبلہ کا بھی بہت احترام فرماتے، کبھی قبلہ کی طرف نہ تھوکتے اور نہ پاؤں پھیلاتے، یہاں تک کہ کبھی قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے مسجد سے واپس نہیں ہوئے، ہمیشہ قبلہ کی طرف منہ کر کے مسجد سے نکلتے۔ کبھی اگر وظائف و اَوراد میں مشغول ہو کر شمالاً و جنوباً ٹہلتے تو لوٹتے وقت وسطی دَرْ (درمیانی دروازے) سے قبلہ رُو ہو کر نکلتے، ایسا نہیں کہ کنارے کی کسی دَرْ سے تشریف لاتے۔

سترِ عورت:

سترِ عورت (پردے والے مقام کو چھپانے) کے بارے میں بھی بہت محتاط تھے، یہاں تک کہ اگر کسی کا گھٹنا کھلا ہوتا تو اُس کی طرف نظر نہیں فرماتے۔

ایک مرتبہ چند فوجی نیکر پہنے حاضر ہوئے، امام احمد رضا نے اُن کی طرف نگاہ نہ فرمائی اور فوراً ایک کپڑا اُن کے زانو پر ڈالنے کے لیے دیا، پھر اُن کی طرف نگاہ کی اور صرف حسب ضرورت بات کی۔

احترامِ سادات:

سادات کرام کے بارے میں تو امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کے واقعات بڑے ہی حیرت انگیز اور رقت آمیز ہیں۔ آپ اُن سے بے پناہ محبت فرماتے اور نہایت ہی احترام وادب کے ساتھ پیش آتے۔ تفصیلی واقعات تو سوانح کی کتابوں میں مرقوم ہیں، سر دست میں یہاں اُن کے بارے میں امام احمد رضا کی ایک نہایت ہی باریک اور زبردست احتیاط پیش کرر ہا ہوں۔

امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ اگر قاضی کسی سید کو حد لگائے تو یہ نہ خیال ہو کہ میں سزا دے رہا ہوں، بلکہ تصور یہ ہو کہ محترم شاہزادے کے پیر (پاؤں) میں کیچڑ لگ گئی ہے اُسے دھو رہا ہوں۔

بیٹھنے کا عاجزانہ انداز:

امام احمد رضا قدس سرہٗ فرنگیت اور تکبرانہ انداز کے اختیار کرنے سے بھی بہت پرہیز

فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے، ٹرین میں کچھ دیر تھی، اسٹیشن پر ویٹنگ روم (انتظار گاہ) سے کرسی لائی گئی۔ آپ نے فرمایا: ''یہ تو بڑی متکبرانہ کرسی ہے۔'' پھر اظہارِ تنفر کرتے ہوئے ضرورتاً اُس پر بیٹھے مگر اُس کے تکیہ سے پشت مبارک نہیں لگائی۔

شریعت کی خلاف ورزی پر تنبیہ:

ایک مرتبہ آپ پیلی بھیت شریف میں ایک شاہ صاحب سے ملنے گئے۔ وہ پیری مریدی کا سلسلہ جاری کیے ہوئے تھے۔ اتفاق سے جب امام احمد رضا وہاں پہنچے تو دیکھا کہ شاہ صاحب عورتوں کو بے حجابانہ بیعت کر رہے ہیں۔ یہ خلافِ شرع حرکت دیکھ کر آپ کی غیرت دینی نے گوارا نہ کیا کہ اُن سے ملیں اور بغیر ملاقات کیے ہی واپس چلے آئے۔ جب شاہ صاحب کو اِس واقعہ کی خبر ہوئی تو انتہائی افسوس کا اظہار کیا اور آئندہ سے احتیاط کرنے کا وعدہ کیا۔ اِس کے بعد امام احمد رضا اُن سے ملے اور مصافحہ و معانقہ کیا۔ غالباً اِس خوشی میں (معانقہ) کیا کہ شاہ صاحب نے ایک معصیت سے اجتناب کرنے کا وعدہ کرلیا ہے اور یقیناً یہ ایک مومن کے لیے خوشی کی بات ہے۔

یہ چند شہادتیں "مشتے نمونہ از خروارے" کے طور پر ہدیۂ ناظرین ہیں، جن سے حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقامِ زُہد و ورع اور حزم و احتیاط پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔

امام احمد رضا اور اُن کا اخلاقی پیکر

تحریر: مفتی محمد مجاہد حسین حبیبی، سیکرٹری: آل انڈیا تبلیغ سیرت، کلکتہ، مغربی بنگال

شیخ الاسلام والمسلمین، عاشقِ محبوبِ رب العالمین، اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت، امام احمد رضا خاں عبد المصطفیٰ فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی ذات ستودہ صفات بلاشبہ اسلامیانِ عالم کے لیے عظیم نعمتِ خداوندی ہے۔ خلّاقِ عالم نے آپ کے سر مجدّدیت کا سہرا باندھ کر خلق کی رشد وہدایت کا بارگراں سپرد فرمایا۔ دیکھنے میں تو آپ ایک فرد تھے لیکن اپنی ذات میں انجمن تھے۔

آپ کی زندگی کا مرکز ومحور سرکار رسالت مآب ﷺ کی محبت ہے، جس پر آپ کی جملہ تصانیف وکتب شاہد عدل ہیں۔ ایک طرف جہاں آپ کا نعتیہ دیوان "حدائق بخشش" اِس کا جیتا جاگتا نمونہ ہے، وہیں دوسری طرف آپ کا ترجمۂ قرآن "کنزالایمان" شانِ اُلوہیت اور سرکار رسالت مآب ﷺ کی حرمت وعظمت کا محافظ و پاسبان ہے۔ فتاویٰ رضویہ اور دیگر کتب بھی اپنی نظیر آپ ہیں۔ دانشورانِ قوم اور اہل علم حضرات نے آپ کی تصانیف کے مطالعہ کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ پچھلی کئی صدیوں میں آپ جیسا نابغۂ روزگار پیدا نہیں ہوا۔ اس حقیقت کا اعتراف جہاں اپنوں کو ہے، وہیں اغیار نے بھی اس حقیقت کا برملا اعتراف کیا ہے۔ گویا آپ کی غیر معمولی ذہانت وفطانت اور استحضارِ علم مسلّمات میں سے ہے۔

فضل وکمال کے ایسے بلند مقام پہ فائز ہونے کے باوجود آپ حد درجہ خوش اخلاق اور منکسر المزاج تھے، عاجزی وفروتنی آپ کی رگ رگ میں سمائی ہوئی تھی، غربا پروری محتاجوں اور ضرورت مندوں کی اِمداد کا جذبۂ صادق آپ کے انگ انگ میں بسا تھا۔ کسر نفسی کا یہ عالم

کہ حجام تک کو بھائی کہہ کر مخاطب فرماتے، غرضیکہ اُن کی ہر ہر ادا آقائے کریم ﷺ کی سنتِ مبارکہ کی سچی تصویر تھی۔

آیئے! اسی پاکیزہ ہستی کے اخلاق حسنہ میں سے چند درخشاں پہلوؤں کی ضیا بار کرنوں سے اپنی تاریک زندگی کو منور کریں۔

اُن کا سایہ اِک تجلّی اُن کا نقش پا چراغ
وہ جدھر گزرے اُدھر ہی روشنی ہوتی گئی

احترام سادات:

حضور نبی اکرم ﷺ کی اولادِ امجاد یعنی ساداتِ کرام کا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا حد درجہ اکرام و احترام فرماتے تھے۔ ذیل کے واقعات سے اِس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

''ایک نوعمر لڑکا اُمورِ خانہ داری میں امداد کے لیے اعلیٰ حضرت کے گھر ملازم ہو گیا۔ کچھ دنوں بعد اعلیٰ حضرت کو معلوم ہوا کہ نیا ملازم تو سیّد زادہ ہے۔ آپ نے تمام اہل خانہ کو تاکید کی کہ خبردار! اس سیّد لڑکے سے کوئی کام مطلقاً نہ لیا جائے؛ کیونکہ یہ مخدوم زادہ ہیں، بلکہ ان کی خاطر تواضع میں کسی طرح کی کمی نہ آئے۔ اِن کی حسب منشا ہر چیز خدمت میں پیش کرتے رہنا۔ غرضیکہ صاحب زادے کو پورا پورا آرام پہنچایا جائے۔ تنخواہ جو مقرر کی ہے وہ حسب وعدہ دیتے رہنا، لیکن تنخواہ سمجھ کر نہیں بلکہ بطور نذرانہ پیش ہوتا رہے۔''(1)

اسی نوعیت کا ایک اور واقعہ ہدیۂ قارئین ہے۔ پڑھیے اور سیّدزادوں کے تعلق سے اعلیٰ حضرت کے والہانہ لگاؤ کا اندازہ لگائیے۔

کسی روز ایک سیّد صاحب نے زنان خانے کے دروازے پر آ کر آواز دی: ''دلواؤ سیّد کو۔'' اعلیٰ حضرت نے اپنی آمدنی سے اخراجاتِ اُمورِ دینیہ کے لیے دو سو روپے ماہوار مقرر فرمائے تھے، اس ماہ کی رقم اِسی روز آپ کو ملی تھی۔ سیّد صاحب کی آواز سنتے ہی فوراً وہ روپوں والا آفس بکس لے کر دوڑے اور سیّد صاحب کے سامنے پیش کر کے فرمایا: ''حضور! یہ نذرانہ حاضر ہے۔'' سیّد صاحب کافی دیر تک اُس رقم کو دیکھتے رہے، پھر ایک چونّی (چار آنے) اُٹھا کر فرمایا: ''بس لے جایئے۔'' اعلیٰ حضرت نے خادم سے فرمایا:

''جب اِن سیّد صاحب کو دیکھو تو فوراً ایک چونّی اِن کی نذر کر دینا؛ تا کہ اُنھیں سوال کرنے کی زحمت نہ اُٹھانی پڑے۔''(2)

مندرجہ بالا دونوں واقعات سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ سادات کی تعظیم و تکریم میں آپ کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے تھے۔ نشست و برخاست بلکہ ہر معاملے میں سادات کا خاص خیال رکھا کرتے تھے۔ علامہ ظفر الدین بہاری تحریر فرماتے ہیں:

اعلیٰ حضرت کے یہاں دستور تھا کہ میلاد شریف کے موقع پر سیّد حضرات کو آپ کے حکم سے دوگنا حصّہ ملا کرتا تھا۔ ایک دفعہ سیّد محمود جان صاحب کو تقسیم کرنے والے کی غلطی سے اِکہرا حصہ ملا۔ اعلیٰ حضرت کو معلوم ہوا تو فوراً تقسیم کرنے والے کو بلوایا اور اُس سے ایک خوان شیرینی کا بھروا کر منگوایا۔ پھر معذرت چاہتے ہوئے سیّد صاحب موصوف کی نذر کیا اور تقسیم کرنے والے کو ہدایت کی کہ آئندہ ایسی غلطی کا اعادہ نہ ہو؛ کیونکہ ہمارا کیا ہے؟ سب کچھ اِن حضرات کے ہی عالی گھرانے کی بھیک ہے۔(3)

ایک دفعہ نمازِ جمعہ کے بعد ایک طالب علم نے ایک سیّد صاحب کو نام لے کر پکارا ''قناعت علی! قناعت علی'' اعلیٰ حضرت نے پکارنے والے طالب علم کو بلایا اور فرمایا:

''عزیزم! سیّد صاحب کو اِس طرح پکارتے ہو؟ سادات کی تعظیم کا آئندہ خیال رکھیے اور جس عالی گھرانے کے یہ افراد ہیں اُس کی عظمت کو ہمیشہ پیش نظر رکھیے۔''

اس کے بعد حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ:

سادات کا اِس درجہ احترام ملحوظ رکھنا چاہیے کہ قاضی اگر کسی سیّد پر حد لگائے تو یہ خیال تک نہ کرے کہ میں اِسے سزا دے رہا ہوں، بلکہ یوں تصور کرے کہ شہزادے کے پیروں میں کیچڑ بھر گئی ہے، اُسے دھو رہا ہوں۔''(4)

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا

والدہ کا احترام:

مذہبِ اسلام نے والدین کو جن اِعزازات سے نوازا ہے ان سے بھلا کس کو انکار ہو سکتا ہے؟ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جس نے اپنے والدین کو راضی کر لیا، اس نے اللہ کو راضی کر لیا۔''

بایں وجہ سرکار اعلیٰ حضرت ہمیشہ والدین کی تکریم فرماتے رہے۔ والد صاحب علیہ الرحمہ کے انتقال کے بعد ہر کام سے پہلے والدہ سے اجازت لیتے۔ حضرت شاہ اسماعیل حسن میاں صاحب کا بیان ہے کہ جب مولانا (اعلیٰ حضرت) کے والد ماجد نقی علی خان صاحب (المتوفی ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) کا انتقال ہوا، اعلیٰ حضرت اپنے حصۂ جائداد کے خود مالک تھے، مگر سب اختیار والدہ ماجدہ کے سپرد تھا۔ وہ پوری مالکہ اور متصرفہ تھیں، جس طرح چاہتیں صرف کرتیں۔ جب مولانا کو کتابوں کی خریداری کے لیے کسی غیر معمولی رقم کی ضرورت پڑتی

تو والدہ ماجدہ کی خدمت میں درخواست کرتے اور اپنی ضرورت بتاتے، وہ اجازت دیتیں اور درخواست منظور کرتیں تو کتابیں منگواتے۔(5)

احترام والدہ کا ایک اور بے مثال واقعہ پیشِ خدمت ہے۔ حضرت مولانا حسنین رضا خاں تحریر فرماتے ہیں:

اعلیٰ حضرت قبلہ حضرت حجۃ الاسلام کو گھر کے دالان میں پڑھانے بیٹھے، وہ پچھلا سبق سُن کر آگے سبق دیتے تھے۔ پچھلا سبق جو سُنا تو وہ یاد نہ تھا، اِس پر اُن کو سزا دی۔ اعلیٰ حضرت کی والدہ محترمہ جو دوسرے دالان کے کسی گوشے میں تشریف فرما تھیں اُنھیں کسی طرح اِس کی خبر ہوگئی۔ وہ حجۃ الاسلام کو بہت چاہتی تھیں، غصّہ میں بھری ہوئی آئیں اور اعلیٰ حضرت قبلہ کی پشت پر ایک دوہتڑ (دونوں ہاتھوں سے تھپڑ) مارا اور فرمایا: ''تم میرے حامد کو مارتے ہو؟'' اعلیٰ حضرت فوراً جھک کر کھڑے ہوگئے اور اپنی والدہ محترمہ سے عرض کیا کہ:

اماّں! اور ماریئے۔ جب تک آپ کا غصّہ فرو نہ ہو۔''

یہ کہنے کے بعد اُنھوں نے ایک دوہتڑ مارا۔ اعلیٰ حضرت سر جھکائے کھڑے رہے، یہاں تک کہ وہ خود واپس تشریف لے گئیں۔ اس وقت تو جو غصّہ ہونا تھا ہوگیا، مگر اس واقعہ کا ذکر جب کرتیں تو آب دیدہ ہو کر فرماتیں کہ: ''دوہتڑ مارنے سے پہلے میرے ہاتھ کیوں نہ ٹوٹ گئے کہ ایسے مطیع و فرماں بردار بیٹے کو، جس نے خود کو پٹنے کے لیے پیش کر دیا، دوسرا ہنٹر کیسے مارا۔''(6)

غریبوں کی اِمداد اور اِعانت:

اعلیٰ حضرت کی زندگی غربا پروری اور اُن کی امداد و اعانت سے عبارت تھی۔ آپ بلاتردّد اہلِ ضرورت کی امداد فرمایا کرتے تھے۔ آپ اپنی نجی ضرورت کی چیزیں بھی ضرورت

مندوں کو دینے سے گریز نہیں فرمایا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں چند واقعات ہدیۂ قارئین ہیں۔ پڑھیے اور سبق حاصل کیجیے!

جناب ذکاء اللہ خاں صاحب کا بیان ہے کہ سردی کا موسم تھا۔ بعد نمازِ مغرب اعلیٰ حضرت حسبِ معمول پھاٹک میں تشریف لا کر سب لوگوں کو رخصت کر رہے تھے۔ خادم کو دیکھ کر فرمایا: ''آپ کے پاس رضائی (لحاف) نہیں ہے؟''میں خاموش ہو رہا۔ اُس وقت اعلیٰ حضرت جو رضائی اوڑھے ہوئے تھے، وہ خادم کو دے کر فرمایا کہ ''اِسے اوڑھ لیجیے۔'' خادم نے بصد ادب و احترام قدم بوسی کی سعادت حاصل کی اور فرمانِ مبارک کی تعمیل کرتے ہوئے وہ رضائی اوڑھ لی۔(7)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ پیش خدمت ہے، جو مذکورہ بالا واقعہ کے بعد درپیش ہوا۔

اس واقعہ کے دو تین روز بعد اعلیٰ حضرت کے لیے ایک نئی رضائی تیار ہو کر آ گئی۔ اِسے اوڑھتے ہوئے ابھی چند ہی روز گزرے تھے کہ ایک رات مسجد میں کوئی مسافر آیا، جس نے اعلیٰ حضرت سے گزارش کی کہ میرے پاس اوڑھنے کے لیے کچھ نہیں ہے، آپ نے وہ نئی رضائی اُس مسافر کو عطا فرما دی۔(8)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی سخاوت اور غربا پروری کی گرد و نواح میں بڑی دھوم تھی۔ اس سلسلے میں علامہ بدر الدین احمد قادری رقم فرماتے ہیں:

> ''کاشانۂ اقدس سے کوئی سائل خالی واپس نہ ہوتا۔ بیوگان کی اِمداد اور ضرورت مندوں کی حاجت روائی کے لیے آپ کی جانب سے ماہ وار رقمیں مقرر تھیں اور یہ اِمداد صرف مقامی لوگوں کے لیے ہی نہ تھی، بلکہ بیرون جات میں بذریعہ منی آرڈر اِمدادی رقم روانہ فرمایا کرتے تھے۔''(9)

بیرون ملک کے لوگوں کی امداد کے سلسلے میں ایک ایمان افروز واقعہ پیش خدمت ہے۔

ایک دفعہ مدینہ طیبہ سے ایک شخص نے پچاس روپے طلب کیے، لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ اس وقت اعلیٰ حضرت کے پاس ایک روپیہ بھی نہیں تھا۔ اعلیٰ حضرت نے بارگاہِ رسالت میں التجا کی کہ:

''حضور! میں نے کچھ بندگان خدا کے مہینے (ماہوار وظیفے) آپ کی عنایت کے بھروسے پر اپنے ذمے مقرر کر لیے ہیں۔ اگر کل پچاس روپے کا منی آرڈر کر دیا گیا تو بروقت ہوائی ڈاک سے پہنچے گا۔''

یہ رات آپ نے بڑی بے چینی سے گزاری۔ علی الصبح ایک سیٹھ صاحب حاضر بارگاہ ہوئے اور مولوی حسنین رضا خان صاحب کے ذریعہ مبلغ اِکاون روپے بطور نذرانۂ عقیدت حاضر خدمت کیے۔ جب مولوی صاحب موصوف نے اکاون روپے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں جا کر پیش کیے تو آپ پر رقت طاری ہو گئی اور مذکورہ بالا ضرورت کا انکشاف فرمایا۔ ارشاد ہوا:

'' یہ یقیناً سرکاری عطیہ ہے؛ اس لیے کہ اکاون روپے کے کوئی معنیٰ نہیں سوائے اِس کے کہ پچاس روپے بھیجنے کے لیے فیس منی آرڈر بھی تو چاہیے۔''

چنانچہ اُسی وقت منی آرڈر کا فارم بھرا گیا اور ڈاک خانہ کھلتے ہی منی آرڈر روانہ کر دیا گیا۔ (10)

اللہ اللہ! غربا و مساکین کی امداد و اعانت کے ایسے واقعات و معاملات کم ہی دیکھنے کو ملیں گے، مگر اعلیٰ حضرت نے زندگی بھر محتاجوں کی دادرسی فرمائی اور ایسے ذرائع اختیار کیے جو عام لوگوں کے ذہن سے بالاتر ہیں۔

خیر یہ تو آپ کی حیاتِ طیبہ کے معمولات ہیں۔ وصال فرمانے سے پہلے آپ نے

جو وصیت نامہ تحریر کروایا، اس میں بھی غریبوں کی امداد و اعانت اور دادرسی کا خاص حکم فرمایا۔ افرادِ خانہ سے آپ نے فرمایا کہ میرے وصال کے بعد میرے ایصالِ ثواب کے لیے بطورِ خاص غریبوں کی امداد کرنا اور اُن کی خاطر مدارات کرنا۔ وصیت نامہ کے الفاظ حضرت مولانا حسنین رضا خاں صاحب کی زبانی کچھ اس طرح ہیں:

''فاتحہ کے کھانے سے اغنیا کو کچھ نہ دیا جائے، صرف فقرا کو دیں اور وہ بھی اِعزاز اور خاطر داری کے ساتھ، نہ جھڑک کر، غرض کوئی بات خلافِ سنّت نہ ہو۔ اعزّہ سے اگر بطیب خاطر ممکن ہو تو فاتحہ میں ہفتہ میں دو تین بار ان اشیاء میں سے کچھ بھیج دیا کریں۔ دودھ کا برف خانہ ساز اگرچہ بھینس کے دودھ کا ہو، مرغ کی بریانی، مرغ پلاؤ خواہ بکری کا، شامی کباب، پراٹھے اور بالائی، فیرینی، اُرد کی پھریری، دال مع ادرک و لوازم، گوشت بھری کچوریاں، سیب کا پانی، انار کا پانی، سوڈے کی بوتل، دودھ کا برف، اگر روزانہ ایک چیز ہو سکے یوں کر دیا کرو جیسے مناسب جانو، مگر بطیب خاطر، میرے لکھنے پر مجبور نہ ہو۔'' (11)

غریبوں کی دل جوئی:

حضور نبی اکرم ﷺ غریبوں کا اِعزاز فرمایا کرتے تھے اور اُن کی دل جوئی کا خاص خیال فرماتے تھے۔ سرکارِ رسالت مآب ﷺ کی اسی سنّتِ مبارکہ و عادتِ کریمہ کا عکس سیّدی اعلیٰ حضرت میں نظر آتا تھا۔ آپ غریبوں کی اِمداد و اِعانت فرماتے اور اُنھیں خاص اہمیت دیتے تھے۔ اگر کوئی غریب عدم استطاعت کے باوجود آپ کی دعوت کرتا تو آپ محض اُن کی دل جوئی کے لیے دعوت قبول فرمالیا کرتے تھے۔ اِس ضمن میں دو واقعات ہدیۂ قارئین ہیں:

ایک صاحب تشریف لائے اور اعلیٰ حضرت اور اُن کے بعض ساتھیوں کی دعوت کر کے چلے گئے۔ دوسرے دن گاڑی آ گئی۔ اعلیٰ حضرت کے ساتھ اُس روز مولانا ظفر الدین صاحب بھی تھے۔ مکان پہ گاڑی پہنچی تو میزبان بھی منتظر ملے، گاڑی سے اُتارا اور اپنے مکان میں چارپائی پر لے جا کر بٹھا دیا۔ ہاتھ دُھلانے کے بعد ڈھلیا (ٹوکری) میں روٹیاں اور رکابیوں میں گائے کے گوشت کا قیمہ رکھ دیا۔ کھانا شروع ہوا، مولانا ظفر الدین صاحب کو خیال آیا کہ اعلیٰ حضرت قبلہ تو گائے کا گوشت نہیں کھاتے؛ اُن کے لیے سخت مضر ہے۔ اگر گوشت شوربے کا پکاتے تو اعلیٰ حضرت شوربہ کھا لیتے اور قیمہ میں بلا گوشت کھائے چارہ ہی نہیں۔ (مولانا) اسی خیال میں اُلجھے ہوئے تھے کہ اعلیٰ حضرت قبلہ نے از خود فرمایا:

''مولانا! ایک دعا حدیث شریف میں وارد ہے کہ مسلمان اگر پڑھ کر جو کچھ کھائے وہ کھانا ہرگز ضرر نہ دے گا۔ وہ دعا یہ ہے: بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَایَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَیْءٌ فِی الْأَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ.''

مولانا سمجھ گئے کہ میرے دل کے خطرے کا جواب دے دیا ہے اور اس دعا کی بھی تعلیم فرمائی ہے۔ (12)

اسی قسم کا ایک اور واقعہ پیش خدمت ہے جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ محض دل جوئی کے لیے غریبوں کی دعوت قبول فرما لیا کرتے تھے اور ان کے یہاں خلافِ معمول وطبیعت غذا کھانے سے بھی گریز نہیں کیا کرتے تھے۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک کمسن بچے نے خدمتِ عالیہ میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ کل آپ کی میرے گھر دعوت ہے۔ والدہ نے آپ کو کھانے پہ بلایا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے بچے کی دعوت قبول فرما لی اور حاجی کفایت اللہ صاحب سے فرمایا: وہ اچھی طرح بچے کے گھر کا پتہ دریافت کر لیں؛ تا کہ وقتِ مقررہ پر

آسانی سے گھر پہنچا جا سکے۔ اس کے بعد کا معاملہ حضرت مولانا حسنین رضا خاں صاحب کی زبانی کچھ یوں ہے:

(اعلیٰ حضرت) جس وقت اُن کے مکان پہ پہنچے تو صاحب زادے اپنے دروازے پر کھڑے انتظار کر رہے تھے۔ اعلیٰ حضرت کو دیکھتے ہی یہ کہتے ہوئے اندر کو بھاگے: ''ارے مولوی صاحب آ گئے۔'' اُن کے دروازے پر ایک چھپّر پڑا تھا، جس کے سایے میں اعلیٰ حضرت اور حاجی کفایت اللہ صاحب کچھ دیر منتظر کھڑے رہے۔ اس کے بعد ایک بوسیدہ چٹائی آئی اور ایک ڈھلیا (ٹوکری) میں باجرہ کی گرم گرم روٹیاں آئیں، مٹّی کی رکابی میں ماش کی دال آئی جس میں مرچوں کے ٹکڑے ٹوٹے ہوئے پڑے تھے۔ یہ رکھ کر صاحب زادے نے کھانے کو کہا۔ فرمایا:

ہاتھ دھونے کے لیے پانی تو لائیے، وہ پانی لینے مکان میں گئے، حاجی صاحب نے یہ عرض کیا: یہ مکان تو نقارچی (نقارہ بجانے والے) کا ہے۔ اعلیٰ حضرت قبلہ نے ان سے کبیدہ خاطر ہو کر فرمایا: ''ابھی سے کیوں کہہ دیا؟ کھانے کے بعد کہتے۔''

اتنے میں صاحب زادے پانی لے کر آ گئے۔ آپ نے اُن سے پہلا سوال یہ کیا کہ آپ کے والد کہاں ہیں اور کیا کام کرتے ہیں؟ پردے کی آڑ سے اُن کی ماں نے عرض کیا کہ میرے شوہر کا انتقال ہو گیا ہے۔ وہ پہلے نوبت بجاتے تھے، اِس کے بعد انھوں نے توبہ کر لی تھی اور اب تو کمانے والا صرف یہ لڑکا ہے۔ جو راجوں کے ساتھ مزدوری کرتا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے خدا کا شکر ادا کیا اور ان لوگوں کے لیے دعائے خیر و برکت فرمائی۔ (13)

دورِ حاضر کے علماء و مشائخ خاص طور پر اِن واقعات سے عبرت حاصل کریں، جو دولت مندوں کے یہاں تو خوب دعوت کھاتے ہیں لیکن اگر کوئی غریب انھیں اپنے گھر

دعوت دے تو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

دنیا سے بے رغبتی:

اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں مال کو فتنہ قرار دیا ہے اور سرکارِ دو عالم ﷺ نے دنیا کی محبت کو تمام بُرائیوں کی جڑ قرار دیا ہے۔ بایں سبب سرکار اعلیٰ حضرت مال و دولت اور دنیاوی جاہ و اقتدار سے کوسوں دور رہتے تھے، نہ تو از خود آپ نے اِن چیزوں کی طلب فرمائی اور نہ ہی کسی دوسرے کے دینے سے آپ نے لینا گوارا فرمایا۔

حضرت سیف الاسلام مولانا منور حسین، جنھوں نے کئی سال بریلی شریف میں گزارے ہیں اور حضور حجۃ الاسلام علیہ الرحمۃ کی صحبت بھی پائی ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں:

میں نے سوداگری محلے کے کئی بزرگوں سے سنا کہ نظام حیدر آباد، دکن نے کئی بار لکھا کہ حضور کبھی میرے یہاں تشریف لا کر ممنون فرمائیں یا مجھے ہی نیاز کا موقع عنایت فرمائیں۔ تو آپ نے جواب دیا کہ:

''میرے پاس اللہ تعالیٰ کا عنایت فرمایا ہوا وقت اُسی کی اطاعت کے لیے ہے۔ میں آپ کی آؤ بھگت کا وقت کہاں سے لاؤں؟'' (14)

یہ امر واقعی ہے کہ جس ذات نے خداوند قدوس کی خوشنودی اور دین متین کی خدمت کو اپنا مطمحِ نظر بنالیا ہو اُسے کسی والیٔ ریاست کی بارگاہ میں حاضری کی کیا حاجت۔ خیر یہ تو اعلیٰ حضرت کا عمل ہے، آپ کے خلفِ اکبر کا عمل ملاحظہ ہو۔ حضرت سیف اللہ مولانا منور حسین تحریر کرتے ہیں:

حضرت مولانا حامد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ، جن سے مجھے چند دن فیض حاصل کرنے

کا موقع ملا، بڑے حسین و جمیل، بڑے عالم اور بے انتہا خوش اخلاق تھے۔ اُن کی خدمت میں بھی نظام حیدر آباد نے دار الافتاء کی نظامت کی درخواست کی اور اِس سلسلے میں کافی دولت کا لالچ دلایا، تو آپ نے فرمایا کہ:

''میں جس دروازۂ کریم کا فقیر ہوں، میرے لیے وہی کافی ہے۔'' (15)

مذکورہ بالا دونوں واقعات سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ آپ اور آپ کے اہلِ خانہ، دنیاوی جاہ و حشمت اور مال و زر کے حصول سے کوسوں دور تھے۔ اس سلسلے میں مزید دو واقعات ہدیۂ قارئین ہیں:

ایک مرتبہ نواب رام پور نینی تال جا رہے تھے۔ اسپیشل بریلی شریف پہنچے تو حضرت شاہ مہدی حسن میاں صاحب نے اپنے نام سے ڈیڑھ ہزار کے نوٹ ریاست مدار المہام کی معرفت بطور نذرانہ اسٹیشن سے حضور کی خدمت میں بھیجے اور والیٔ ریاست کی جانب سے مستدعی ہوتے ہیں کہ ملاقات کا موقع دیا جائے۔ حضور کو مدار المہام صاحب کے آنے کی خبر ہوئی تو اندر سے دروازہ کی چوکھٹ پر کھڑے مدار المہام صاحب سے فرمایا کہ:

''میاں کو میرا اسلام عرض کیجیے گا اور یہ کہیے گا: یہ اُلٹی نذر کیسی؟ مجھے میاں کی خدمت میں نذر پیش کرنا چاہیے نہ کہ میاں مجھے نذر دیں۔ یہ ڈیڑھ ہزار ہوں یا جتنے ہوں، واپس لے جائیے۔ فقیر کا مکان نہ اس قابل کہ کسی والیٔ ریاست کو بلا سکوں اور نہ میں والیانِ ریاست کے آداب سے واقف کہ خود جا سکوں۔'' (16)

اسی قسم کا ایک واقعہ نواب حامد علی خاں صاحب کا بھی جو افادہ کے لیے ہدیۂ قارئین ہے:

نواب حامد علی خاں صاحب کے متعلق معلوم ہوا کہ کئی بار اُنھوں نے اعلیٰ حضرت کو لکھا کہ حضور رام پور تشریف لائیں تو میں بہت ہی خوش ہوں گا، اگر یہ ممکن نہ ہو تو مجھی کو

زیارت کا موقع دیجیے۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ:

''چونکہ آپ صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مخالف شیعوں کے طرف دار اور اُن کی تعزیہ داری اور ماتم وغیرہ کی بدعادات (بری عادات) میں معاون ہیں؛ لہٰذا میں نہ آپ کو دیکھنا جائز سمجھتا ہوں، نہ اپنی صورت دکھانا ہی پسند کرتا ہوں۔'' (17)

مذکورہ بالا واقعے سے ہمارے علماء اور مشائخ کو عبرت حاصل کرنی چاہیے اور صاحبانِ ثروت و امارت کی دعوت قبول کرتے ہوئے اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ کہیں یہ اللہ اور اس کے رسول یا صحابہ اور بزرگانِ دین کا گستاخ تو نہیں۔

اخوتِ اسلامی اور مساوات کی پاس داری:

اعلیٰ حضرت شریعت وسنّت کے سچے ترجمان تھے۔ آپ فرمانِ قرآن: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ کے سبب تمام مسلمانوں کو بھائی کی حیثیت سے دیکھا کرتے تھے، ہر ایک کے ساتھ اخوت ومحبت کا معاملہ فرماتے۔ اس سلسلے میں ایک ایمان افروز واقعہ ہدیۂ قارئین ہے:

ایک صاحب خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا کرتے تھے، اعلیٰ حضرت بھی کبھی کبھی اُن کے یہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور اُن کے یہاں تشریف فرما تھے کہ اُن کے محلے کا ایک بے چارہ غریب مسلمان ٹوٹی ہوئی پرانی چارپائی پر، جو صحن کے کنارے پر پڑی ہوئی تھی، جھجکتے ہوئے بیٹھا ہی تھا کہ صاحبِ خانہ نے نہایت کڑے تیوروں سے اس کی طرف دیکھنا شروع کیا، یہاں تک کہ وہ ندامت سے سر جھکائے اُٹھ کر چلا گیا۔ حضور کو صاحبِ خانہ کی اس مغرورانہ روش سے سخت تکلیف پہنچی مگر کچھ فرمایا نہیں۔ کچھ دنوں کے بعد وہ حضور کے یہاں آئے، حضور نے اپنی چارپائی پہ جگہ دی۔ وہ بیٹھے ہی تھے کہ اتنے میں کریم

بخش حجام، حضور کا خط بنانے کے لیے آئے، وہ اس فکر میں تھے کہ کہاں بیٹھوں؟ آپ نے فرمایا کہ بھائی کریم بخش! کھڑے کیوں ہو؟ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اور ان صاحب کے برابر بیٹھنے کا اِشارہ فرمایا۔ وہ بیٹھ گئے۔ پھر تو اُن صاحب کے غصے کی یہ کیفیت تھی کہ جیسے سانپ پھنکاریں مارتا ہے اور فوراً اُٹھ کر چلے گئے، پھر کبھی نہ آئے۔ خلافِ معمول جب عرصہ گزر گیا تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ:

''اب فلاں صاحب تشریف نہیں لاتے ہیں۔ پھر خود ہی فرمایا: میں بھی ایسے متکبر اور مغرور شخص سے ملنا نہیں چاہتا۔''(18)

حوالہ جات

1) حیاتِ اعلیٰ حضرت، از: ملک العلما ظفر الدین بہاری، ص:۱۱۳، مطبوعہ اکبر بک سیلرز، لاہور

2) مجددِ اسلام، از: مولانا محمد صابر نسیم بستوی، ص۱۶۲

3) حیاتِ اعلیٰ حضرت، ص:۱۱۵ 4) ایضاً، ص:۱۱۵ 5) ایضاً، ص:۳۷

6) سیرتِ اعلیٰ حضرت از: مولانا حسنین رضا خان، ص:۹۱، مطبوعہ بزم قاسمی برکاتی، کراچی

7) حیاتِ اعلیٰ حضرت، ص:۸۸ 8) ایضاً، ص:۸۸

9) سوانحِ اعلیٰ حضرت، از: علامہ بدر الدین احمد قادری، ص:۹۰

10) حیاتِ اعلیٰ حضرت، ص:۹۱ 11) وصایا شریف، ص:۱۶۔۱۷ انوار القادریہ، کراچی

12) سیرتِ اعلیٰ حضرت، ص:۹۳، ۹۴ 13) سیرتِ اعلیٰ حضرت، ص:۹۲

14) تصویت الایمان، از: مولانا منور حسین، ص:۶۹

15) تصویت الایمان، ص:۶۹

16) حیاتِ اعلیٰ حضرت، ص:۱۹۴ 17) تصویت الایمان، ص۷۰

18) حیاتِ اعلیٰ حضرت، ص:۷۷

امام احمد رضا بریلوی ایک محتاط مُصلح و مبلّغ

تحریر: شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد صدیق ہزاروی سعیدی

علوم وفنون کا ہمالہ، شریعت وطریقت کا امام تحریکِ تجدیدِ عشقِ رسالت کا نامور قائد اور صائب الرائے سیاستدان، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ حکیم الامت علامہ اقبال کے اِس شعر کے مصداق تھے:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

آپ جس دور میں جلوہ گر ہوئے اُن دنوں بد اعتقادی، گمراہی، دجل وفریب اور مکارانہ سیاست نے برصغیر پاک و ہند کی فضا کو مسموم کر رکھا تھا، اِس پر طرہ یہ کہ اِن تمام خرابیوں کے ذمہ دار وہ لوگ تھے جو قوم کی دینی ومذہبی قیادت کے دعویدار تھے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے ایک سچے مبلغ و مصلح کی حیثیت سے اُن لوگوں کو اوّلاً بار بار تنبیہ کی اور راہِ حق کی طرف بلایا، لیکن جب دیکھا کہ وہ اپنے خودساختہ مسلک ومشرب سے رجوع کرنے والے نہیں تو آپ نے اُن کا تعاقب کیا اور اُمت مسلمہ کو اُن کے دجل وفریب سے آگاہ کیا۔

حقیقت پسندی کا تقاضا تو یہ تھا کہ فاضل بریلی جیسے عظیم محسن کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اُن کی مومنانہ بصیرت کو خراج تحسین پیش کیا جاتا اور اُن کی تعلیماتِ جلیلہ سے اِستفادہ کیا جاتا، لیکن بُرا ہو شخصیت پرستی کا جس نے انسان کو اندھا اور بہرہ کر رکھا ہے، ملت اسلامیہ کا یہ بطل جلیل اندھی تقلید کی بھینٹ چڑھا دیا گیا اور نہ صرف یہ کہ اُس کی دینی وملی

خدمات، بغض وعداوت کی تہوں کی نیچے دب کے رہ گئیں، بلکہ اُنھیں ''مُکَفِّرِ مسلمین''، ''تکفیر وتفسیق میں عجلت پسند''، ''بے باک''، ''ہٹ دھرم''، ''ضدی'' اور ''سخت گیر'' قسم کے القابات سے نوازا جانے لگا۔

کیا واقعی امام احمد رضا خاں قدس سرہٗ پر یہ الزامات صحیح ہیں؟ اِس بات کا جائزہ لینے کے لیے تفصیلی بحث سے قبل درج ذیل بنیادی اُمور کو ذہن نشین کر لینا از بس ضروری ہے:

۱۔ اسلام کے عظیم مفتی اور مبلغ کی حیثیت سے اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہٗ کو کیا اندازِ تبلیغ اختیار کرنا چاہیے تھا اور آپ کس طریق کار پر عمل پیرا ہوئے؟

۲۔ اِس ضمن میں ہمارے اسلاف (صحابہ کرام، تابعین اور بعد کے علماء و مشائخ) نے کون سی راہ اختیار کی؟ اور کیا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ اس طریق سے ہٹے ہوئے تھے؟

۳۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ نے جن لوگوں کا تعاقب کیا اور ان کے خلاف فتویٰ دیا، اُن کا جرم کس نوعیت کا تھا؟ اور از روئے شریعت اسلامیہ ایسے مجرم سے متعلق عامۃ المسلمین کا بالعموم اور مبلغین و مفتیان کرام کا بالخصوص کیا رویہ ہونا چاہیے؟

۴۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ پر شدت اختیار کرنے اور تکفیر و تفسیق میں عجلت پسندی سے کام لینے کا اِلزام دھرنے والے خود اور اُن کے اکابر کسی کو کافر، مشرک اور بدعتی قرار دینے میں کس قدر مستعد تھے اور ہیں؟

۵۔ فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے جن باتوں پر گرفت فرمائی اُن میں اور اُن باتوں میں کس قدر فرق ہے جن پر آپ کے مخالفین نے فتویٰ بازی کی ہے؟

قرآن پاک کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تبلیغ دین کے لیے حکمت وموعظت سے بھرپور دعوت اور بحث میں احسن طریقہ اختیار کرنا نہایت ضروری ہے۔

(سورۂ نحل: آیت: 135)

چنانچہ اللہ پاک اپنے محبوب نبی ﷺ سے فرماتا ہے:

تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب! تم اُن کے لیے نرم دل ہوئے اور اگر تُند مزاج، سخت دل ہوتے تو وہ ضرور تمھارے گرد سے پریشان ہو جاتے۔

(سورۂ آل عمران: آیت 159)

ایک مبلغ و مفتی کے لیے اِحقاقِ حق اور ابطالِ باطل اولین فریضہ ہے اور اِس ضمن میں مجرم کی ناپسندیدگی یا ملامت کرنے والوں کی ملامت کا خوف قطعاً سدِّ راہ نہیں ہونا چاہیے۔ حق کو واضح کرنا خود صفاتِ الٰہیہ میں سے ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اور اللہ اپنی باتوں سے حق کو حق کر دکھاتا ہے اگرچہ برا مانیں مجرم۔

(سورۂ یونس: آیت 82)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منکرین زکوٰۃ سے جہاد کرنا، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نبی کریم ﷺ کا فیصلہ تسلیم نہ کرنے والے (بظاہر مسلمان) منافق کی گردن قلم کر دینا، حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلمۂ حق کہتے ہوئے کوڑے کھانا، امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا طوق و سلاسل کی دھمکیوں کے باوجود کلمۂ حق بلند کرنا اور اکابرِ اسلام کی اِس جیسی بے شمار مثالیں، جو تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں، اِس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ وضاحت و اِعلانِ حق کے سلسلے میں کسی قسم کی رُو رِعایت یا خوف جائز نہیں۔

اِس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تبلیغ دین کے سلسلے میں جہاں حکمت و موعظت کی پالیسی اختیار کرنا ضروری ہے وہاں اِحقاقِ حق اور اِبطالِ باطل کا فریضہ ادا کرنا بھی نہایت ناگزیر ہے۔ جس طرح راہِ حق کی طرف بلاتے ہوئے تُرش روئی کا انداز اختیار کرنا بداخلاقی ہے اِسی طرح باطل کا رَدّ نہ کر کے عامۃ المسلمین کو اندھیرے میں رکھنا اور بھولی بھالی بھیڑوں

کو بھیڑیوں کا لقمۂ تر بننے کے لیے چھوڑ دینا بھی نہایت گھناؤنا جرم، مداہنت و منافقت اور بداخلاقی ہے۔

اِس اصول وضابطہ کی روشنی میں جب ہم اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے طریقۂ تبلیغ کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں کہیں بھی قرآن وسنت کے سکھائے ہوئے اور اکابر اسلام کے اپنائے ہوئے اندازِ تبلیغ اور فاضل بریلوی قدس سرہٗ کے مسلک میں تفاوت کی بُو تک نہیں آتی۔ جہاں تک آپ کی مبنی بر حکمت وموعظت تبلیغ کا تعلق ہے، اِس ضمن میں صرف ایک واقعہ پیش کر دینا کافی ہوگا۔

ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ غیب سے متعلق سوال کرتے ہوئے کہنے لگا: ''میں یہ بات نہیں مانتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دل کی باتیں جانتے ہیں۔'' سائل کے سوال پر آپ چیں بجبیں نہ ہوئے، غم وغصہ کا اظہار نہ کیا، اپنی محفل سے دھتکار نہ دیا، بلکہ نہایت شفقت سے اُسے مسئلہ غیب سمجھایا اور قرآن وسنت سے دلائل بھی بتادیے۔ چند دن بعد وہ حافظ صاحب حاضر ہوئے جو اِس شخص کو لے کر آئے تھے۔ عرض کرنے لگے:

حضور! جب وہ شخص یہاں سے گیا تو راستہ ہی میں کہنے لگا کہ اعلیٰ حضرت مدظلہٗ کی باتیں میرے دل نے قبول کیں اور اِن شاء اللہ اب میں ان کا مرید ہوں۔

آپ نے فرمایا:

''دیکھو نرمی کے جو فوائد ہیں وہ سختی سے ہرگز حاصل نہیں ہو سکتے۔ اگر اس شخص سے سختی برتی جاتی تو ہرگز یہ بات نہ ہوتی۔ جن لوگوں کے عقائد مُذَبْذَب ہوں اُن سے نرمی برتی جائے تاکہ وہ ٹھیک ہو جائیں۔'' (ملفوظات، حصہ اول، صفحہ:۴۱)

آپ نے جہاں مذبذبین کے ساتھ نرمی کا سلوک کیا وہاں احقاقِ حق کا فریضہ بھی باحسن وجوہ انجام دیا اور یہی وہ بات ہے جسے مخالفین نے سر پر اُٹھا رکھا ہے اور آپ کو ''مُکَفِّرِ مسلمین'' یا ''تکفیر و تفسیق میں عجلت پسندی'' کا طعنہ مسلسل دیا جا رہا ہے؛ تا کہ عوام کے اذہان میں اُلجھاؤ پیدا کر کے اپنے کردار کو مستور رکھا جائے۔

حضرت مولانا احمد رضا خاں نے ''براہین قاطعہ''، ''حفظ الایمان'' وغیرہ کتابوں کی جن عبارات پر فتوی دیا، اُس میں بھی حزم و احتیاط سے کام لیا۔

مولانا مرتضیٰ حسن در بھنگی ناظمِ اعلیٰ دار العلوم دیوبند نے اعلیٰ حضرت کے فتاوی کے بارے میں جو رائے دی ہے وہ قابلِ غور ہے، لکھتے ہیں:

''اگر مولانا احمد رضا خاں صاحب کے نزدیک بعض علمائے دیوبند واقعی ایسے ہی تھے جیسا کے اُنھوں نے سمجھا تو خان صاحب پر اِن علمائے دیوبند کی تکفیر فرض تھی۔ اگر وہ اُن کو کافر نہ کہتے تو خود کافر ہو جاتے۔'' (اشد العذاب، ص:14)

بعض عبارات جن کی بنا پر حضرت فاضل بریلوی نے اُن کے راقم کو توہینِ رسالت کا مجرم گردانا، اِس معاملے میں اعلیٰ حضرت تنہا نہیں، بلکہ حرمین طیبین کے 37 جلیل القدر علمائے حنفیہ و شافعیہ اُن کے ہم نوا ہیں اور اُن کے کلمۂ حق بلند کرنے کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو حسام الحرمین)

پھر یہی نہیں کہ اعلیٰ حضرت نے عجلت میں کوئی فتوی جڑ دیا ہو، اُن لوگوں کی طرف رجوع نہ کیا ہو یا اُنھیں سوچنے سمجھنے کا موقع نہ دیا ہو، بلکہ آپ نے نہایت حزم و احتیاط سے کام لیا۔ چنانچہ اُن علما سے بار بار مطالبہ کیا جاتا رہا کہ یا تو اِن عبارات کا صحیح محمل بیان کیا جائے یا پھر توبہ کر کے اِن کو قلم زد کیا جائے۔ اِس سلسلے میں رسائل لکھے گئے، خطوط بھیجے گئے

لیکن جب یہ حضرات کسی طرح بھی ٹس سے مس نہ ہوئے تو امام احمد رضا خاں بریلوی نے ''براہین قاطعہ'' کی اِشاعت کے تقریباً سولہ سال بعد اور ''حفظ الایمان'' کی اِشاعت کے قریباً ایک سال بعد ۱۳۲۰ھ میں مذکورہ قائلین کے بارے میں اُن عبارات کی بنا پر فتویٰ کفر صادر کیا۔ (پیرایۂ آغاز حسام الحرمین، از قلم مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری، ص:7)

جس انداز میں فاضل بریلوی نے حزم واحتیاط سے کام لیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ڈاکٹر سید نظیر حسین زیدی لکھتے ہیں:

ہندوستان میں مناظرانہ کتابوں کی اِشاعتِ بے جانے بقول مولانا حالی ہندوستان کی فضا کو متعفن کیا اور اِس طرح ہر لکھنے والے نے اپنے نقطۂ نظر کی اِشاعت کے لیے دوسرے پر لعن طعن کی انتہا کر دی۔ اختلاف، نقطۂ نظر کی اِفہام وتفہیم تک محدود نہ رہے، بلکہ پورے معاشرے کو عصبیّت کی لپیٹ میں لے لیا۔ گویا ''گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل'' کا مسئلہ آن پڑا۔ یہی اسباب تھے جن کی بنا پر تکفیر مسلم میں خود علمائے ہند نے تعجیل کی اور پھر بات اتنی پھیل گئی کہ فتوی کی تحقیق کی طرف کسی کی نظر اُٹھنے نہ پائی، حالانکہ تکفیر مسلم کا مسئلہ بے حد مشکل ہے اور اِس سلسلے میں فاضل بریلوی کا اندازِ فکر بھی صائب، بلکہ قابلِ تقلید ہے: کہ ''ہمارے نزدیک مقامِ احتیاط میں کافر کہنے سے خود کو روکنا مناسب ہے'' اور دوسرے مقام پر اُنھوں نے واضح طور پر فرمایا ہے کہ: ''اقوال کا کفریہ ہونا اور بات ہے اور قائل کو کافر مان لینا اور بات ہے۔ ہم احتیاط برتیں گے، سکوت اختیار کریں گے۔ جب تک ضعیف سے ضعیف احتمال ملے گا، حکمِ کفر جاری کرتے ڈریں گے۔''

(جہانِ رضا، مطبوعہ مرکزی مجلس رضا، لاہور، ص:140، 141)

غزالیٔ دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ تعالیٰ اعلیٰ حضرت کے حزم و

احتیاط کے بارے میں لکھتے ہیں:

میں پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ علمائے بریلی یا اُن کے ہم خیال کسی عالم نے آج تک کسی مسلمان کو کافر نہیں کہا۔ خصوصاً اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں قدس سرہ العزیز تو مسئلہ تکفیر میں اِس قدر محتاط واقع ہوئے تھے کہ امام الطائفہ مولوی اسماعیل دہلوی کے بکثرت اقوال کفریہ نقل کرنے کے باوجود لزوم و التزام کفر کے فرق کو ملحوظ رکھنے، یا امام الطائفہ کی توبہ مشہور ہونے کے باعث از راہِ احتیاط مولوی اسماعیل صاحب کی تکفیر سے کفّ لسان فرمایا، اگر چہ وہ شہرت اِس درجہ کی نہ تھی کہ کفّ لسان کا موجب ہو سکے، لیکن اعلیٰ حضرت نے احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔'' (ملاحظہ ہو الکوکبۃ الشہابیہ، مطبوعہ بریلی، ص: 62)

حیرت ہے ایسے محتاط عالم دین پر تکفیر مسلمین کا الزام عائد کیا جاتا ہے!!

بسوخت عقل زِ حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

مسئلہ تکفیر میں فاضل بریلوی پر جس بہتان تراشی اور سطحیت کا مظاہرہ کیا گیا ہے، اُس کا تذکرہ خود امام موصوف اِن الفاظ میں فرماتے ہیں:

''ناچار عوام مسلمین کو بھڑکانے اور دن دہاڑے اُن پر اندھیری ڈالنے کو یہ چال چلتے ہیں کہ علمائے اہل سنت کی تکفیر کا کیا اعتبار؟ یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر کافر کہہ دیتے ہیں، اِن کی مشین میں ہمیشہ کفر کے فتوے ہی چھپا کرتے ہیں۔ اسماعیل دہلوی کو کافر کہہ دیا، مولوی محمد اسحاق کو کہہ دیا، مولوی عبد الحی کو کہہ دیا۔ پھر جن کی حیا اور بھی بڑھی ہوئی ہے وہ اتنا اور ملاتے ہیں کہ معاذ اللہ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب کو کہہ دیا، حاجی امداد اللہ صاحب کو کہہ دیا، مولانا شاہ فضل الرحمان صاحب

کو کہہ دیا۔ پھر جو پورے ہی حد حیا سے اُونچے گزر گئے وہ یہاں تک بڑھتے ہیں کہ عیاذً اباللہ، عیاذً اباللہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی کو کہہ دیا۔ غرض جسے جس کا زیادہ معتقد پایا اُس کے سامنے اُس کا نام لے دیا کہ اُنھوں نے اِسے کافر کہہ دیا۔ یہاں تک کہ اِن میں بعض بزرگواروں نے مولوی شاہ محمد حسین صاحب الہ آبادی مرحوم ومغفور سے جا کر جڑ دی کہ معاذ اللہ معاذ اللہ معاذ اللہ حضرت شیخ اکبر سیدمحی الدین ابن عربی قدس سرہٗ کو کافر کہہ دیا ہے۔ مولانا کو اللہ تعالیٰ جنت عالیہ عطا فرمائے، اُنھوں نے آیۂ کریمہ: اِن جاء کم فاسقٌ بنبإٍ فتبیّنوا . اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو اُس کی تصدیق کرلو۔ (الحجرات:6) پر عمل فرمایا، خط لکھ کر دریافت فرمایا..........

یہی دشنامی لوگ، جن کے کفر پر اب فتوی دیا، جب تک اُن کی صریح دشنامیوں پر اطلاع نہ تھی، مسئلہ امکانِ کذب پر اُٹھتر (78) وجوہ سے لزوم کفر ثابت کر کے "سبحان السبوح" میں بالآخرص:۸۰، طبع اول پر یہی لکھا کہ:

حاشاللہ، حاشاللہ، ہزار بار حاشاللہ! میں ہرگز اِن کی تکفیر پسند نہیں کرتا"......

مسلمانو! مسلمانو! تمھیں اپنا دین و ایمان اور روزِ قیامت وحضورِ بارگاہِ رحمٰن یاددلا کر استفسار ہے کہ جس بندۂ خدا کی دربارۂ تکفیر یہ شدید احتیاط، یہ جلیل تصریحات، اُس پر تکفیر تکفیر کا اِفترا کتنی بے حیائی، کیسا ظلم، کتنی گھناوَنی ناپاک بات؟..........

یہ بندۂ خدا وہی تو ہے جو خود اِن دشنامیوں کی نسبت اٹھتر وجہ سے بحکم فقہائے کرام لزوم کفر کا ثبوت دے کر یہی لکھ چکا تھا کہ: "ہزار ہزار بار حاشاللہ میں ہرگز اِن کی تکفیر پسند نہیں کرتا۔" جب کیا اُن سے کوئی ملاپ تھا، اب رنجش ہوگئی؟ جب اُن

سے جائداد کی شرکت نہ تھی، اب پیدا ہوئی؟ حاشا اللہ! مسلمانوں کا علاقہ محبت وعداوت صرف محبت وعداوتِ خدا اور رسول ﷺ ہے۔ جب تک اِن دشنام دہوں سے دشنام (گالی / گستاخی) صادر نہ ہوئی یا اللہ و رسول کی جناب میں اُن کی دشنام نہ دیکھی سنی تھی اُس وقت تک کلمہ گوئی کا پاس لازم تھا، غایت احتیاط سے کام لیا، حتیٰ کہ فقہائے کرام کے حکم سے طرح طرح ان پر کفر لازم تھا مگر احتیاطاً اُن کا ساتھ نہ دیا اور متکلمین عظام کا مسلک اختیار کیا۔ جب صاف صریح اِنکارِ ضروریاتِ دین و دشنام رب العالمین وسید المرسلین ﷺ آنکھ سے دیکھی تو اب بے تکفیر چارہ نہ تھا کہ ائمہ دین کی تصریحیں سن چکے: **من شکّ فی عذابہ و کفرہ فقد کفر**، جو ایسے کے معذّب و کافر ہونے میں شک کرے خود کافر ہے۔

(حسام الحرمین، مطبوعہ بریلی، ص: 40 تا 43۔ فتاویٰ رضویہ، ج: 30، ص: 351 تا 357)

تعجب خیز یہ بات ہے کہ فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے فریضۂ احقاقِ حق کی ادائیگی میں کہیں بھی حسنِ اخلاق کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا، نہ بہتان طرازی کی، جب کہ آپ کے مخالفین نے آپ کے بارے میں جو الفاظ استعمال کیے ہیں وہ بعد از تاویلات بھی بازاری زبان ہے، حالانکہ اعلیٰ حضرت کے ہاں کہیں بھی اِس قسم کی بد اخلاقی کا مظاہرہ نہیں کیا گیا۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے گستاخانہ عبارات پر فتوی دیا اور وہ بھی چند شخصیات کے خلاف، لیکن یہاں تو ہر اُس مسلمان کو کافر گردانا جاتا ہے جو اِن حضرات کے خود ساختہ مسلک ومشرب سے گریزاں ہو۔ غیر مقلد عالم مولانا وحید الزمان لکھتے ہیں:

ہمارے بعض متاخرین (حاشیہ پر محمد بن عبد الوہاب اور مولوی اسماعیل دہلوی کا نام ہے) نے شرک کے معاملہ میں بڑا تشدد اختیار کر رکھا ہے اور اسلام کا دائرہ بہت

تنگ کر دیا ہے؛ کہ امور مکروہہ یا محرمہ کو بھی شرک قرار دیا ہے۔

(ہدیۃ المہدی، ص: ۲۷، مطبوعہ دہلی)

قاضی شوکانی کے شاگرد محمد بن ناصر حازمی لکھتے ہیں:

شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دو باتیں ایسی ہیں جو پسند نہیں کی جاتیں: ایک تو یہ کہ اُنھوں نے چند بے اساس اُمور کی بنا پر تمام دنیا کو کافر قرار دیا۔ دوسری زیادتی یہ تھی کہ بلا کسی دلیل و حجت کے اُنھوں نے بے گناہوں کو قتل کرنے کی اِجازت دی۔ چنانچہ شیخ موصوف یہ اعلان کیا کرتے تھے کہ جس نے اللہ کے سوا کسی اور کے سامنے دعا کی یا کسی نبی، بادشاہ اور عالم کو اس کا وسیلہ بنایا تو وہ مجرم ہے۔ اِس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اُنھوں نے روئے زمین کے تمام مسلمانوں کو تکفیر کا نشانہ بنایا۔ چنانچہ جو مسلمان اولیا کے مزارات پر دعا کرتے ہیں اُن کو موصوف نے کافر قرار دیا اور جو ان کے کفر میں شک کرے، شیخ موصوف نے اُن شک کرنے والوں کو بھی کافر ثابت کیا۔ موصوف نے اِس طرح دنیا جہان کے مسلمانوں کو زمرۂ کفار میں داخل کر دیا۔

(شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک، ص:229، 230 بحوالہ وہابی مذہب، ص:167)

اِن عبارات کو سامنے رکھ کر غور کیجیے اور بتایئے کہ کیا اعلیٰ حضرت پر ''سخت گیر''، ''متشدد'' اور ''کافر ساز'' کا پروپیگنڈا درست ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ امام اہل سنت رحمہ اللہ تعالیٰ نے نہایت حزم واحتیاط سے کام لیا اور حق واضح کرنے میں مجاہدانہ کردار ادا کیا۔ یقیناً ان کا یہ عمل بارگاہِ خداوندی میں مقبول ہوا اور آج تعصب کے وہ بادل چھٹ رہے ہیں جنھوں نے اِس جگمگاتے ہوئے سورج کو پس منظر میں رکھنے کی سعی کی تھی۔

اعلیٰ حضرت کی سیاسی بصیرت

تحریر: مولانا سید نور محمد قادری

اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کا شمار اُن نابغۂ روزگار حضرات میں ہوتا ہے، جن کے متعلق علامہ اقبال فرماتے ہیں:

عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات

تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید برون

اِس دانائے راز اور جامع کمالات شخصیت کو خدائے تعالیٰ نے مختلف فنون میں اس قدر دسترس اور جامعیت عطا فرمائی تھی کہ اگر پوری تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا جائے تو بہت کم ایسی ہستیاں ملیں گی جو بیک وقت فقہ، ریاضی، ہیئت، فلکیات، تفسیر و حدیث، شاعری اور سیاست پر عبور تامہ رکھتی ہوں۔

جہاں تک فقہ کے فن شریف کا تعلق ہے ''فتاوی رضویہ'' اُن کے کمال تفقہ پر شاہد عادل ہے۔ اعلیٰ حضرت نے مشکل اور پیچیدہ مسائل کا قرآن و سنت کی روشنی میں اس طرح حل فرمایا ہے کہ اغیار بھی آپ کا لوہا مان گئے ہیں۔

علم ریاضی ہندسہ اور ہیئت کے متعلق صرف اتنا ہی عرض کر دینا کافی ہے کہ ڈاکٹر ضیاء الدین، سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ (جو ان علوم کے جامع اور فاضل تھے)، آپ کے معترف و معتقد تھے۔

نعتیہ شاعری کا تو یہ عالم ہے کہ بقول پروفیسر سلیم چشتی ''برصغیر میں شاید ہی کوئی ایسا عاشق رسول ہو جس کو آپ کے بے مثال قصیدہ: ''مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام'' کے

چند اشعار حفظ نہ ہوں۔"(1)

ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں: "علمائے دین میں نعت نگار کی حیثیت سے سب سے ممتاز نام مولانا احمد رضا خان رضاؔ بریلوی کا ہے۔ اُن کی شاعری کا محور خاص آنحضرت ﷺ کی زندگی و سیرت تھی۔ مولانا صاحبِ شریعت بھی تھے اور صاحبِ طریقت بھی۔ صرف نعت و سلام اور منقبت کہتے تھے اور بڑی دردمندی و دل سوزی کے ساتھ کہتے تھے۔ سادہ و بے تکلّف زبان اور برجستہ و شگفتہ بیان اُن کے کلام کی نمایاں خصوصیات ہیں۔"(2)

اب رہی آپ کی سیاسی بصیرت سو وہ اِس مختصر مقالہ کا عنوان ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ اعلیٰ حضرت کی زندگی کا یہ تابناک پہلو بھی عوام کے سامنے آجائے۔ ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک مسلمان رہنماؤں کا یہ عقیدہ رہا ہے کہ

ع جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اسلام میں دین اور سیاست کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے اور جب کبھی بھی سیاست دین سے بے نیاز ہو کر بے راہ ہوئی ملّتِ اسلامیہ کو نقصان ہی پہنچا اور نیشنلسٹ مسلمانوں نے جو دین اور سیاست کو الگ الگ خانوں میں رکھنے کی کوشش کی، علمائے حق اور دردمند مسلمانوں کے قلوب تڑپ اُٹھے۔ 1935ء میں جب ایک بہت بڑے نیشنلسٹ عالم نے یہ غیر اسلامی نعرہ لگایا کہ "قومیں اوطان سے بنتی ہیں" تو شاعرِ مشرق کا اسلام سے لبریز دل تڑپ اٹھا اور اُنھوں نے اپنے درد بھرے جذبات کا یوں اظہار کیا:

عجم ہنوز نداند رموزِ دیں ورنہ زِ دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است
سرود بر سرِ منبر کہ ملت از وطن است چہ بے خبر زِ مقامِ محمد عربی است

آخر میں صراطِ مستقیم سے ہٹے ہوئے اِس عالم کو تنبیہ کرتے ہیں:

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اُوست　　　اگر بہ اُو نرسیدی تمام بولہبی است (3)

علامہ اقبال جیسے صاحبِ بصیرت نے دیوبند کے اس شیخ الحدیث کے بارے میں 1935ء میں جو کچھ کہا تھا وہی اعلیٰ حضرت کی مومنانہ بصیرت ابوالکلام آزاد کے متعلق اُن سے پندرہ سال پہلے 1920ء میں کہلوا چکی تھی۔

آزاد مگر نہ تو بے شک مشرک　　　وہ مسلے دہی ہے یک مشرک

ز اِسلامت اگر بہرہ بدے میکر دی　　　بر ناخن مسلے فدالک مشرک (4)

اعلیٰ حضرت کے مبارک زمانہ میں جو تحریک بھی عامۃ المسلمین کے مفاد کے خلاف اُٹھی اعلیٰ حضرت اور اُن کے رفقائے کار نے اُس کی بیخ کنی کے لئے سعیِ بلیغ فرمائی۔

دورِ اعلیٰ حضرت کی مشہور تحریکات:

آپ کے زمانہ میں جن تحریکوں نے زیادہ سر اُٹھایا اُن میں سے نمایاں "تحریکِ انسدادِ قربانیِ گاؤ"، "انہدامِ مسجدِ کانپور" اور "تحریکِ عدمِ تعاون" و "تحریک خلافت" ہیں۔ اِن تحریکوں میں مسلمانوں نے اپنی سادگی اور غیروں کے زیرکی کے سبب پایا کم اور کھویا زیادہ۔ اگر ان تمام تحریکات کا تفصیلی جائزہ لیا جائے اور اُن کے ما لہٗ و ما علیہ پر پوری بحث کی جائے تو ضخیم دفتر تیار ہو سکتا ہے جس کی اِس مختصر مقالہ میں گنجائش نہیں۔ فی الحال مسجد کانپور اور ترکِ قربانی کا مختصراً ذکر کیا جاتا ہے اور تحریکِ عدمِ تعاون و خلافت پر تفصیل سے نظر ڈالی جاتی ہے، نیز اس سلسلے میں اعلی حضرت نے عامۃ المسلمین کی راہنمائی اور بہتری کے لیے جو کچھ کیا اُسے تفصیل سے پیش کیا جاتا ہے۔

واقعۂ مسجدِ کانپور:

امپرومنٹ ٹرسٹ کمپنی کانپور نے جب فروری 1913ء کو شہر کی سڑک کشادہ کرنے کے لیے مچھلی بازار کی جامع مسجد کے مشرقی حصہ کو لینے کا فیصلہ کیا تو مسلمانانِ کانپور میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی اور اُنھوں نے جامع مسجد میں ایک جلسہ منعقد کیا جس میں پانچ علما نے، جن میں آزاد سبحانی بھی شامل تھے باضابطہ فتوی بدیں مضمون دیا کہ:

حصۂ زیر بحث یعنی شرقی حصہ (جو مسجد کے غسل خانوں پر مشتمل تھا) مذہباً اور شرعاً جزوِ مسجد اور شامل مسجد ہے۔ شرع اسلام کی رُو سے مسجد یا اُس کے کسی جزو یا حصہ کی بیع یا مبادلہ مجوزہ خلافِ شریعت ہے۔'' (5)

اس فتوے کی موافقت میں علمائے بریلی، بدایوں اور فرنگی محل کی طرف سے بھی فتاوی شائع ہوئے کہ ''مسجد مال وقف ہونے کی وجہ سے بلا معاوضہ یا بالمعاوضہ قابلِ انتقال نہیں۔''

چنانچہ مسلمانوں نے لیفٹینینٹ گورنر صوبہ جات متحدہ اور وائسرائے ہند کو بذریعۂ تار اور میموریل اپنے جذبات سے آگاہ کیا، لیکن اِس کا کوئی اثر نہ ہوا اور 3 جولائی 1913ء کو مسجد کا مذکورہ حصہ سڑک کو کھلا کرنے کے لیے گرادیا گیا۔

اِس سے مسلمانانِ ہند کے مذہبی جذبات بھڑک اُٹھے۔ چنانچہ 3 اگست 1913ء کو مسلمان جوق در جوق مچھلی بازار میں جمع ہوئے اور منہدمہ غسل خانوں کی جو اینٹیں موقع پر موجود تھیں وہ بغیر گارے کے ایک کے اوپر ایک رکھنا شروع کر دیں۔ (6) اِس پر مقامی حکام نے مسلح پولیس کو بلوا کر نہتے مسلمانوں پر فائر کھلوادیا، جس سے بے شمار مسلمان شہید ہو گئے

اور بہت سوں کو گرفتار کر کے جیلوں میں بھر دیا گیا اور اِن پر فوجی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا۔اس پر تمام ہندوستان کے مسلمانوں میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ ہر طرف مسجد کی بازیابی کے لیے جلسے جلوس ہونے لگے۔ مذکورہ منہدمہ جگہ کی بازیابی کے لیے لیڈر، علمائے کرام اور مشائخ عظام میدان میں آ گئے۔

16 اگست 1913ء کو مسلمان معززین کا ایک وفد جس میں مولانا عبد الباری فرنگی محلی، راجہ صاحب محمود آباد، سر رضا علی وغیرہ شامل تھے، لیفٹیننٹ گورنر سے ملا اور اس پر واضح کیا کہ تمام مسجد یکساں طور پر متبرک ومقدس سمجھی جاتی ہے خواہ وہ غسل خانہ ہو سیڑھی یا منبر، اس لیے مسجد کے کسی حصہ پر قبضہ نہیں کیا جا سکتا۔(7) آخر کار 14 اکتوبر کو مولانا عبد الباری، راجہ صاحب محمود آباد اور سر علی امام نے مسلمان قوم کی طرف سے وائسرائے ہند سے چند شرائط پر صلح کر لی، جن میں سے ایک یہ تھی:

چونکہ مسجد کی سطح زمین سے کئی فٹ بلند ہے، اس لیے جس جگہ غسل خانے واقع تھے وہ بدستور قائم کر لیے جائیں گے، لیکن نیچے کی زمین پر فٹ پاتھ بنا دیا جائے گا؛ تاکہ راہ رَو اِس پر سے گزر سکیں۔" (8)

چونکہ مولانا عبد الباری صاحب نے اِسلامی فقہ کے مسلمہ اصول "وقف بالعوض یا بلاعوض قابلِ انتقال نہیں۔" کی صریح خلاف ورزی کی تھی؛ اِس پر علمائے حق کے درد بھرے قلوب تڑپ اُٹھے اور اُن کی طرف سے مولانا موصوف کے اِس فیصلے کی تردید میں کافی رسالے اور کتابیں لکھی گئیں۔ اس تردیدی لٹریچر میں اعلیٰ حضرت کی "اِبانة المتواری فی مصالحة عبد الباری" اور حاجی مقتدا خان شروانی کی "ابلیس کا خطبۂ صدارت" نمایاں حیثیت رکھتی تھیں۔ فاضل بریلوی نے اپنے موقف کے ہر پہلو کو فقہ شریف کی روشنی میں اس

طرح واضح فرمایا کہ مخالفین (مولانا عبدالباری وغیرہم) کے دلائل کی حیثیت پرِ کاہ کے برابر بھی نہ رہی۔ مذکورہ رسالے کے جواب میں مولانا عبدالباری صاحب نے (خدا جانے کس مصلحت کی بنا پر) دفاع کرنے کی ناکام کوشش کی تو اعلیٰ حضرت نے "**قامع الواھیات لجامع الجزئیات**" شائع کر کے مولانا فرنگی محلی کے غلط مفروضے کے تار و پود اِس طرح بکھیر دیے کہ اِس کے بعد مولانا اور اُن کے ہم مسلک کسی عالم یا لیڈر کو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے صحیح موقف سے اختلاف کرنے کی کی جرأت نہ ہوئی اور نہ ہی حکومت برطانیہ کو اِس کے بعد مسلمانوں کے متبرک مقامات کی ہتک کرنے کی ہمت ہوئی۔ اِس طرح اسلامی فقہ کا مذکورہ رکن ہمیشہ کے لیے مصلحت پرستوں کی دستبرد سے محفوظ ہو گیا۔

انسدادِ گاؤ کشی:

مولانا سید سلیمان اشرف (سابق صدر شعبہ اسلامیات علی گڑھ متوفی 1939ء) فرماتے ہیں:

"سن ستاون کا ہنگامہ" (1857ء کی جنگ آزادی) اور "ستارۂ صلاح و فلاحِ مسلمانانِ ہند کا غروب" مفہوم مرادف ہے۔ مسلمانوں کے اِس تنزل سے اُن کی ہمسایہ قوم نے فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کی اور بہت جلد مسلمانوں کے املاک اور دیگر جاہ و عزت کے سامان اہل ہنود کے دستِ تصرف میں آ گئے۔

ہندوؤں کو جب اِس طرف سے ایک گونہ اطمینان پیدا ہو گیا تب اُنھوں نے مسلمانوں کے مذہب پر حملہ آوری شروع کی۔ مظالم و جفا کاری کا ایک کوہِ آتش فشاں تھا، جس سے انواع و اقسام کے شعلے پھوٹ کر نکلتے اور جا بجا مسلمانوں کی عزت و حمیت، اُن

کے حقوق کے ساتھ خاکِ سیاہ کرنا چاہتے تھے۔ یوں تو مسلمانوں کا ہر رکن مذہبی اہلِ ہنود کو چراغ پا کر دینے کا کافی بہانہ تھا، لیکن بقرعید کے موقع پر گائے کی قربانی سے جو تلاطم اور ہیجان اُن میں پیدا ہوتا اُس کا اندازہ کرنا بھی دشوار ہے، لیکن غیرت مند مسلمان اپنے اِس دینی وقار اور مذہبی استحقاق کو قائم رکھنے میں ہمیشہ استقلال و ہمت سے اُن کی ستمگاریوں کی مدافعت کرتے رہے۔ (9)

اہلِ ہنود نے اِس پر بس نہ کی بلکہ ۱۲۹۸ھ میں ایک فتوی، جس میں اِس بات پر زور دیا گیا تھا کہ ''موقعۂ بقرعید، گائے کی قربانی، جب کہ موجبِ فتنہ وفساد ہے اور امن عامہ کی وجہ سے اِس میں خلل آتا ہے، اگر گائے کی قربانی مسلمان موقوف کر دیں تو کیا مضائقہ ہے؟'' مرتب کر کے بنام زید و عمرو مختلف شہروں سے مختلف علمائے کرام کے نام روانہ کیا۔ حضرات علماء کرام نے ہر جگہ اور ہر شہر سے ایک ہی جواب دیا کہ شریعت نے جو اختیار عطا فرمایا ہے اُس سے فائدہ اُٹھانے کا ہمیں حق حاصل ہے۔ خوفِ فتنہ ہو تو حکومت کو متوجہ کرنا چاہیے۔

۱۳۰۰ھ کے لگ بھگ اِس فتنے کو پھر اٹھایا گیا تو مولانا مفتی احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے اس اِستفتا کے جواب میں ایک رسالہ بنام **أنفس الفِکر فی قُربان البقر** تیار کر کے شائع فرمایا، جس سے باطل کی روشن کی ہوئی شمعیں فوراً بجھ گئیں۔ اس کے بعد ہندوؤں نے کئی دفعہ اس فتنے کو اُٹھانے کی کوشش کی، لیکن ہر بار اعلیٰ حضرت کے فتاوی نے اُن کی مذموم کوششوں کو بار آور نہ ہونے دیا۔

خلافت کے زمانے میں انسدادِ قربانئ گاؤ نے شدت سے سر اُٹھایا، اِس دفعہ اہلِ ہنود کے ساتھ مسلمان ہو فروش لیڈر بھی شامل تھے، اُن لوگوں نے اونٹوں پر بیٹھ کر ایسے اشتہاروں

کی اشاعت کی جو گائے کی قربانی کی مخالفت میں تھے، بلکہ حکیم اجمل خان جیسے لیڈر نے محض شہرت عام اور اہلِ ہنود کو خوش کرنے کے لیے حدیث شریف میں تحریف کر ڈالی۔ اعلیٰ حضرت کے معتقدین کی کوششوں سے یہ فتنہ رفع دفع ہو گیا۔ پھر تقسیمِ برصغیر کے زمانے تک یہ فتنہ نہ اُبھرا۔

تحریک عدمِ تعاون وخلافت:

خلافت کمیٹی کی بنیاد آل انڈیا مسلم کانفرنس میں 22 ستمبر 1919ء کو رکھی گئی۔ تحریک خلافت کا مقصد سلطنتِ ترکیہ کی سلامتی اور خلیفہ کی حیثیت سے سلطانِ ترکی کی حاکمیت تسلیم کیا جانا قرار پایا، لیکن حکومت ترکی کو شکست ہوئی اور اُسے معاہدۂ سیورے (TREATY OF SEVREY) ماننے پر مجبور کیا گیا۔ اِس معاہدہ کی شرائط اِس قدر بری اور ذلیل تھیں کہ اِس سے مسلمانانِ ہند کے قلوب کو سخت دھچکا لگا۔(10)

28 مئی 1920ء کو بمبئی میں خلافت کانفرنس کا جلسہ ہوا، جس میں ''عدمِ تعاون'' کے اُصول کو تسلیم کیا گیا اور مسٹر گاندھی کو تحریک عدمِ تعاون کا راہنما قرار دیا گیا۔ یہ تحریک بڑے نیک اور پاکیزہ مقصد لے کر اُٹھی تھی، لیکن اِس کے مسلمان رہنما سحرِ گاندھی سے اِس قدر مسحور ہو گئے کہ ''الکفر ملّة واحدةٌ'' کا سبق بھول گئے اور تحریک کے ذمہ دار افراد سے ایسے ایمان سوز افعال واقوال سرزد ہوئے کہ اُن کے ذکر سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اِن حضرات کے غیر اسلامی افعال واقوال کی تفصیل ''المحجة المؤتمنه'' از اعلیٰ حضرت، ''گاندھی کے نام کھلا خط'' از عبد القدیر بلگرامی، ''تحقیقاتِ قادریہ'' از مولانا جمیل الرحمٰن بریلوی، ''النور'' از سید سلیمان اشرف، ''دوامغ الحمیر'' از مجلس رضا بریلی، ''مسلمانوں کا اِیثار اور جنگِ آزادی'' از خان عبد الوحید خان اور ''فاضل بریلوی اور ترکِ موالات'' از

پروفیسر محمد مسعود احمد میں دیکھی جا سکتی ہے۔

اگر چہ تحریکِ عدم تعاون کے زمانے کو پچاس برس سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے، لیکن اب بھی جب اِن رہبرانِ خود گم کردہ کے افعال و اقوال پر نظر پڑتی ہے تو سر حیا سے نیچے جھک جاتا ہے۔ ان بزرگوں نے نہ صرف اِس پر بس نہ کی بلکہ مشرکوں (ہندو) کے بھرے میں آ کر مسلمانوں کی دو عظیم درس گاہوں ''مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ'' اور ''اسلامیہ کالج، لاہور'' کو تباہ کرنے میں بھی کوئی کسر نہ چھوڑی۔

پہلے اُن کے مشرکانہ اقوال و افعال ملاحظہ فرمایئے! پھر علی گڑھ اور لاہور کالج کی طرف آتے ہیں۔

رسالہ النّاظر کے ایڈیٹر مولانا ظفر الملک نے کہا: ''اگر نبوّت ختم نہ ہوئی ہوتی تو مہاتما گاندھی نبی ہوتے۔''(11)

مولانا شوکت علی فرماتے ہیں: ''زبانی جے پکارنے سے کچھ نہیں ہوتا، اگر تم ہندو بھائیوں کو راضی کرو گے تو خدا راضی ہو گا۔''(12)

پیرِ طریقت حضرت مولانا عبد الباری یوں گوہر افشاں ہوئے: ''اِن (گاندھی) کو اپنا راہنما بنالیا ہے، جو وہ کہتے ہیں وہی مانتا ہوں اور میرا حال تو سرِ دست اِس شعر کے موافق ہے:

عمرے کہ بآیات و احادیث گزشت رفتی و نثارِ بت پرستی کردی(13)

اب رہے چھوٹے بھائی مولانا محمد علی جوہر تو وہ تمام حدود کو پھلانگ گئے اور ایک انگریزی اخبار کے وقائع نگار کو بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر کا نعرہ بلند کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''میں اپنے لیے بعد رسول مقبول ﷺ گاندھی جی ہی کے احکام کی متابعت ضروری سمجھتا ہوں۔''(14)

ان لیڈروں نے اِس پر بس نہ کی بلکہ بقول سابق مرکزی وزیر خان عبد الوحید خان جامع مسجد (دہلی) کے منبر پر شردھانند سے تقریریں کرائی گئیں، ایک ڈولی میں قرآن کریم اور گیتا کو رکھ کر جلوس نکالے گئے، مسلمانوں نے قشقے لگائے، گاندھی جی کی تصویروں اور بتوں کو گھروں میں آویزاں کیا گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کرشن کا خطاب دیا گیا، ''وید'' کو الہامی کتاب تسلیم کیا گیا، گائے کی قربانی کی ممانعت کے فتاوی اُونٹوں کی پشت پر سے تقسیم کیے گئے۔(15)

علمائے حق نے ہادیٔ برحق ﷺ کے لائے ہوئے دین کو اِس طرح بازیچۂ اطفال بنتے دیکھا تو اُن کی ایمانی غیرت بھڑک اُٹھی اور اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کے لائے ہوئے مذہب کو بچانے اور باطل کو سرنگوں کرنے کے لیے میدان میں کود پڑے۔ چنانچہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ نے جہاں ذاتی طور پر اپنے قلم سے اِن ناعاقبت اندیشوں کے کفریہ کلمات و افعال کی تردید کی، وہاں بریلی میں کل ہند مرکزی جماعت رضائے مصطفیٰ قائم کی، جس نے اس سلسلے میں قابل قدر خدمات سرانجام دیں، جن کا مختصر ذکر درج ذیل ہے۔

الطاری الداری لھفوات عبد الباری:

تحریکِ عدم تعاون و خلافت کے لیڈروں میں صرف حضرت مولانا عبد الباری صاحب کی ذاتِ گرامی ہی ایسی تھی جو اسلامی دنیا میں مسلّمہ حیثیت (بطور ایک ماہر اسلامیات اور مذہبی راہنما) رکھتی تھی۔ دوسرے راہنماؤں، مثلاً مولانا شوکت علی، مولانا محمد علی اور ظفر الملک وغیرہ کا شمار نہ تو عالموں میں تھا اور نہ ہی وہ اِسلامی فقہ پر عبور رکھتے تھے؛ اس لئے جب مولانا فرنگی محلی کے غیر محتاط خلافِ اسلام کلمات اور گاندھی پرستی نظر سے گزری تو

مولانا احمد رضا خاں کا دل خون کے آنسو رونے لگا۔آپ نے بذریعہ خط وکتابت متین اور سنجیدہ لہجہ میں اِفہام وتفہیم چاہی، لیکن مولانا عبدالباری پر گاندھی کی عقیدت کا نشہ اِس قدر طاری تھا کہ اعلیٰ حضرت کی یہ مساعی بارآور نہ ہوئیں۔پھر آپ نے مجبور ہوکر "الطاری الداری لھفواتِ عبدالباری" تصنیف فرمائی،جس میں آپ نے ذرا سخت لہجے میں مولانا فرنگی محلی کو حضور پرنور ﷺ کا پیغام سنایا اور بدلائلِ قاہرہ اُن پر واضح کیا کہ آپ جس راہ پر چل رہے ہیں یہ کوئے یار کے بجائے وادیٔ کفر کی طرف جاتی ہے۔آپ نے واضح فرمایا کہ کفر ملت واحد ہے اور اس میں ہندو، سکھ عیسائی کی کوئی تمیز نہیں۔

سلطنت عثمانیہ، مقاماتِ مقدسہ اور خلیفۃ المسلمین کی حاکمیتِ اعلیٰ تسلیم کیے جانے کے مسائل پر اعلیٰ حضرت دوسرے لیڈروں سے متفق تھے۔اُنھیں تو اِس طرزِ عمل سے اختلاف تھا، جو اِس سلسلے میں اختیار کیا گیا تھا، اور مسلمان راہنماؤں نے ایسی مذہبی اور سیاسی غلطیوں کا ارتکاب کیا جس کی تلافی مدتوں تک نہ ہوسکی، بلکہ ہم پاکستانی ابھی تک اُن غلطیوں کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔(16)

الطاری الداری میں اعلیٰ حضرت نے مولانا عبدالباری کو غیرت دلائی اور ثابت کیا کہ آپ اپنے اسلاف کے علی الرغم غلط راہ پر پڑ گئے ہیں اور مسلمان قوم کی تباہی کا بار بحیثیت ایک روحانی پیشوا ہونے کے آپ پر پڑے گا۔

اِس تالیف کے مطالعہ سے مولانا عبدالباری موصوف کے سینہ میں دینی حمیت کی جو چنگاری دبی ہوئی تھی وہ بھڑک اٹھی اور آپ پر صراطِ مستقیم واضح ہوگئی۔آپ (مولانا فرنگی محلی) نے مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی اور مولانا محمد امجد علی (صاحبِ بہارِ شریعت) کے سامنے اپنی غلطیوں کا اعتراف کیا اور روزنامہ ہمدم میں اپنا توبہ نامہ بدیں الفاظ شائع فرمایا:

"اے اللہ! میں نے بہت سے گناہ دانستہ اور نادانستہ کیے ہیں، سب کی میں توبہ کرتا ہوں۔ اے اللہ! میں نے اُمور قولاً وفعلاً تحریراً وتقریراً بھی کیے ہیں، اِن سب اور اِن کے مانند اُمور سے محض مولوی صاحب موصوف (مولانا احمد رضا خاں) پر اعتماد کر کے توبہ کرتا ہوں۔ اے اللہ! میری توبہ قبول کر اور مجھے توفیق دے کہ تیری معصیت کا ارتکاب نہ کروں۔"(17)

اِس طرح یہ قابلِ قدر تالیف ایک بڑے عالمِ دین کو راہ راست پر لے آئی۔ (18) اِسی طرح بعد میں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی نے اعلیٰ حضرت کے جلیل القدر خلیفہ اور رفیقِ کار مولانا نعیم الدین مرادآبادی کے سامنے گاندھی گردی، سلسلۂ ہندو نوازی اور احکام اسلامی سے اِنحراف وغیرہ سے توبہ کرلی۔ مولانا محمد علی جوہر نے مولانا موصوف سے فرمایا:

آپ گواہ رہیں میں آئندہ کبھی ہنود اور غیر مسلموں سے اِتحاد و وِداد نہ رکھوں گا۔ (19)

علی گڑھ کالج کا قضیہ:

مسلم کالج (بعد میں یونیورسٹی) شروع ہی سے مولانا محمود حسن اور ان کے ہمنو اعلما کی نظر میں بری طرح کھٹکتا تھا اور اُن کی دلی خواہش تھی کہ کسی طرح اِس بت کو ڈھا دیا جائے۔ آخر تحریکِ ترکِ موالات کے سلسلے میں مسٹر گاندھی کے اِیما پر مولانا محمود حسن اور ابوالکلام نے پروگرام بنایا تو مولانا محمود حسن نے اسلامیہ کالج، علی گڑھ اور اسلامیہ کالج، لاہور کو نیست و نابود کرنے کے لیے اپنے دیرینہ بغض کا یوں اظہار فرمایا:

"علی گڑھ کالج کی ابتدا کی حالت میں علمائے متدیّنین نے علی العموم اِس قسم کی تعلیم کے جواز سے، جو از سرتاپا گورنمنٹ کے رنگ میں رنگی ہوئی ہے، روکا۔

بدقسمتی سے وہ رک نہ سکی۔ اب جب کہ اِس کے ثمرات ونتائج آنکھوں سے دیکھ لیے تو قوم کو اس سے بچانا بالبداھة ایک ضروری امر ہے۔" (20) (یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ عصرِ حاضر کی سب سے بڑی مسلمانوں کی تحریک (تحریک پاکستان) کا علی گڑھ کے فاضل حضرات نے کثیر تعداد میں ساتھ دیا اور دیوبند کے فاضلوں نے اس تحریک کی مخالفت کو عین اسلام قرار دیا)

مولانا محمود حسن دیوبندی نے اسلامیہ کالج علی گڑھ کے طلبہ کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

''میں امید کرتا ہوں کہ میری معروضات سے آپ کے سوالات کا جواب مل جائے گا اور علی گڑھ کی عمارتوں، کتب خانوں وغیرہ کی حفاظت کے ساتھ ساتھ یہ خیال بھی آپ کو دستک دے گا کہ قسطنطنیہ، شام، فلسطین اور عراق کی قیمت سے اِن چیزوں کو کیا نسبت ہے؟''

مولانا محمود حسن کے فتاوے، ابوالکلام اور مولانا محمد علی کی تقریریں اور خطبات آخر میں رنگ لائے۔ ڈاکٹر انصاری اور مولانا محمد علی جوہر کی زیرِ سرکردگی ''مجاہدین'' کی ایک عظیم فوج نے علی گڑھ کالج (21) پر ہلّہ بول دیا، خدا بھلا کرے مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی، مولانا سید سلیمان اشرف اور ڈاکٹر سر ضیاء الدین مرحوم کا، اُن کی بلند ہمتی اور مساعیٔ عظیم سے کالج مکمل شکست وریخت سے بچ گیا اور بعد میں اِس کالج نے یونیورسٹی کی شکل اختیار کر لی اور اِس کے نونہالوں نے تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔

اسلامیہ کالج لاہور پر دھاوا:

علی گڑھ کالج کے فاتحین نے اب اسلامیہ کالج، لاہور کی طرف باگیں موڑیں۔ اس گروہ کا قائد وہ شخص تھا جس کی زندگی کا ہر لمحہ اور ہر سانس مسلمان قوم کو تباہ کرنے کے لیے

وقف تھا، فاضل بریلوی نے اس کے متعلق کیا خوب کہا ہے

آزاد مگر نہ تو بے شک مشرک　　　　وہ مسلم می دہی پئے یک مشرک

زِ اسلامت اگر بہرہ بدے میکردے　　　　برنا خن مسلمے فدا لک مشرک

اعلیٰ حضرت نے ابوالکلام کی ساری زندگی کو جس خوبی سے دوشعروں میں سمو دیا ہے اُس کی داد نہیں دی جا سکتی۔ غرضیکہ ابوالکلام صاحب 20 اکتوبر 1920ء کو لاہور پہنچے اور انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل میں ممبران کو اپنا ہمنوا اور ہم خیال بنانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور اس کے حامیوں نے ابوالکلام زندہ باد کے نعرے لگائے اور قریب تھا کہ انجمن کے ارکان مولانا کے حق میں رائے دیتے کہ شیخ عبدالقادر مرحوم اپنی جگہ سے اٹھے اور مولانا کی جذباتی لیکن ناعاقبت اندیشانہ تقریر کا اپنی متین اور سنجیدہ لیکن دلائل سے بھرپور تقریر سے ردِّ بلیغ فرمایا۔

اس کے بعد انجمن حمایتِ اسلام نے، جس کے جنرل سیکرٹری اُس وقت علامہ اقبال (22) تھے، یہ فیصلہ کیا کے ایسے علما سے رجوع کیا جائے جو مسٹر گاندھی کے حلقۂ اثر سے باہر ہوں اور اعلاءِ کلمۃ الحق جن کی زندگی کا وظیفہ ہو۔ چنانچہ یہ کام مولوی حاکم علی صاحب پروفیسر سائنس اسلامیہ کالج، لاہور کے سپرد کیا گیا ہے۔ انہوں نے مندرجہ ذیل فتویٰ دیا:

"اللہ تعالیٰ نے ہمیں کافروں اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ تولّی (دوستی) سے منع فرمایا ہے، مگر ابوالکلام تولّی کے معنی معاملت اور ترکِ موالات (نان کوآپریشن) قرار دے رہے ہیں اور یہ صریح زیادتی ہے، جو اللہ تعالیٰ کے کلام پاک کے ساتھ کی جا رہی ہے۔ مذکور نے 20 اکتوبر 1920ء کی جنرل کونسل کی کمیٹی میں تشریف لا کر یہ اطلاق کر دیا ہے کہ جب تک اسلامیہ کالج، لاہور کی سرکاری امداد

بند نہ کی جائے اور یونیورسٹی سے اِس کا قطعِ الحاق نہ کیا جائے تب تک انگریزوں سے ترکِ موالات نہیں ہوسکتی اور اسلامیہ کالج لاہور کے لڑکوں کو فتویٰ دے دیا ہے کہ اگر ایسا نہ ہو تو کالج چھوڑ دو؛ لہٰذا اِس طرح کالج میں بے چینی پھیلا دی۔ علامہ مذکور کا یہ فتویٰ غلط ہے؛ یونیورسٹی کے ساتھ الحاق قائم رکھنے سے اور اِمداد لینے سے معاملت قائم رہتی ہے نہ کہ موالات۔ لہٰذا میں فتوی دیتا ہوں کہ یونیورسٹی کے ساتھ اِلحاق اور اِمداد لینا جائز ہے۔'' (23)

اور اِس فتوی کو مع ایک خط کے جو درج ذیل ہے مولانا احمد رضا خان صاحب کی تصدیق و تصحیح کے لیے روانہ کیا:

آقائے نامدار مؤیدِ ملت، جناب شاہ احمد رضا خاں صاحب مدظلہم:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ!

پشتِ ہٰذا پر فتوی مطالعۂ گرامی کیلیے اِرسال کر کے اِلتجا کرتا ہوں کہ دوسری نقل کی پشت پر اِس کی تصحیح فرما کر احقر نیاز مند کے نام بواپسی ڈاک اگر ممکن ہوسکے تو آج ہی یا کم از کم دوسرے روز بھیج دیویں۔ انجمن حمایتِ اسلام کی کونسل کا اجلاس 31 اکتوبر 1920ء کو ہونا قرار پایا ہے اُس میں یہ پیش کرنا ہے۔ دیوبندیوں اور نیچریوں نے مسلمانوں کو تباہ کرنے میں کوئی تامل نہیں کیا، ہندوؤں اور گاندھی کے ساتھ موالات قائم کر لی ہے اور مسلمانوں کے کام میں روڑے اَٹکانے کی ٹھان لی ہے۔ عالمِ حنفیہ کو ان کے ہاتھوں سے بچائیں۔''

نیاز مند دعا گو:

حاکم علی، موتی بازار، لاہور، 25 اکتوبر، 1920ء (24)

اعلیٰ حضرت نے اِس فتوی کی تصدیق فرمائی اور لکھا کہ ایسی اِمداد جومشروطہ نہ ہوجائز ہے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت کے اِس فتوی کوحمایت اسلام کی جنرل کونسل میں پیش کیا گیا اور یہ عظیم درس گاہ اغیار کی دستبرد سے ہمیشہ کے لیے محفوظ ہوگئی۔ بعد میں مولوی حاکم علی صاحب نے اعلیٰ حضرت کے فتوے کو دوسرے فتاوی کے ساتھ ترتیب دیکر بعنوان ''اصلی جمعیت العلماء ہند کے فتاوے'' شائع کیا۔

المَحَجَّةُ الْمُؤتَمِنه فِی آیة المُمْتَحِنه:

اس سے پیشتر اعلیٰ حضرت اِس قسم کے فتاوی دے کر مدرسہ عربیہ اسلامیہ، کچی باغ بنارس اور مدرسہ اسلامیہ، سبز باغ کراچی کوخلافتیوں کے مذموم حملوں سے بچا چکے تھے۔ الغرض مذکورہ فتوی کے لاہور پہنچنے کے بعد مخالفین کے اِرادوں اور منصوبوں پر اَوس پڑ گئی اور تحریکِ عدم تعاون کے حامیوں میں سے ایک صاحب، مولوی عزیز الرحمٰن صاحب (سابق ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی سکول، لائل پور) نے ایک طویل استفتاء مرتب کر کے، جوخلافتیوں کی ترجمانی کرتا تھا، اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بریلی شریف بھیجا۔ اعلیٰ حضرت نے جواباً ایک مفصل فتوی دیا جوبعد میں الحجة المؤتمنه کے نام سے شائع ہوا۔(25) اِس طرح الحجة المؤتمنه کے نام سے ایک ایسی دستاویز وجود میں آئی جس نے ہر موقع پر اور ہر مشکل میں مسلمانانِ ہند کے لیے دلیل راہ کا کام دیا۔

اس فتوی میں اعلیٰ حضرت نے قرآن حمید کی اس آیت:

''لَا یَنهٰکُمُ اللّٰه عَنِ الَّذِین لَم یُقَاتِلُوکُم فی الدین وَلَم یُخرِجُوکُم مِن دِیَارِکُم اَن تَبَرُّوهُم وَتُقسِطُوا اِلَیهِم اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ المُقسِطِین.''

اللہ تمھیں اُن کافروں سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین میں نہ لڑے اور تمھیں تمہارے گھروں سے نہ نکالا کہ اُن کے ساتھ احسان کرو اور اُن کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرو تو بیشک انصاف والے اللہ کو محبوب ہیں۔'' (پارہ:28، سورہ الممتحنہ، آیت:8)

پر مفصل بحث کی اور تمام مستند تفاسیر و کتب فقہ، مثلاً تفسیر رازی، روح البیان، تفسیر ابوالسعود اور ہدایہ وغیرہ اور اقوال علما و فقہا کی روشنی میں مخالفین کے اِس استدلال کہ ''اِس آیۂ ممتحنہ سے غیر محارب ہنود کے ساتھ وِداد و محبت جائز ہے بلکہ فرض ہے'' کے تار و پود بکھیر دیے اور ثابت کر دیا کہ کافر مسلمانوں کا ولی نہیں ہو سکتا؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

''ہرگز اللہ تعالیٰ کافروں کے لیے مسلمانوں پر راہ نہ کرے گا'' (النساء: 141)

عدمِ تعاون کے حامی لیڈر کو مذکورہ آیت پاک کے سمجھنے میں جو ٹھوکر لگی اُس کا اِبطال کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''اِن صاحبوں سے یہ بھی پوچھ دیکھیے کہ سب جانے دو، آیہ کریمہ ''لَا یَنۡہٰکُمۡ'' ہر مشرک غیر محارب کو عام ہو کر محکم ہی سہی اور مشرکینِ ہند میں کوئی محارب بالفعل نہ سہی، آیہ کریمہ نے کچھ مالی برتاؤ، مالی مؤاسات ہی کی رخصت دی؟ یا یہ فرمایا کہ اُن کی جے پکارو؟ اُنھیں مساجدِ مسلمین میں با ادب و تعظیم پہنچا کر مسندِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر لے جا کر مسلمانوں سے اُونچا بٹھا کر واعظ و ہادیٔ مسلمین بناؤ؟ گائے کا گوشت کھانا گناہ ٹھہراؤ؟ قرآن مجید کو رامائن کے ساتھ ایک ڈولے میں رکھ کر مندر میں لے جاؤ؟ اُن کے سرغنہ کو کہو کہ خدا نے ان کے گاندھی کو تمہارے پاس مُذَکِّر بنا کر بھیجا ہے، یعنی معنیٔ نبوت جماؤ؟'' (26)

اعلیٰ حضرت مزید فرماتے ہیں:

''اگر بفرضِ باطل اِن (رہبرانِ گم کردہ راہ) کی یہ شتر گربگی مان بھی لی جائے تو عام مشرکین ہند کو ''لَم یُقَاتِلُوکُم فِی الدِین''کا مصداق ماننا ایمان کی آنکھ پر ٹھیکری رکھنا ہے۔ کیا وہ ہم سے دین پر نہ لڑے؟ کیا قربانی گاؤ پر اُن کے سخت ظالمانہ فساد پرانے پڑ گئے؟ کیا کٹار پور، آرہ اور کہاں کہاں کے ناپاک و ہولناک مظالم جو ابھی تازہ ہیں دلوں سے محو ہو گئے؟ بے گناہ مسلمان نہایت سختی سے ذبح کئے گئے، مٹی کا تیل ڈال کر جلائے گئے، ناپاکوں نے پاک مسجدیں ڈھائیں، قرآن پاک کے پاک اوراق پھاڑے اور جلائے اور ایسی ہی وہ باتیں جن کا نام لئے کلیجہ منہ کو آئے۔'' (27)

غرض کہ اعلیٰ حضرت نے عدمِ تعاون کے حامیوں اور گاندھی کے افعال و اقوال کی ایک ایک کر کے المحجة المؤتمنه میں تردید فرمائی ہے اور آفتاب کی طرح روشن کر دیا کہ کوئی بھی غیر مسلم، چاہے ہندو ہو یا عیسائی، مجوسی ہو یا یہودی اسلام اور مسلمین کے مقابلے میں ''الکفر ملة واحدة'' (کفر ایک ہی ملت ہے) کا مصداق ہے

مولانا نعیم الدین مرادآبادی اور تصور پاکستان:

اعلیٰ حضرت کے فیضان اور اُن کی تعلیم ہی کا اثر تھا کہ مولانا نعیم الدین مرادآبادی نے فساداتِ بمبئی کے موقع پر ماہ شوال ۱۳۵۰ھ / 1931ء میں فرمایا کہ ہندوستان کو ہندو مسلم علاقوں میں تقسیم کر دیا جائے اور مولانا شاید پہلے عالم دین ہیں جنہوں نے واشگاف الفاظ میں تقسیم ہند کی تجویز پیش کی۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

''بمبئی کے ہندو کوشش کر رہے ہیں کہ اپنی دوکانیں مسلمان محلّوں سے ہٹا کر ہندو محلوں میں لے جائیں۔ ہندوؤں کے یہ افعال، یہ تجویزیں، یہ طرزِ عمل اتحاد کے

ذرا بھی منافی نہیں، لیکن مسلمان ایسا کریں تو اتحاد کے دشمن قرار دیے جائیں، یہ کھلی ناانصافی ہے۔ جب ہندو اپنی حفاظت اِسی میں سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کے محلوں سے علیحدہ ہو جائیں اور اپنی حدود علیحدہ کرلیں تو مسلمانوں کو یقیناً ان کے محلوں میں جانے اور اُن کے ساتھ کاروبار رکھنے سے احتیاط رکھنا چاہیے۔ دونوں اپنی اپنی حدود جداگانہ قرار دیں اور اِسی نقطہ کو ملحوظ رکھ کر سیاسی مباحث کو طے کرلیں، یعنی ہندوستان میں ملک کی تقسیم سے ہندو مسلم علاقے جدا جدا بنالیں؛ تاکہ باہمی تصادم کا اندیشہ اور خطرہ باقی نہ رہے۔ ہر علاقے میں اُسی علاقے والوں کی حکومت ہو۔ مسلم علاقوں میں مسلمانوں کی اور ہندو علاقوں میں ہندوؤں کی۔ اب نہ مخلوط و جداگانہ انتخاب کی بحثیں درپیش ہوں گی، نہ کونسلوں میں نشستوں کی منازعت کا کوئی موقع رہے گا۔ ہر فریق اپنی حدود میں آرام کی زندگی گزار سکے گا۔ جب ہندو ذہنیت نے بمبئی میں گوارا کرلیا ہے تو کیا وجہ ہے کہ جدید حکومت کا مسئلہ اس اُصول پر نہ طے کیا جائے؟'' (28)

تحریک پاکستان:

حضرت صدر الافاضل کی یہ تحریر بالکل واضح ہے کہ اُنھوں نے یہ اُصول بہت پہلے پیش کردیا تھا، جسے بعد میں اپنا کر پاکستان حاصل کیا گیا۔ صدر الافاضل علیہ الرحمہ کی قومی خدمات بے شمار ہیں مگر 1940ء میں قرار دادِ پاکستان کے پاس ہونے پر تو اُن کی تمام تر توجہ تحریکِ پاکستان کی طرف ہوگئی تھی۔ آل انڈیا سُنی کانفرنس کے ذریعے پوری قوم کو نظریۂ پاکستان کا حامی بنانے کی کامیاب مساعی کیں۔ اِس سلسلے میں آپ کے دل میں جو تڑپ تھی وہ اُن خطوط سے عیاں ہیں جو اُنھوں نے مولانا ابوالحسنات علیہ الرحمہ کو تحریر فرمائے۔ اِن

تاریخی خطوط کے بعض اقتباسات ملاحظہ ہوں:

(الف) آل انڈیا سُنی کانفرنس کا نام ''جمہوریتِ اسلامیہ مرکزیہ'' ہے۔ یہ دو ایوانوں پر مشتمل ہوگی: ایک ایوان عام، ایک ایوان علما۔ ایوانِ علماء کا نام جمہوریت عالیہ ہوگا۔(29)

(ب) پاکستان کی تجویز سے جمہوریت اسلامیہ کو کسی طرح دست بردار ہونا منظور نہیں، خود (قائداعظم محمد علی) جناح اِس کے حامی رہیں یا نہ رہیں۔(30)

(ج) الیکشن کے موقع پر کانگرس کے حق میں رائے دینے سے مسلمانوں کو روکنا بالکل بجا ہے اور اس میں کچھ بھی تامل نہیں۔(31)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے نامور خلیفہ اور تلمیذ رشید حضرت ابو المحامد سیّد محمد محدث کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ (صدر آل انڈیا سنی کانفرنس) جو جید عالم دین، رُوحانی پیشوا اور بے مثال خطیب تھے، نے تحریک پاکستان کے لئے عظیم خدمات سرانجام دیں۔ آپ نے پاک وہند کے تقریباً سب ہی چھوٹے بڑے شہروں میں پاکستان کے حق میں مدلل تقاریر فرمائیں اور اپنے لاکھوں مریدین کو تحریکِ پاکستان میں حصہ لینے کا حکم صادر فرمایا۔ آپ نے ۵۔۶ رجب المرجب ۱۳۶۵ھ کو آل انڈیا سنی کانفرنس اجمیر شریف میں خطبہ دیا جو ''الخطبة الأشرفيه للجمهورية الاسلامية'' کے نام سے دو مرتبہ چھپ چکا ہے۔ اِس مبارک خطبہ کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں:

☆ ''المشايخ كلهم كنفسٍ واحدةٍ'' (تمام مشائخ ایک جان کی طرح ہیں) کر کے دکھانا ہے۔ اِن پاکوں کا پاک عزم یہ ہے کہ رفتہ رفتہ ہندوستان کو پاکستان بنا کر دکھا دینا ہے۔

☆ حضرات! میں نے بار بار پاکستان کا نام لیا ہے اور آخر میں صاف کہہ دیا ہے کہ

پاکستان بنانا صرف سنیوں کا کام ہے اور پاکستان کی تعمیر آل انڈیا سنی کانفرنس ہی کرے گی۔اس میں سے کوئی بات نہ مبالغہ ہے،نہ شاعری ہے اور نہ سنی کانفرنس سے غلو کی بنا پر ہے۔

آخر میں اہل سنت کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

اگر ایک دم سارے سنی مسلم لیگ سے نکل جائیں تو کوئی مجھے بتادے کہ مسلم لیگ کس کو کہا جائے گا؟ اس کا دفتر کہاں رہے گا؟اور اس کا جھنڈا سارے ملک میں کون اٹھائے گا؟

اس سے پہلے آپ نے آل انڈیا سنی کانفرنس،منعقدہ بنارس میں نہایت طویل اور مدلل خطبہ دیا جو''خطبۂ صدارت جمہوریتِ اسلامیہ'' کے نام سے طبع ہوا،جس کے 28 صفحات ہیں۔اِس خطبہ کا ایک ایک حرف حضرت محدث کچھوچھوی کی بالغ نظری اور مقصد سے عشق کا ترجمان ہے۔تحریکِ پاکستان پر کام کرنے والوں کے لیے ان خطبات کا مطالعہ لازمی ہے۔

غرض کہ امام اہل سنت اعلی حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے سب سے پہلے ہندو مسلم اتحاد کے خلاف آواز بلند کی،یعنی دوقومی نظریہ قوم کے سامنے پیش کیا۔پھر ان کے باعزم و باہمت خلفا و تلامذہ اور ان کے ہم مسلک علمائے کرام و مشائخ عظام نے سر دھڑ کی بازی لگا کر تحریک پاکستان کو کامیابی و کامرانی سے ہم کنار کیا۔ذیل میں ان نفوس قدسیہ اور محسنین قوم و ملت جن کی مساعی کی بدولت پاکستان دنیا کے نقشے پر نمودار ہوا،کے اسماء گرامی درج کر کے اپنے اس مقالے کو ختم کرتا ہوں۔

محسنین پاکستان:

امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری۔ حضرت پیر صاحب مانکی شریف۔ صدر الا فاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی۔ حضرت ابو المحامد سید محمد محدث کچھوچھوی۔ مبلغ اسلام مولانا شاہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی (والد ماجد شاہ احمد نورانی)۔ مولانا عبد الحامد قادری بدایونی۔ حضرت پیر سید فضل شاہ امیر حزب اللہ۔ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑہ شریف۔ حضرت خواجہ سدید الدین تونسوی۔ حضرت میاں علی محمد خاں سجادہ نشین بسّی شریف۔ حضرت مولانا ابو الحسنات سید محمد احمد قادری۔ حضرت مولانا عبد الغفور ہزاروی۔ مولوی محمد ابراہیم علی چشتی۔ مولانا غلام محمد ترنم۔ حضرت پیر عبد الرحمٰن بھرچونڈی شریف۔ حضرت سید مغفور القادری۔ حضرت سید آل رسول علی خان (اجمیر شریف)۔ حضرت مولانا محمد امجد علی (مصنف بہار شریعت)۔ شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی، سیال شریف۔ مجاہد ملت حضرت مولانا الحاج عبد الستار خان نیازی۔ مولانا جمال میاں فرنگی محلی۔ پیر صاحب زکوڑی شریف۔ غزالیِ دوران سید احمد سعید کاظمی۔ علامہ ابو البرکات سید احمد قادری، مفتیِ اعظم پاکستان۔ مولانا غلام قادر چشتی اشرفی۔ مولانا ابو النور محمد بشیر احمد کوٹلوی۔ حضرت شاہ محمد عارف اللہ قادری میرٹھی۔ صاحبزادہ سید محمود شاہ گجراتی وغیرہم۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

آخر میں یہ گزارش ضروری ہے کہ چونکہ پاکستان سوادِ اعظم اہل سنت نے بنایا تھا، لہٰذا اِسے فتنوں سے بچانا اور اِس کی حفاظت کرنا بھی اہلِ سنت ہی کا کام ہے۔ اہل سنت کو چاہیے کہ اس کی نظریاتی سرحدوں کی پورے طور پر حفاظت فرمائیں اور خدا تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر بنائے ہوئے اس ملک میں اسلامی قوانین کو نافذ کرائیں۔

حواشی

1...... ندائے حق لاہور، جون 1970ء ص:31

2...... اُردو نعتیہ شاعری، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، (کراچی یونی ورسٹی) ص:86، مطبوعہ لاہور

3...... کلیات اقبال، ص:352، مطبوعہ دہلی

4...... باقیات رضا، غیر مطبوعہ

5...... علی برادران، رئیس احمد جعفری (م:1968ء) ص:333

نوٹ: محمد اور شوکت علی دو بھائی تھے، جنہیں علی برادران کہا جاتا ہے۔(ادارہ النظامیہ)

6...... اعمال نامہ (ایک اہم آپ بیتی) ہسر سید رضا علی، ص:308، دہلی

7...... علی برادران، ص:360 8...... اعمال نامہ، ص:325

9...... النور، سید سلمان اشرف، ص:2، مطبوعہ علی گڑھ

10...... جنگ عظیم دوم میں جب جرمنی اور اُس کے اتحادی ترکی کو شکست ہوئی تو 14 مئی 1919ء میں ترکی کو برطانیہ اور اُس کے حلیفوں نے بمقام سان رومیو (فرانس) ایک معاہدہ کیا، جسے معاہدہ سیورے کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ترکی کو نامناسب شرائط پر صلح کے لیے مجبور کیا گیا۔ درج ذیل شرائط پر صلح ہوئی:

☆ سلطان اتحادیوں کی حمایت کے ساتھ قسطنطنیہ میں حکومت کرے گا۔

☆ اتحادیوں کو یہ حق ہے کہ آبناؤں پر قبضہ کرلیں اور یہ بھی ایشیائی ترکی کے کسی حصہ پر قابض ہوجائیں۔

☆ آرمینہ کی ایک نئی دولت قائم کی جائے گی، جس میں یہ صوبے داخل ہوں گے: مشرقی اناطولیہ، ارض روم، دان، تبلس، ترازون، آذربائیجان۔ اِس دولت کی حدود ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی مدد سے قائم کی جائیں گی۔

☆ ترکی عرب کے متعلق اپنے تمام دعووں سے دستبردار ہوگا۔

☆ شام کی حکم برداری فرانس کو، عراق اور اردن کی برطانیہ کو دی جائے گی۔ عدسیہ اٹلی کو اور مغربی اناطولیہ یونان کو عنایت کیا گیا۔ (علی برادران، ص:236)

11...... پیسہ اخبار لاہور، 8 نومبر 1927ء، بحوالہ تحقیقات قادریہ، ص:29

12...... مدینہ اخبار بجنور، 21 جنوری 1921ء، بحوالہ تحقیقات قادریہ، ص:17

13...... مہاتما گاندھی کا فیصلہ، خواجہ حسن نظامی، ص:16 بحوالہ تحقیقات قادریہ، ص:18,19

14...... محمد علی ذاتی ڈائری، حصہ اول، ص:107

15...... مسلمانوں کا ایثار اور جنگ آزادی، ص:142، 143

16...... نوٹ: اِسی لیے علی برادران جب فاضل بریلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی تحریک (ہندو مسلم اتحاد) میں شمولیت کی دعوت دی تو فاضل بریلوی نے صاف صاف فرمادیا: مولانا! میری اور آپ کی سیاست میں فرق ہے۔ آپ ہندو مسلم اتحاد کے حامی ہیں، میں مخالف ہوں۔ اس جواب سے علی برادران کچھ ناراض سے ہو گئے تو فاضل بریلوی نے تالیف قلب کے لیے مکرر ارشاد فرمایا: مولانا! میں ملکی آزادی کا مخالف نہیں، ہندو مسلم اتحاد کا مخالف ہوں۔ (بحوالہ ''فاضل بریلوی اور ترک موالات'' از پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد)

17...... روزنامہ ہمدم، 20 مئی 1921ء، بحوالہ حیات صدر الافاضل، ص:33، 34، 149، 172، مطبوعہ لاہور

18...... حضرت مولانا فرنگی نے توبہ کرلی تو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے الطاری الداری کے تمام نسخے جلادینے کا حکم دے دیا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو حیات صدر الافاضل، ص:35

19...... ترک موالات، ص:9 تا 11، مدینہ پریس، بجنور

20...... حیات صدر الافاضل، ص:173، 174

21...... تحریک کے ابتدائی دنوں میں مسلم یونی ورسٹی محض کالج تھی، لیکن دسمبر 1920ء میں مکمل یونیورسٹی بن گئی۔

22...... خلافتی لیڈروں نے تحریکِ ترکِ موالات میں علامہ اقبال کو بھی ملوث کرنے کی کوشش کی اور علی گڑھ میں کہا: ''وہ ہمارے ہم خیال ہیں۔'' چنانچہ علامہ نے اپنے ایک خط بنام خان نیاز الدین خان مرحوم میں تحریر فرمایا: ''باقی رہا اُن لوگوں یعنی خلافتیوں سے میرا ہم خیال ہونا، ہم خیالی صرف اس حد تک ہے جس حد تک قرآن حکیم کا حکم ہے اور بس۔ اخباروں میں انھوں نے شائع کرایا ہے کہ اقبال نے آزاد قومی یونیورسٹی سے متعلق مدد دینے کا وعدہ کیا ہے۔ یوں تو مسلمانوں کے معاملات میں اگر مجھ سے مدد طلب کی جائے تو مجھے تعمیل حکم میں کیوں کر تامل ہوسکتا ہے! تاہم جو کچھ اخباروں میں لکھا گیا ہے بالکل غلط ہے۔ میرے ساتھ اُن کی کوئی گفتگو اِس بارے میں نہیں ہوئی۔ واقعات کی رو سے یہ بات بالکل غلط ہے۔ اس خیال سے کہ علی گڑھ میں اِس بیان سے لوگ دھوکا نہ کھائیں میں نے ایک تار آنریری سیکرٹری کو دے دیا ہے کہ یہ بات صحیح نہیں ہے جو اخبارات میں شائع ہوئی ہے۔ (بحوالہ مکاتیب اقبال بنام خان نیاز الدین خان، بزم اقبال لاہور، صفحہ 35)

23...... المحجّة المؤتمنه، ص:2 24...... ایضاً

25...... نوٹ: یہ پورا رسالہ رئیس احمد جعفری نے اپنی تالیف ''اوراق گم گشتہ'' (مطبوعہ لاہور، 1968ء) میں شامل کردیا ہے۔

26...... المحجّة المؤتمنه، ص:44،45

27...... ایضاً ص:27۔ نوٹ: 1913ء میں اجودھیا میں قربانیٔ گاؤ پر فساد ہوا۔ 1914ء میں مظفر نگر میں بلوہ ہوا۔ 1917ء میں اضلاع: آرہ، شاہ آباد، بلیا، اعظم گڑھ کے چالیس میل کے وسیع رقبے میں فسادات ہوئے، جن کی نظیر اِس دور میں بھی نہیں ملتی۔ (بحوالہ فاضل بریلوی اور ترک موالات، ص:65)

28...... السواد الاعظم مراد آباد، جلد:8، شمارہ:6، شوال ۱۳۵۰ھ، ص:13، 14

29...... حیات صدر الافاضل، مکتوب:2، ص:185، 186

30...... ایضاً، ص:186 31...... ایضا، مکتوب:3۔ ص:187

امام اہل سنت بحیثیتِ امام نعت گویاں

تحریر: مولانا محمد فاروق شریف رضوی، مدرس جامعہ نظامیہ، لاہور

علومِ دینیہ میں تبحر اور سخن وری میں کمال کا اجتماع بہت کم حضرات کو میسر ہوا ہے۔ حضرت رومی، جامی، سعدی، بوصیری اور امیر خسرو کے قافلۂ عشق ومحبت کے حدی خوان حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ بیک وقت عبقری فقیہ، بے مثال محدث، اسرارِ قرآن کے عارف، رموزِ دین کے شناسا امت مسلمہ کے بہی خواہ مفکر اور بارگاہِ رسالت کے سحر بیان نعت گو شاعر تھے۔ (۱)

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضا مسلّم | جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا یہ مقطع شاعرانہ تعلّی نہیں بلکہ حقیقتِ واقعہ کا عکاس ہے؛ کیونکہ آپ نے ہزلیات ولغویات سے بہت دور رہ کر فن سخن کے تمام اصناف میں طبع آزمائی فرمائی ہے۔غزل ،قصیدہ، مثنوی، مستزاد ،قطعات، رباعیات وغیرہ جس میدان کی طرف آ گئے ہیں سکے بٹھا دیئے ہیں۔

فصاحت وبلاغت، حلاوت وملاحت، لطافت ونزاکت، تشبیہات واستعارات، حسن تعلیل، ندرت تخیل، جدت تمثیل ،صنعتِ تلمیع وترصیع ،صنعتِ تجنیس وتسجیع ،قوافی کا زور، تسلسلِ بیان ،تنوع مضامین ، انتہائی جوش وجذبہ، والہانہ عقیدت اور اِرادت وغیرہ سب چیزیں آپ کے کلام میں پائی جاتی ہیں۔ (۲)

اصنافِ شاعری میں حمد ونعت کی بہت اہمیت ہے۔ حمد آسان ، اور نعت بہت ہی مشکل فن ہے۔ حمد میں اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلالت کا بیان ہوتا ہے، تعریف کرنے والا جس

قدر چاہے اپنے قلبی تاثرات کا اظہار کر سکتا ہے، کوئی حد بندی نہیں، بس ایک امر کالحاظ ضروری کہ شانِ اُلوہیت میں تنقیص نہ ہو جائے۔ جب کہ نعت میں دو حدیں مقرر ہیں، نہ اتنا غُلُوّ کہ اُلوہیت تک پہنچ جائے اور نہ ایسے کلمات کا اِستعمال کہ توہین و تنقیص لازم آئے۔ فاضل بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''حقیقۃً نعت شریف لکھنا نہایت مشکل ہے، جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں۔ اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے، اگر بڑھتا ہے تو اُلوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔ البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں راستہ صاف ہے، جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے۔ غرض حمد میں ایک جانب اصلاً حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے۔ (۳)

کچھ نعت کے طبقے کا عالم ہی نرالا ہے

سکتہ میں پڑی ہے عقل چکر میں گماں آیا (۴)

نعت کے اِس مشکل طبقہ میں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے فرقانِ حمید کو مشعلِ راہ اور شاعرِ دربارِ رسالت حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رہبر و راہنما بنا کر ایسا دلکش اُسلوبِ سخن اپنایا کہ وقت کے بڑے بڑے فصحا و بلغا پر سبقت لے گئے۔ دین و ملت کی تجدید کے ساتھ ساتھ فن شاعری کو بھی جدت و تازگی بخشی۔ متعدد و متنوع صنعات سے اپنے کلام کو آراستہ کیا اور لطف کی بات یہ کہ شریعتِ مطہرہ کے احکام کو ہر ہر شعر میں ملحوظ رکھا۔

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ — بے جا سے ہے اَلْمِنَّۃُ لِلّٰہ محفوظ

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی — یعنی رہے احکامِ شریعت ملحوظ (۵)

اور

رہبر کی رہِ نعت میں گر حاجت ہو　　　نقشِ قدمِ حضرت حساں بس ہے (۶)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی شاعری ہر جہت سے بے مثال ہے۔ ایک ممتاز و منفرد پہلو یہ بھی ہے کہ آپ نے مختلف علوم وفنون کی اِصطلاحات اپنے کلام میں ذکر کرکے فنِ شاعری میں ایک عمدہ مثال قائم فرمائی ہے۔ جس طرح آپ امام اہل سنت ہیں، بلاشبہ آپ کا کلام بھی کلام وسخن کا امام ہے۔ **کلام الامام امام الکلام.**

یہی کہتی ہے بلبلِ باغِ جناں کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصفِ شاہِ ہدیٰ مجھے شوخیٔ طبع رضا کی قسم (۷)

فقہ، صرف، نحو، بلاغت اور منطق وغیرہا علوم وفنون کی اِصطلاحات پر مشتمل گلشنِ رضا کے مہکتے ہوئے پھول قارئین کے ذوقِ طبع کے لیے پیش کیے جاتے ہیں۔

علمِ صرف ونحو کی اِصطلاحات

سب تمہاری ہی خبر تھے
تم مؤخر مبتدا ہو
قبل ذکر اضمار کیا جب
رتبہ سابق آپ کا ہو

(حدائق بخشش، حصہ دوم، ص: ۳۴۱، مکتبہ المدینہ کراچی)

گیسو وقد لام الف کردو بلا منصرف
لا کے تہ تیغِ لا تم پہ کروڑوں درود

(۲۶۸/۲)

تیرا منسوب ہے مرفوع، اس جا
اِضافت رفع کی عامل ہے یاغوث

(۲/۲۵۵)

نبی سے اخذ اور اُمت پہ فائض
اُدھر قابل اِدھر فاعل ہے یاغوث

(۲/۲۵۶)

فیوضِ عالمِ اُمّی سے تجھ پر
عیاں ماضی و مستقبل ہے یاغوث

(۲/۲۵۲)

تصوف وسلوک کی اِصطلاحات

تری سیر اِلی اللہ ہی ہے سیر فی اللہ
کہ گھر سے چلتے ہی مُوصل ہے یاغوث

(۲/۲۵۳)

کوئی سالک ہے یا واصل ہے یاغوث
وہ کچھ بھی ہو ترا سائل ہے یاغوث

(۲/۲۵۱)

مَلَک کے کچھ بشر کچھ جن کے ہیں پیر
تو شیخِ عالی وسافل ہے یاغوث

(۲/۲۵۳)

سُکر کے جوش میں جو ہیں وہ تجھے کیا جانیں
خِضر کے ہوش سے پوچھے کوئی رتبہ تیرا
آدمی اپنے ہی احوال پہ کرتا ہے قیاس
نشے والوں نے بھلا سُکر نکالا تیرا

(۱/۲۷)

اصطلاحاتِ فقہ واسمائے کتبِ فقہ

مفتیٔ شرع بھی ہے قاضیٔ ملت بھی ہے
علم اسرار سے ماہر بھی ہے عبد القادر
سلکِ عرفاں کی ضیاء ہے یہی دُرِّ مختار
فخرِ اشباہ ونظائر بھی ہے عبد القادر

(۱/۶۹)

حُسنِ نیت ہو خطا پھر کبھی کرتا ہی نہیں
آزمایا ہے یگانہ ہے دوگانہ تیرا

(۱/۲۰)

تم کرم سے مشتری ہر عیب کے
جنسِ نامقبولِ ہر بازار ہم

(۱/۸۲)

ظاہر و باطن اوّل و آخر زیبِ فروع و زینِ اُصول

باغِ رسالت میں ہے تو ہی گل غنچہ جڑ پتّی شاخ

(۶۴/۱)

سارے اقطابِ جہاں کرتے ہیں کعبہ کا طواف

کعبہ کرتا ہے طوافِ درِ والا تیرا

(۲۴/۱)

اِصطلاحاتِ علمِ منطق:

ذرے مہرِ قدس تک تیرے توسّط سے گئے

حدِّ اَوسط نے کیا صُغریٰ کو کُبریٰ نور کا

(۲۴۸/۲)

غایت و علت سبب، بہرِ جہاں تم ہو سب

تم سے بَنا تم ہو بِنا تم پہ کروڑوں دُرود

(۲۶۵/۲)

تم سے خدا کا ظہور، اُس سے تمہارا ظہور

لِـمّ ہے یہ وہ اِنّ ہوا تم پہ کروڑوں درود

(۲۶۷/۲)

تیری قدرت تو فطریات سے ہے

کہ قادر نام میں داخل ہے یا غوث

(۲۵۷/۲)

نتیجہ حَــدِّ اَوْسَــط گر کے دے اور
یہاں جب تک کہ تو شامل ہے یا غوث

(۲۵۶/۲)

ہوں مسلماں گرچہ ناقص ہی سہی اے کاملو!
ماہیت پانی کی آخر یَــمّ سے نم میں کم نہیں

(۱۰۵/۱)

متفرق علوم کی اِصطلاحات:

وَضعِ واضِع میں تری صورت ہے معنیٰ نور کا
یوں مجازاً چاہیں جس کو کہہ دیں کلمہ نور کا
اَنبیاء اَجزاء ہیں تو بالکل ہے جملہ نور کا
اِس علاقے سے ہے اُن پر نام سچا نور کا
یہ جو مہر و مَہ پہ ہے اطلاق آتا نور کا
بھیک تیرے نام کی ہے اِستِعارہ نور کا

(۲۴۷، ۲۴۸/۲)

ممکن میں یہ قدرت کہاں واجب میں عبدیت کہاں
حیراں ہوں یہ بھی ہے خطا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
حق یہ کہ ہیں عبدِ الٰہ اور عالمِ اِمکان کے شاہ
برزخ ہیں وہ سرِّ خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

(۱۱۰/۱)

ہے شرحِ اسمِ "القادر" ترا نام
یہ شرح اس متن کی حامل ہے یا غوث

(۲۵۷/۱)

شیخین اِدھر نثار غنی و علی اُدھر
غنچہ ہے بلبلوں کا یمین و شمالِ گل

(۷۷/۱)

ایک سینہ تک مشابہ اِک وہاں سے پاؤں تک
حسنِ سبطین ان کے جاموں میں ہے نیما نور کا
صاف شکلِ پاک ہے دونوں کے ملنے سے عیاں
خطِ توأم میں لکھا ہے یہ دو ورقہ نور کا

(۲۴۹/۲)

میری تقدیر بُری ہو تو بھلی کر دے کہ ہے
محو و اِثبات کے دفتر پہ کڑوڑا تیرا

(۱۷/۱)

امام احمد رضا اور ردّ بدعات و منکرات

تحریر: مولانا محمد سلیم اللہ خان

امام احمد رضا خان نے معاشرے میں پھیلے ہوئے منکرات و بدعات کے خلاف بھرپور قلم کی تلوار اُٹھائی اور خرافات کی بیخ کنی فرمائی۔ سراج احمد القادری ریسرچ سکالر یونیورسٹی آف کانپور، بھارت لکھتے ہیں:

اِسلامی معاشرے کے متعلق آپ نے کیا کارنامہ انجام دیا ہے اور کس طرح سے اسلامی معاشرے کو برائیوں سے پاک کرنے کی سعی پیہم کی ہے؟ اِس کا اندازہ آنے والے حوالوں سے کیا جا سکتا ہے، اِس طرح سے اسلامی معاشرے کی اصلاح کا تصور کسی دوسرے کے یہاں نہیں ملتا، اگر امام احمد رضا بریلوی کو اس صدی کا سب سے بڑا سماج سدھارک کہا جائے تو غیر مناسب نہ ہوگا۔ (1)

بزرگوں کے اعراس میں افعال شنیعہ:

عرض: حضور! بزرگان دین کے اعراس میں جو افعال ناجائز ہوتے ہیں، اِن سے اُن حضرات کو تکلیف ہوتی ہے؟

ارشاد: بلاشبہ اور یہی وجہ ہے کہ اُن حضرات نے بھی توجہ کم فرمادی، ورنہ پہلے جس قدر فیوض ہوتے تھے وہ اب کہاں؟ (2)

عورتیں مزارات پر:

عرض: حضور! اجمیر شریف میں خواجہ صاحب کے مزار پر عورتوں کا جانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: غنیہ میں ہے یہ نہ پوچھو کہ عورتوں کا مزار پر جانا جائز ہے یا نہیں، بلکہ یہ پوچھو کہ اس عورت پر لعنت کس قدر ہوتی ہے اللہ کی طرف سے اور کس قدر صاحب قبر کی جانب سے۔ جس وقت وہ گھر سے اِرادہ کرتی ہے لعنت شروع ہو جاتی ہے اور جب تک واپس آتی ہے ملائکہ لعنت کرتے رہتے ہیں۔ سوائے روضۂ انور کے کسی مزار پر جانے کی اجازت نہیں، وہاں کی حاضری البتہ سنت جلیلہ عظیمہ قریب الواجبات ہے۔ قرآن عظیم نے اُسے مغفرت ذنوب کا تریاق بتایا ہے۔(3)

مزارات پر فاتحہ کی صحیح تعلیم:

امام احمد رضا خان مزارات پر فاتحہ کی یوں تعلیم دیتے ہیں:

"مزارات شریفہ پر حاضر ہونے میں پائنتی کی طرف سے جائے اور کم از کم چار ہاتھ کے فاصلہ پر مواجہہ میں کھڑا ہو اور متوسط آواز میں باادب سلام کرے:

السلام علیکم یا سیدی ورحمة اللّٰه وبرکاته! پھر دُرودِ غوثیہ تین بار، تین بار الحمد شریف، تین بار آیۃ الکرسی، ایک بار سورۂ اخلاص، سات بار پھر دُرودِ غوثیہ اور وقت فرصت دے تو سورۂ یٰسین اور سورۂ ملک بھی پڑھ کر اللہ عزوجل سے دعا کرے کہ: الٰہی! اس قرأت پر مجھے اِتنا ثواب دے جو تیرے کرم کے قابل ہے ،نہ اتنا جو میرے عمل کے قابل ہے اور اُسے میری طرف سے اِس بندہ مقبول کو نذر پہنچا۔ پھر اپنا جو مطلب جائز شرعی ہو اُس کے لیے دعا کرے اور صاحب مزار کی روح کو اللہ عزوجل کی بارگاہ میں اپنا وسیلہ قرار دے۔ پھر اِسی طرح سلام کرکے واپس آئے۔ مزار کو ہاتھ نہ لگائے ،نہ بوسہ دے اور طواف بالاتفاق ناجائز ہے اور سجدہ حرام۔"(4)

طوافِ قبر اور بوسہ:

ایک سوال کے جواب میں امام احمد رضا فرماتے ہیں:

"بلاشبہ غیر کعبہ معظّمہ کا طوافِ تعظیمی ناجائز ہے اور غیر خدا کو سجدہ ہماری شریعت میں حرام ہے۔ بوسۂ قبر میں علما کا اختلاف ہے اور احوط (زیادہ احتیاط) منع ہے۔ خصوصاً مزاراتِ طیبہ اولیائے کرام، ہمارے علما نے تصریح فرمائی کہ کم از کم چار ہاتھ فاصلہ سے کھڑا ہو، یہی ادب ہے۔" (5)

آدابِ زیارتِ روضۂ انور:

"خبردار! جالی شریف کو بوسہ دینے یا ہاتھ لگانے سے بچو؛ کہ خلاف ادب ہے، بلکہ چار ہاتھ فاصلے سے زیادہ قریب نہ جاؤ۔ یہ اُن کی رحمت کیا کم ہے کہ تم کو اپنے حضور بلالیا، اپنے مواجہہ اقدس میں جگہ بخشی؟ اُن کی نگاہ کریم اگرچہ ہر جگہ تمہاری طرف تھی، اب خصوصیت اور اِس درجہ کے ساتھ ہے۔

زیارت روضۂ انور سید اطہر صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت نہ دیوار کریم کو ہاتھ لگائے، نہ چومے، نہ اُس سے چمٹے، نہ طواف کرے، نہ زمین چومے؛ کہ یہ سب بدعت قبیحہ ہیں۔ بوسہ میں اختلاف ہے اور چومنا چمٹنا اِس کے مثل، اور احوط منع، اور علت خلافِ ادب ہونا شرح لباب میں ہے۔ (6)

سجدۂ مزار:

"رہا مزار کو سجدہ تو وہ قطعی حرام ہے، تو زائر جاہلوں کے فعل سے دھوکا نہ کھائے بلکہ علمائے باعمل کی پیروی کرے۔ (7)

قبر پر چراغ جلانا:

"خاص قبر پر چراغ رکھنا تو مطلقاً ممنوع ہے اور اولیائے کرام کے مزارات میں اور زیادہ ناجائز ہے؛ کہ اس میں بے ادبی و گستاخی اور اگر قبر سے جدا روشن کریں اور وہاں نہ کوئی مسجد ہے نہ کوئی شخص قرآن مجید کی تلاوت وغیرہ کے لیے بیٹھتا ہے، نہ وہ سرِ راہ واقع ہے، نہ کسی معظّم ولی اللہ یا عالم دین کا مزار ہے، غرض کسی منفعت و مصلحت کی اُمید نہیں تو ایسا چراغ جلانا ممنوع ہے؛ کہ جب مطلقاً فائدے سے خالی ہو اِسراف (فضول خرچی) ہوا۔"(8)

مزارات پر لوبان، اگربتی:

"عود اور لوبان وغیرہ (مثلاً اگربتی) کوئی چیز نفس قبر پر (خاص قبر پر) رکھ کر جلانے سے احتراز کرنا چاہیے اور قریبِ قبر سُلگانا اگر نہ کوئی تالی (تلاوت قرآن کرنے والا)، ذاکر یا زائر حاضر ہو، بلکہ یوں کہ صرف قبر کے لیے جلا کر چلا جائے تو ظاہر منع ہے؛ کہ اسراف و اِضاعتِ مال ہے۔"

مزید فرماتے ہیں: "خوشبو کی میت صالح کو حاجت نہیں؛ وہ اگربتی اور لوبان سے غنی ہے اور اگر حاضرین کے لیے فاتحہ خوانی ذکر و تلاوت کے وقت قبر سے قریب خالی زمین پر لگائیں تو بہتر و مستحسن ہے۔"(9)

چادر ڈالنا:

صالحین کی قبروں پر چادر ڈالنے کے لیے دریافت کیا گیا تو اِسے مشروط طور پر اس

لیے جائز قرار دیا کہ عوام الناس اُن کی طرف متوجہ ہو کر مستفیض ہوں اور وہ صرف ایک چادر، جب پھٹ جائے تو دوسری، نہ کہ یہ لامتناہی شروع کر دیا جائے۔ رسم کے طور پر چادر چڑھانے کو اُنھوں نے فضول قرار دیا ہے اور لکھا ہے: جو دام اس میں صرف کریں ولی اللہ کی روح مبارک کو ایصال ثواب کے لیے محتاج کو دیں۔ (10)

فاتحہ کی چیز سامنے رکھنا:

کسی نے فاتحہ کی چیز کو سامنے رکھ کر ہی فاتحہ کرنے کو ضروریات دین میں سے سمجھا کہ اِس کے بغیر فاتحہ درست نہیں، یہ شریعت مطہرہ پر اِفترا ہے، ایسے شخص کے لیے توبہ لازم ہے۔ اس لیے کہ سامنے ہو یا سامنے موجود نہ ہو ہر حال میں فاتحہ درست اور جائز۔ (11)

مردہ کا کھانا (موت کے بعد ضیافت):

"مردہ کا کھانا صرف فقرا کے لیے ہے، عام دعوت کے طور پر جو کرتے ہیں یہ منع ہے، غنی نہ کھائے۔" (12)

سوم، چہلم وغیرہ کا تعین:

مسلمانوں میں فاتحہ، سوم، چہلم، برسی وغیرہ کا رواج عام ہے۔ مولانا بریلوی نے روح ایصال ثواب کو جائز قرار دیا ہے، لیکن وہ اِس میں غیر ضروری لوازمات کو بے اصل اور متعین یوم کو آسانی و سہولت کے لیے جائز سمجھتے ہیں اور اس خیال کو غلط تصور کرتے ہیں کہ متعین دنوں میں ہی زیادہ ثواب ملتا ہے۔ (13)

بچوں کے سر پر اولیا کے نام کی چوٹی رکھنا:

"اور اگر وہ مقصود جو بعض جاہل عورتوں میں دستور ہے کہ بچے کے سر پر بعض اولیائے کرام کے نام کی چوٹی رکھتی ہیں اور اس کی کچھ میعاد مقرر کرتی ہیں، اُس میعاد تک کتنی ہی بار بچے کا سر منڈے وہ چوٹی برقرار رکھتی ہیں، پھر میعاد گزار کر مزار پر لے جاتی ہیں وہاں بال اُتارتی ہیں تو یہ ضرور محض بے اصل و بدعت ہے۔"(14)

مرد کے لیے چاندی کے علاوہ زیور:

مرد کو سونا، چاندی، پیتل، کانسی وغیرہ کی انگوٹھی یا گھڑی پہننا جائز ہے یا ناجائز؟ اِس سوال کے جواب میں امام احمد رضا خان بریلوی فرماتے ہیں:

"چاندی کی انگوٹھی ایک نگ کی، ساڑھے چار ماشہ سے کم وزن کی مرد کو پہننا جائز ہے اور دو انگوٹھیاں یا کئی نگ کی ایک انگوٹھی یا ساڑھے چار ماشہ خواہ زائد چاندی کی اور سونے، کانسی، پیتل، لوہے، تانبے کی مطلقاً جائز نہیں۔ گھڑی کی زنجیر سونے کی مرد کو حرام اور دھاتوں کی بنی ممنوع ہے۔"(15)

عورتوں کی بے حجابی:

دورِ جدید کی بدعات میں عورتوں کا بے محابا گھومنا پھرنا، نامحرموں کے سامنے آنا، سب کے گھر جمع ہو کر کھانا پینا، رہنا سہنا، زیارت قبور کے لیے قبروں پر جانا اور نامحرم پیروں کو محرم سمجھ کر ان کے سامنے آنا عام ہے۔ مولانا بریلوی نے اِن بدعات کی مخالفت کی۔ ایک سوال کے جواب میں کہ عورت اپنے محارم اور غیر محارم کے یہاں جا سکتی ہے؟ یہ رسالہ تصنیف فرمایا: روح النجاء لخروج النساء. (16)

پیر سے پردہ:

عرض: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ پیر سے پردہ ہے یا نہیں؟ ایک بزرگ عورتوں سے بغیر حجاب کے حلقہ کراتے ہیں اور حلقہ کے بیچ میں بزرگ صاحب بیٹھتے ہیں، توجہ ایسی دیتے ہیں عورتیں بے ہوش ہو جاتی ہیں، اُچھلتی کودتی ہیں اور اُن کی آواز مکان سے باہر دور سنائی دیتی ہے، ایسی بیعت ہونا کیسا ہے؟

الجواب: ۱۔ پیر سے پردہ واجب ہے، جب کہ محرم نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۔ یہ صورت محض خلافِ شرع و خلافِ حیا ہے، ایسے پیر سے بیعت نہ چاہیے۔ (17)

خیرات کی چیزیں اوپر سے پھینکنا اور لوگوں کا انھیں لوٹنا:

امام احمد رضا خان چھتوں اور کوٹھوں پر سے روٹی، بسکٹ وغیرہ پھینکنے اور آب خوروں میں سے شربت کی لوٹ مچانے کے بارے ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

"یہ خیرات تو نہیں، شرور وسیئات ہے (یعنی ثواب نہیں گناہ کا کام ہے)، نہ اِرادۂ وجہ اللہ کی یہ صورت ہے بلکہ دکھاوے کی اور حرام ہے (اِس سے اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب نہیں، بلکہ ریا کاری ہے) اور رزق کی بے ادبی اور شربت کا ضائع کرنا گناہ ہے۔" (18)

نکاح کسی مہینہ میں منع نہیں:

امام احمد رضا فرماتے ہیں:

نکاح کسی مہینے میں منع نہیں، یہ غلط مشہور ہے کہ محرم و صفر میں نکاح کرنا منع ہے۔ (19)

شادی کے گانے باجے اور سہرا:

عرض: حضور! نوشہ کا وقت نکاح کا سہرا باندھنا نیز باجے گانے سے جلوس کے ساتھ نکاح کو جانا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

اِرشاد: خالی پھولوں کا سہرا جائز ہے اور یہ باجے جو شادی میں رائج و معمول ہیں، سب ناجائز و حرام ہیں۔(20)

فرائض و سنن چھوڑ کر مستحبات و مباحات کی پیروی:

اسلامی معاشرے کے بعض لوگ فرائض و سنن چھوڑ کر مستحبات اور مباحات کے پیچھے لگے رہتے ہیں۔ امام احمد رضا خان کی نظر میں ایسے لوگوں کی نیکیاں مردود ہیں۔ اس سلسلے میں آپ کا رسالہ أعزّ الاکتناہ فی ردِّ صدقة مانع الزکٰوة ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔(21)

شریعت و طریقت کی تقسیم:

بعض لوگ شریعت و طریقت کو الگ الگ خانوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ امام احمد رضا خان اس تقسیم کا سختی سے ردّ فرماتے ہیں اور طریقت کو عین شریعت قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"شریعت کے سوا سب راہوں کو قرآن عظیم باطل و مردود فرما چکا ہے۔"

ملاحظہ کریں: "مقال العرفاء باعزاز شرع وعلماء." فتاوی رضویہ، جلد: 21، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن۔(22)

بے پیر کا حکم:

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے اور مشہور ہے کہ جس کا کوئی پیر یا مرشد نہیں اُس کا پیر

ابلیس (شیطان) ہے۔ امام احمد رضا خان اِس خیال کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"انجام کار دستگیری کے واسطے صرف نبی کو مرشد جاننا بس ہے۔"(23)

گھروں میں تصویریں لگانے، مجسمے سجانے کا رواج:

آج کل تعلیم یافتہ گھرانوں میں تصویریں لگانے اور مجسمے سجانے کا عام رواج پڑ گیا ہے۔ بعض لوگ تبرکاً براق، حضور غوث پاک اور دیگر بزرگوں کی فرضی و حقیقی تصاویر بھی لگاتے ہیں۔ امام احمد رضا خان نے اِس کی سختی سے ممانعت کی ہے۔ تصویر کے عدم جواز پر آپ نے ایک مستقل رسالہ "عطایا القدیر فی حکم التصویر" بھی تحریر فرمایا۔(24)

آلاتِ موسیقی کے ساتھ قوالیاں:

امام احمد رضا آلات موسیقی کے ساتھ قوالیوں کو ناجائز فرماتے ہیں، حتی کہ ایسے اعراس و محافل میں جہاں مزامیر کے ساتھ قوالی کا اہتمام ہو، شرکت کی ممانعت فرماتے ہیں۔ باجے گانے، ڈھول نقارے کے بارے ایک سوال کے جواب میں امام احمد رضا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پیش کرتے ہیں:

"ضرور میری امت میں وہ لوگ ہونے والے ہیں جو حلال ٹھہرائیں گے عورتوں کی شرمگاہ (یعنی زنا) اور ریشمی کپڑوں اور شراب اور باجوں کو۔"(25)

امام احمد رضا مزامیر کی ممانعت میں مولائی نظام الحق والدین سلطان اولیاء رضی اللہ عنہ وعنہم، مولانا فخر الدین رازی، مولانا محمد بن مبارک بن محمد علوی کرمانی (مرید حضور پرنور شیخ العالم فرید الحق والدین گنج شکر) کے احکام بحوالہ کتاب مستطاب "سیر الأولیاء" بھی نقل فرماتے ہیں۔ مزید اس ضمن میں امام احمد رضا خان کا رسالہ "مسائل سماع" اور

"أجلّ التحریر فی حکم المزامیر" ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔ (26)

پروفیسر شبیر احمد قمر پرنسپل امام اعظم کالج، مقبوضہ کشمیر لکھتے ہیں:

"ردِ منکرات کا جو عظیم کارنامہ آپ نے انجام دیا وہ اتنا واضح ہے کہ بیان کی اصلاً حاجت نہیں، مسلم معاشرہ میں پھیلی ہوئی بہت سی بدعتوں کو بیخ و بن سے اُکھاڑ پھینکنے کی سعی بلیغ کی اور اُن کے مضر اثرات سے ہر ایک کو باخبر کیا۔"

ندویت نے جب صلح کلیت اور نیچریت کی طرف مائل ہونا شروع کیا تو آپ نے اس کے استحصال میں متعدد رسائل کے علاوہ "فتاوی الحرمین" لکھ کر اسے مکمل طور پر ساکت اور خاموش کر دیا۔ رفض و تشیع کی تردید میں آپ نے رد الرفضۃ اور دلالۃ الطاعۃ جیسی مؤثر کتب مرقوم فرمائیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے جب جھوٹا دعوی نبوت کیا تو آپ نے "المبین ختم النبیین"، "السوء و العقاب"، "قھر الدیان علی مرتد بقادیان" کے ناموں سے مستقل رسائل لکھ کر اسے مرتد قرار دیا۔

فلسفۂ قدیمہ کے اصول و نظریات جب اسلام سے متصادم ہوئے تو آپ نے اس کی تردید میں مجتہدانہ بحث پر مبنی، مدلل کتب "الکلمۃ الملھمۃ" اور "فوزِ مبین" رقم کیں۔

خود کو صوفی مزاج کہنے والے لوگوں کی گمراہیاں جب حد سے تجاوز کرنے لگیں تو "الزبدۃ الزکیّہ" لکھ کر ان کی سخت گرفت فرمائی۔" (27)

ڈاکٹر عبد الجبار جونیجو، رئیس کلیہ فنون سندھ یونیورسٹی، چیئرمین سندھی ادبی بورڈ جامشورو بیان کرتے ہیں:

" امام احمد رضا نے اہل بدعت و ضلالت قادیانیت و نجدیت، سامراجیت

و دہریت کا ردّ فرمایا اور جو کافر تھے انہیں کافر بتایا، جس پر تمام عرب و عجم پکار اُٹھا، بڑے بڑے مفتیان عظام اور علمائے کرام لرز اٹھے تو پھر کیسے ممکن تھا کہ مجدد ِوقت خاموش رہتا، امام احمد رضا کو اِسلام کے انتہائی درد نے بے چین کر دیا تو باطل کی نقاب کشائی فرمائی۔"(28)

المختصر! امام احمد رضا خان نے اصلاح معاشرہ کے حوالے سے فکری، اعتقادی، اخلاقی، سماجی، معاشرتی اور اقتصادی لحاظ سے عوام کی بھر پور رہنمائی فرمائی اور بدعات وسیئات اور منکرات کا ہر پلیٹ فارم پر ڈٹ کر مقابلہ کیا، ان کے خلاف ہمیشہ قلمی وار بلند رکھا۔ ان تمام معاشرتی برائیوں کے خلاف اگر امام احمد رضا خان کی تعلیمات و اصلاحات کو آج وطن عزیز کے تعلیمی نصاب میں شامل کرلیا جائے تو یقیناً اصلاح معاشرہ کی طرف ایک اہم قدم ہوگا۔

کراچی یونیورسٹی سے ترک ولی محمد ایڈوکیٹ اِسی موضوع پر، پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری کی نگرانی میں پی ایچ ڈی کا مقالہ تیار کررہے ہیں۔ مقالے کا عنوان ہے "برصغیر کے اصلاح معاشرہ میں مولانا احمد رضا خان بریلوی کے فکری زاویوں کا تحقیقی مطالعہ"

حوالہ جات

1) معارف رضا ۱۹۹۲ء، ص:102، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی

2) ملفوظات اعلیٰ حضرت، حصہ سوم، ص:383، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی

3) احکام شریعت، ص:94، مطبوعہ کانپور۔ فاضل بریلوی اور امور بدعت، بزم فیضان رضا، بمبئی

4) فتاوی رضویہ، جلد:9، ص:522، 523، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ

5) فتاوی رضویہ، جلد:9، ص:528۔ فاضل بریلوی اور امور بدعت از مولانا محمد فاروق القادری،

بزمِ فیضانِ رضا، بمبئی ص:۲۰۹

(6) فاضل بریلوی اور امور بدعت، از مولانا محمد فاروق القادری، ص:223

(7) انوار البشارہ فی مسائل الحج و الزیارۃ، ص:138

(8) عرفان شریعت۔ فاضل بریلوی اور امور بدعت، ص:193

(9) فتاویٰ افریقہ، ص:84، مطبوعہ سنی دار الاشاعت، فیصل آباد۔ ہفت روزہ، نجوم (امام احمد رضا نمبر) نئی دہلی ص:6 (10) ہفت روزہ نجوم، ص:6 (11) المیزان المفتی

(12) احکام شریعت، حصہ دوم، ص:171، مطبوعہ مکتبہ شبیر برادرز

(13) فاضل بریلوی اور امور بدعت، ص:243

(14) ہفت روزہ نجوم، امام احمد رضا نمبر، ص:6

(15) ہفت روزہ نجوم، ص:6 (16) ایضاً

(17) احکام شریعت، حصہ دوم، مسئلہ:90، ص:198

(18) احکام شریعت۔ حصہ اول، ص:32

(19) ملفوظات اعلیٰ حضرت، حصہ اول، ص:95

(20) ملفوظات اعلیٰ حضرت، حصہ اول، ص:97

(21) مجلّہ امام احمد رضا کانفرنس، ۱۹۹۳ء (22) مجلّہ امام احمد رضا کانفرنس، ۱۹۹۳ء، ص:۷۲

(23) فتاویٰ افریقہ، ص:138، مطبوعہ: سنی دار الاشاعت، فیصل آباد

(24) مجلّہ امام احمد رضا کانفرنس، ۱۹۹۳ء ص:72

(25) صحیح بخاری، کتاب الاشربہ، باب ماجاء فی من یستحل الخمر، ج:2، ص:837، قدیمی کتب خانہ کراچی

(26) ملخص از احکام شریعت، ص:78 تا 82

(27) مجلّہ امام احمد رضا کانفرنس، ۱۹۹۷ء: ص:49

(28) مجلّہ امام احمد رضا کانفرنس" ۱۹۹۴ء ص:39

امام احمد رضا اور تحفظ ختم نبوت

تحریر: مفتی محمد تصدق حسین، فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ، ناظم تعلیمات المرکز الاسلامی

اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، کائنات کا منظم و مربوط انداز سے چلنا اُس کی قدرت کا بین ثبوت ہے۔ آسمان کی بلندی، زمین کا فرش، ہواؤں اور بادلوں کا نظم خالق کائنات کی حُسن صنعت کا پتہ دیتے ہیں۔ رب العالمین نے دنیا میں بسنے والے انسانوں کے لیے ہدایت وراہنمائی کا بھی کامل انتظام فرمایا۔ حضور سید العالمین ﷺ کی اُمت کے سر کردہ علما و صوفیا نے ہر دور میں امت کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیا اور دشمنانِ اسلام کے مذموم مقاصد کو ناکام بنایا۔

برصغیر میں مغلیہ دورِ حکومت کے اِنحطاط و زوال کے بعد انگریز ہندوستان پر قابض ہوئے تو اُنھوں نے ملتِ اسلامیہ کے زعما کو جبر و تشدد کا نشانہ بنایا۔ ملت اسلامیہ کے نامور لوگوں کی شہادت کے بعد ہندوستان کے مسلمانوں کے دکھ درد میں اور اضافہ ہوگیا۔ انگریز نے اسلامی اقتدار کو پامال و معدوم کرنے کے لیے سازشوں کے کئی جال بچھائے، لیکن خالق کائنات جل وعلا نے ہندوستان میں دینِ اسلام کے تحفظ کے لیے امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی صورت میں محافظ دین بھیج دیا۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اُس دورِ اِنحطاط میں ملتِ اسلامیہ کے کھوکھلے ہوتے وجود کو ولولۂ تازہ دیا۔ انگریز کی ہر سازش کے سامنے آہنی دیوار بن کر کھڑے ہوئے اور دین اسلام میں نقب زنی کی ہر کوشش و کاوش کو ناکام بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔

محبتِ رسول ﷺ ایمان کی شرطِ اولین ہے۔ امام الانبیا ﷺ کی محبت و اُلفت کے

بغیر کوئی بھی نیک عمل سند قبولیت نہیں پاتا۔ اُمت مسلمہ کے لیے رحمت عالمین ﷺ کی اتباع و اِطاعت سرمایۂ حیات ہے۔ دامن رسول کریم ﷺ کے ساتھ وابستگی اُمتِ مسلمہ کی بقا کی ضمانت ہے۔ انگریز نے مسلمانوں کے مرکزِ محبت پر حملے کا منصوبہ بنایا اور مرزا غلام احمد قادیانی کو جعلی نبی بنا کر پیش کیا۔ مسلمانوں کے ایمان و ایقان کو متزلزل کرنے کے لیے مرزا غلام احمد قادیانی پر بھرپور سرمایہ کاری کی گئی۔ یہ بات محض عداوت و دشمنی پر مبنی نہیں، بلکہ تاریخی حقیقت ہے۔ اس حقیقت کا اِدراک خود مرزا غلام احمد قادیانی کو بھی تھا اور مرزا نے گورنر کو درخواست لکھتے ہوئے اِس کا اعتراف یوں کیا:

''میرا اِس درخواست سے، جو حضور کی خدمت میں اسمائے مریدین روانہ کرتا ہوں، مدعا یہ ہے کہ اگرچہ میں اِن خدمات خاصہ کے لحاظ سے جو میں نے اور میرے بزرگوں نے محض صدق دل اور اِخلاص اور جوشِ وفاداری سے سرکار انگریزی کی خوشنودی کے لیے کی ہیں، عنایت خاص کا مستحق ہوں، لیکن صرف اتنی اِلتماس ہے کہ وفادار اور جان نثار، پکے خیر خواہ اور سرکار انگریزی کے خدمت گزار، خود کاشتہ پودا کی نسبت خود حضور بھی اور ماتحت حکام بھی عنایت اور مہربانی کی نظر رکھیں۔ (تبلیغ رسالت، جلد:۷، ص:۱۹)

مرزا قادیانی کے اس اعتراف کے بعد کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ مرزائی تحریک کے پس پردہ ساری کارفرمائی انگریز حکومت کی تھی۔ (اب تو بہت سے حقائق مزید واضح ہو چکے ہیں) مرزا قادیانی کو کھڑا کرنے کا مقصد ہی دین اسلام میں تشکیک پیدا کرنا تھا؛ اِس لیے مرزا اسلام کے لبادے میں آیا اور دعویٔ نبوت سے پہلے کئی کھیل کھیلے۔ اُس کے مکروفریب کی وجہ سے عوام کے ساتھ خواص بھی تذبذب کا شکار ہوئے۔ جن صلحائے امت

نے بروقت امت مسلمہ کو قادیانی فتن سے خبر دار کیا، اُن میں مجددِ دین وملت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی سرفہرست ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے بڑے واضح اور دوٹوک انداز میں مرزا قادیانی کے باطل دعوؤں کا ردّ فرمایا اور اس کے کفر کا پردہ چاک کیا۔ امام اہل سنت نے عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ اور فتنۂ قادیانیت کے ردّ میں کئی کتب تصنیف فرمائیں۔ چند کے نام یہ ہیں:

المُبِیْن ختمَ النَّبِیِّیْن	۱۳۲۶ھ
قَھرُ الدیَّانِ علیٰ مُرتدٍّ بِقَادیان	۱۳۲۳ھ
الجُرَازُ الدَّیَّانِی علی المرتدِّ القادیانی	۱۳۴۰ھ
جَزَاءُ اللّٰہ عَدُوَّہ بِاِبَائِہٖ خَتمَ النُّبُوہ	۱۳۱۴ھ

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت نے عقیدۂ ختم نبوت کو آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ اور اجماع امت سے ثابت کیا اور یہ واضح کیا کہ حضور خاتم النبین ﷺ کی بعثت کے بعد نبوت کے حوالے سے کوئی بھی دعوی، خواہ کسی طرح کا ہو، قابل سماعت نہیں۔

امام اہل سنت نے حضور سید عالم ﷺ کی ختم نبوت کو سو سے زیادہ احادیث سے ثابت کیا۔

سادہ لوح مسلمانوں کو اپنے دام تزویر میں پھانسنے کے لیے قادیانی اور اُن کے حواری لفظ "خَاتَمُ النَّبِیّین " میں مختلف تاویلاتِ فاسدہ کا سہارا لینے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔

اُن میں سے ایک تاویل یہ بھی ہے کہ "النَّبِیّین "پر الف لام عہد خارجی کا ہے۔

اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "المبین ختم النبیین" میں اِسی مسئلہ پر بحث فرمائی اور کئی وجوہ سے اِس باطل نظریے کا ردّ فرمایا اور ثابت کیا کہ "النَّبِیّین "پر الف لام عموم واستغراق کے لیے ہے۔ یہ امت مسلمہ کا اِجماعی عقیدہ ہے۔ ملت اسلامیہ کے عظیم

سپوت کے غیرت وحمیت سے بھرپور قلم سے نکلے ہوئے یہ الفاظ دل کی آنکھیں کھول کر پڑھنے کے قابل ہیں:

حضور پرنور خاتم النبیین سید المرسلین ﷺ کا خاتم، یعنی بعثت میں آخر جمیع انبیاء ومرسلین بلا تاویل و بلا تخصیص ہونا ضروریات دین سے ہے۔ جو اِس کا منکر ہو یا اِس میں ادنیٰ شک وشبہ کو بھی راہ دے کافر، مرتد، ملعون ہے۔ آیۂ کریمہ: ولٰکن رسول اللّٰہ وخاتم النبیین وحدیثِ متواتر: لا نَبِیَّ بَعْدِی سے تمام امت مرحومہ نے سلفاً وخلفاً یہی معنیٰ سمجھے کہ حضور اقدس ﷺ بلا تخصیص، تمام انبیاء میں آخری نبی ہوئے۔ حضور کے ساتھ یا حضور کے بعد قیامِ قیامت تک کسی کو نبوت ملنی محال ہے۔

آگے چل کر اپنے برق بار قلم سے منکرین ختم نبوت پر یوں تازیانے برساتے ہیں:

بالجملہ آیۂ کریمہ: ولٰکن رسول اللّٰہ وخاتم النبیین مثل حدیث متواتر: لا نبی بعدی قطعاً عام، اوراس میں مراد اِستغراق تام، اوراس میں کسی قسم کی تاویل وتخصیص نہ ہونے پر اجماعِ امتِ خیر الانام، علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔ یہ ضروریاتِ دین سے ہے اور ضروریات دین میں کوئی تاویل یا اُس کے عموم میں کچھ قیل وقال اصلاً مسموع نہیں۔ جیسے آج کل دجال قادیانی بک رہا ہے کہ: ''خاتم النبیین'' سے ختم نبوتِ شریعتِ جدیدہ مراد ہے، اگر حضور کے بعد کوئی نبی اسی شریعت مطہرہ کا مروّج وتابع ہوکر آئے کچھ حرج نہیں۔ اور وہ خبیث اس سے اپنی نبوت جمانا چاہتا ہے۔

یا ایک اور دجال نے کہا تھا: تقدم، تأخر زمانی میں کچھ فضیلت نہیں، ''خاتم'' بمعنی

''آخر'' لینا خیال جہال ہے، بلکہ ''خاتم النبیین'' بمعنی نبی بالذات ہے، اور اِسی مضمون ملعون کو دجال اوّل نے یوں ادا کیا کہ ''خاتم النبیین'' بمعنی ''افضل النبیین'' ہے۔

ایک اور مرتد نے لکھا: ''خاتم النبیین'' ہونا حضور رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا بہ نسبت اس سلسلۂ محدودہ کے ہے، نہ بہ نسبت جمیع سلاسل عوالم کے، پس اور مخلوقات کا اور زمینوں میں نبی ہونا ہرگز منافی ''خاتم النبیین'' کے نہیں؛ کہ جموع محلّی باللام امثالِ اِس مقام پر مخصوص ہوتی ہیں۔

چند اور خبیثوں نے لکھا کہ الف لام ''خاتم النبیین'' میں جائز ہے کہ عہد کے لیے ہو، اور برتقدیرِ تسلیم استغراق جائز ہے کہ استغراقِ عرفی کے لیے ہو، اور برتقدیرِ حقیقی جائز ہے کہ مخصوص البعض ہو، اور بھی عام کے قطعی ہونے میں بڑا اختلاف ہے کہ اکثر علما ظنی ہونے کے قائل ہیں۔

ان شیاطین سے بڑھ کر اور بعض ابلیسوں نے لکھا کہ اہل اسلام کے بعض فرقے ختم نبوت کے بھی قائل نہیں اور بعض قائل ختم نبوتِ تشریعی کے ہیں، نہ مطلق نبوت کے.........

یہ سب تاویل رکیک ہیں یا عموم و استغراق ''النبیین'' میں تشویش و تشکیک، سب کفرِ صریح و ارتداد قبیح۔ اللہ و رسول نے مطلقاً نفی نبوتِ تازہ فرمائی، شریعت جدیدہ وغیرہا کی کوئی قید کہیں نہ لگائی، اور صراحۃً ''خاتم'' بمعنی ''آخر'' بتایا۔ متواتر حدیثوں میں اس کا بیان آیا اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے اب تک تمام امت مرحومہ نے اِسی معنیٰ ظاہر و متبادر و عموم و استغراق حقیقی تام پر اجماع

کیا اور اِسی بنا پر سلفاً خلفاً ائمہ مذاہب نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد ہر مدعیٔ نبوت کو کافر کہا۔ کتب احادیث وتفسیر وعقائد وفقہ ان کے بیانوں سے گونج رہی ہیں۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد: ۱۴، ص: ۳۳۶، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ)

دورِ جدید کے فتنوں میں ایک فتنہ آزادیٔ اظہارِ رائے کے روپ میں بھی سامنے آیا ہے۔ ہر شخص اپنے حظِّ نفس کے لیے دین سے کھلواڑ کرتا ہے، جب دین اسلام کے احکام کی روشنی میں اُس پر گرفت ہوتی ہے تو ہر شخص پہلو بدل کر بچنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میری بات کا مطلب یہ ہے، آپ غلط سمجھے۔

مرزا قادیانی کی ذریت بھی اُس کے جھوٹوں پر ایسے ہی پردہ ڈالنے کی کوشش میں مصروف رہتی ہے۔ ایسی بے ہودہ باتوں کے سد باب کے لیے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت بریلوی کا اخلاص وحکمت سے بھرا یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

معنی کے چار ہی قسم ہیں: لغوی، شرعی، عرفی، عام یا خاص۔ یہاں عرف عام تو بعینہٖ وہی معنی شرعی ہے جس پر کفر قطعاً حاصل اور اِرادۂ لغوی کا ادعا یقیناً باطل۔

اب یہی رہا کہ فریب دہیٔ عوام کو یوں کہہ دے کہ میں نے اپنی خاص اصطلاح میں نبی ورسول کے معنی اور رکھے ہیں، جن میں مجھے سگ وخوک سے امتیاز بھی ہے اور حضرات انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وصفِ نبوت میں اشتراک بھی نہیں، مگر حاشا للہ! ایسا باطل اِدعاء اصلاً شرعاً عقلاً عرفاً کسی طرح بادِ شتر سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ ایسی جگہ لغت وشرع وعرف عام سب سے الگ اپنی نئی اصطلاح کا مدعی ہونا قابل قبول ہو تو کبھی کسی کافر کی کسی سخت سے سخت بات پر

گرفت نہ ہو سکے، کوئی مجرم کسی معظم کی کیسی ہی شدید توہین کر کے مجرم نہ ٹھہر سکے؛ کہ ہر ایک کو اختیار ہے اپنی کسی اصطلاح خاص کا دعویٰ کر دے، جس میں کفر و توہین کچھ نہ ہو۔

کیا زید کہہ سکتا ہے خدا دو ہیں؟ جب اس پر اعتراض ہو کہہ دے میری اصطلاح میں ایک کو دو کہتے ہیں۔ کیا عمرو جنگل میں سور کو بھاگتا دیکھ کر کہہ سکتا ہے وہ قادیانی بھاگا جاتا ہے؟ جب کوئی مرزائی گرفت چاہے، کہہ دے میری مراد وہ نہیں جو آپ سمجھے، میری اصطلاح میں ہر بھگوڑے یا جنگلی کو قادیانی کہتے ہیں۔ اگر کہیے کوئی مناسبت بھی ہے؟ تو جواب دے کہ اصطلاح میں مناسبت شرط نہیں؛"لا مُشَاحَّةَ فی الاصطلاح" آخر سب جگہ منقول ہی ہونا کیا ضرور؟ لفظ مرتجل بھی ہوتا ہے، جس میں معنیٔ اوّل سے مناسبت اصلاً منظور نہیں ....

(فتاوی رضویہ، جلد:۱۵،ص:۵۸۲،مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ)

عقیدۂ ختم نبوت ملتِ اسلامیہ کا اجماعی موقف ہے۔ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمہ نے اپنے اسلاف کی یاد تازہ کرتے ہوئے فتنۂ قادیانیت کا بھرپور تعاقب فرمایا اور مضبوط دلائل سے قادیانی مکروفریب کو عیاں کیا۔

ارباب حل وعقد کو چاہیے کہ قادیانیوں کی ریشہ دوانیوں اور ملک پاکستان کے خلاف اُن کی سازشوں کا باریک بینی سے جائزہ لیں؛ تاکہ ملک پاکستان کو مضبوط خوشحال اور مستحکم بنایا جا سکے۔

اللہ تعالیٰ ارضِ وطن کی فضاؤں کو نظام مصطفیٰ ﷺ اور محبت رسول ﷺ کی خوشبو اور مہک سے معطر و منور کرے۔ آمین

امام احمد رضا مکتوبات کے آئینے میں

تحریر: مولانا مصطفیٰ علی خان مہتاب افتخاری

نوٹ: درج ذیل مضمون ''حیات اعلیٰ حضرت'' مؤلفہ: ملک العلما حضرت علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ سے ماخوذ ہے۔

....

کسی بھی شخصیت کے اصلی خدوخال پڑھنے کے لیے اُس کے خطوط و مکتوبات کا مطالعہ سب سے بہترین مواد فراہم کرتا ہے۔نجی مکتوبات میں تصنع و بناوٹ کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ ہر لفظ بے لاگ اور ہر جملہ برجستہ ہوتا ہے۔مکتوبات کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ اشخاص کی زندگی کا صحیح آئینہ دار ہوتے ہیں۔مکتوبات میں مکتوب نویس کی زندگی آداب والقاب کے بوجھ تلے دب کر نہیں رہ جاتی ہے، بلکہ ایک صاف شفاف تالاب میں کنول کے پھول کی طرح اُبھر کر وہ جلوہ طرازیاں کرتی ہے کہ دیکھنے والے عش عش کرنے لگتے ہیں۔ دنیائے ادب میں مکتوبات نے بھی ایک ادبی حیثیت حاصل کرلی ہے اور شخصیتوں کی زندگی کے ہر گوشے کو نمایاں کرنے کا بہترین ذریعہ کہا جارہا ہے۔ ہم اِنھیں نظریات کی روشنی میں امام احمد رضا کے مکتوبات کا مطالعہ آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

مناظرہ:

آپ اپنے ایک خط مرقومہ ۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۲ھ بنام مولانا ظفر الدین صاحب (بہاری) تحریر فرماتے ہیں:

''کلکتہ میں دیابنہ کا جلسہ تھا، وہاں بھی جا کر مناظرہ کا غُل کیا۔ پندرہ پندرہ ہزار

روپے جمع کر دینے ٹھہرے۔ تاروں اور خطوں پر 12 دن مکالمہ رہا، مگر نہ تھانوی نے اِقرار مناظرہ کیا، نہ دیا بنہ جم سکے۔ اِسی طرح ماہ صفر میں رہتک ضلع پنجاب سے تھانوی صاحب نے پہلے ہی خط پر فرار کیا۔"

مندرجہ بالا سطور سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ مناظرے سے فرار دیوبندیوں اور وہابیوں کی عادت ثانیہ ہے۔ مناظرے سے پہلے تار اور خطوط کے ذریعہ اُلجھانے کی ہمیشہ کوشش نامسعود اُن کا وطیرہ ہے۔ بھمیڑی (بھارت کا ایک شہر) کے مناظرے میں بھی یہی سب کچھ ہوا تھا، جس کی طرف امام احمد رضا نے اِشارہ فرمایا ہے۔

شاگردوں سے محبت:

آپ اپنے شاگردوں سے بڑی محبت فرمایا کرتے تھے اور ان کی علمی قابلیت کو سراہتے تھے۔ چنانچہ خلیفہ تاج الدین احمد صاحب کو لکھتے ہیں:

"مکرمی مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری سلمہٗ فقیر کے یہاں اعز (عزیز ترین) طلبہ سے ہیں اور میرے بجان عزیز۔ ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسے میں مدرس اور اِس کے علاوہ کارِ اِفتا میں میرے معین ہیں۔ میں نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئی ہوں سب سے یہ زائد ہیں مگر اتنا ضرور کہوں گا: ا۔ سنی خالص مخلص صحیح العقیدہ ہادی مہدی ہیں۔ ۲۔ عام درسیات میں بفضلہٖ تعالیٰ عاجز نہیں۔ ۳۔ مفتی ہیں۔ ۴۔ مصنف ہیں ۵۔ واعظ ہیں۔ ۶۔ مناظرہ بعونہٖ تعالیٰ کر سکتے ہیں۔

۷۔ علمائے زمانہ میں "علم توقیت" سے تنہا آگاہ ہیں۔ امام ابن حجر مکی نے "زواجر" میں اِس علم کو فرض کفایہ لکھا ہے اور اب ہند بلکہ عام بلاد میں یہ علم علما بلکہ عامہ

مسلمین سے اُٹھ گیا۔ فقیر نے بتوفیق قدیر اِس کا اِحیا کیا اور سات صاحب بنانا چاہے، جن میں بعض نے انتقال کیا، اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ کر بیٹھے، اُنھوں نے بقدر کفایت اخذ کیا اور اب میرے یہاں کے اوقات طلوع وغروب ونصف النہار ہر روز وتاریخ کے لیے اور جملہ اوقات ماہِ مبارک رمضان شریف کے لیے بھی بناتے ہیں۔"

یہ خط ۵ شعبان المکرّم ۱۳۲۸ھ کو لکھا گیا تھا۔

اِس خط کا مطالعہ بتاتا ہے کہ امام احمد رضا علمِ توقیت سے کماحقہٗ واقفیت رکھتے تھے، جبھی تو اپنے ایک شاگرد کے "علم توقیت" پر عبور کو کس درجہ اعتماد کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔ یہ اظہار بھی مترشح ہے کہ آپ اپنے زمانے میں علم توقیت سے لوگوں کی عدم توجہی پر نالاں ہیں اور اِس علم کی اہمیت پر زور دینے کے لیے فرماتے ہیں کہ امام ابن حجر مکی نے "زواجر" میں اس علم کو فرض کفایہ لکھا ہے۔ آج کی ہماری علمی درسگاہیں اِس علم سے بے خبر ہیں۔ علم توقیت وہ علم ہے جس کے ذریعہ اوقاتِ طلوع وغروب ونصف النہار برائے زمانہ مستقبل آج بتایا جاسکے۔ اِس کے لئے علم ہیئت وریاضی اور طول البلد وعرض البلد کا جاننا بھی ضروری ہے۔

وہابیہ کی فطرت:

ایک خط میں، جو مولانا ظفر الدین صاحب کے نام ہے، لکھتے ہیں:

"لہٰذا یہ پلندۂ بیرنگ مرسَل ہے۔ وہابیہ نے اِس مسئلہ کو طول دیا ہے۔ مدت سے اُن کی تمنا تھی کہ اُصول دین چھوڑ کر کسی فرعی مسئلہ میں بحث آپڑے۔"

نوٹ کیجیے! وہابیوں کی فطرت کا کتنا اچھا تجزیہ ہے، وہ ہمیشہ سنیوں کو اُلجھانے کے لیے

اُصول دین سے ہٹ کر کسی فرعی مسئلہ کو چھیڑ دیتے ہیں، یہ سنیوں کے لیے انتباہ ہے۔

سفید داغ کا مجرب نسخہ:

امام احمد رضا، جنہیں طب میں بھی شغف تھا، مرض سفید داغ کے لیے ایک مجرب نسخہ تحریر فرماتے ہیں:

”صندل سفید 1 ماشہ، سم الفار سنکھیا 1 ماشہ، ہر دو را خوب سحق کردہ، قدرے برداغ سفید خوب بمالند تا آنکہ آب ازاں داغ برآمد، ہر دو وقت بمالند، جوش خواہد کرد روغن برآتش داشتہ مکیہ برگ نیم درآں اندازند، و قتیکہ سوختہ شود بردار و روغن صاف کرد وبرجراحت رسانده خواہد شد، وبدن برنگ اصلی می رسد۔“

ترجمہ: صندل سفید 1 ماشہ، سم الفار سنگھیا 1 ماشہ۔ دونوں کو خوب سحق کر کے کچھ سفید داغ پر خوب ملے یہاں تک کہ اُس میں سے پانی نکلنے لگے، دو وقت ملے، تیل کو آگ پر خوب جوش دے کر اُس میں نیم کی پتیوں کو ٹکیا بنا کر تیل میں اتنا پکائے کہ وہ جل جائیں بعد ازاں تیل کو صاف کر کے مالش سے پیدا ہونے والے زخموں پر لگائے، جسم کا رنگ اپنی اصلی حالت پر آ جائے گا۔

شبِ براٗت کی فضیلت اور معافی کی ترغیب:

ایک خط میں شبِ براٗت کی فضیلت تحریر فرماتے ہیں کہ مسلمان سچے دل سے ایک دوسرے سے محبت کریں، آپس میں نفاق نہ رکھیں کہ نفاق مولا تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔ سچے

دل سے صلح و معافی ہونی چاہیے۔ مصالحت اخوان اور معافی حقوق (یعنی مسلمانوں میں بھائی چارہ قائم کرنا اور ایک دوسرے کے حقوق معاف کرنا)، یہ مسلمانوں کا شیوہ ہے؛ اس لیے اِس کے اِجرا میں کوشش ہونی چاہیے۔ یہ سنت حسنہ ہے۔ اسی لیے امام احمد رضا، جو مردہ سنتوں کو زندہ کرتے تھے، نے اپنے منصب مجددیت کے فرائض کی انجام دہی میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔

خط کے الفاظ درج ذیل ہیں:

''السلام علیکم و رحمۃ اللہ علیہ و برکاتہ! شب برأت قریب ہے، اِس رات تمام بندوں کے اعمال حضرت عزت میں پیش ہوتے ہیں۔ مولا عزوجل بطفیل حضور پُرنور شافع یوم النشور علیہ افضل الصلوٰۃ و السلام مسلمانوں کے ذنوب معاف فرماتا ہے مگر چند، اِن میں وہ دو مسلمان جو باہم دنیوی وجہ سے رنجش رکھتے ہیں، فرماتا ہے: اِن کو رہنے دو جب تک آپس میں صلح نہ کرلیں۔ لہٰذا اہل سنت کو چاہیے کہ حتی الوسع قبل غروب آفتاب ۱۴ شعبان باہم ایک دوسرے سے صفائی کرلیں، ایک دوسرے کے حقوق ادا کردیں یا معاف کرالیں کہ باذنہٖ تعالیٰ حقوق العباد سے صحائف اعمال خالی ہوکر بارگاہ عزت میں پیش ہوں۔ حقوقِ مولا تعالیٰ کے لیے توبۂ صادقہ کافی ہے۔ التائبُ من الذنب کمن لاذنب لہٗ۔ ایسی حالت میں باذنہٖ تعالیٰ ضرور اِس شب میں اُمیدِ مغفرت تامہ ہے، بشرط صحت عقیدہ وَھُوَ الغفور الرحیم. یہ سب مصالحتِ اخوان و معافی حقوق بحمدہٖ تعالیٰ یہاں سالہائے دراز سے جاری ہے، اُمید کہ آپ بھی وہاں مسلمانوں میں اِس کا اجرا کرکے مَنْ سَنَّ فی الاسلام سنۃً حسنۃً فلہٗ أجرھا وأجر من عمل بھا الی یوم القیامۃ لا ینقص من اجورھم شیئا کے مصداق ہوں۔ (یعنی جو اسلام میں

اچھی راہ نکالے اُس کے لیے اُس کا ثواب ہے اور قیامت تک جو اُس پر عمل کرے اُن سب کا ثواب ہمیشہ اُس کے نامۂ اعمال میں جائے، بغیر اِس کے کہ اُن کے ثوابوں میں کچھ کمی آئے) اور اِس فقیر ناکارہ کے لیے خصوصاً عفوو عافیت دارین کی دعا فرمائیں، فقیر آپ کے لیے دعا کرے گا اور کرتا ہے۔ سب مسلمانوں کو سمجھا دیا جائے کہ وہاں نہ خالی زبان دیکھی جاتی ہے نہ نفاق پسند ہے، صلح و معافی سب سچے دل سے ہو۔''

علم کی پیاس:

ایک حصہ میں اپنی طویل علالت کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''۲۲ ذی قعد سے آج ۲۲ ربیع الاوّل شریف تک کامل چار مہینے ہوئے کہ سخت علالت اُٹھائی۔ مدتوں مسجد کی حاضری سے محروم رہا۔ جمعہ کے لیے کرسی پر بٹھا کر لے جاتے اور لے آتے۔ اسی بیماری میں ''المینک 1918ء'' منگانی یاد نہ رہی۔''

اس خط سے پتہ چلتا ہے کہ امام احمد رضا کو بیماری کے عالم میں بھی علم سے جو شغف تھا وہ بدرجۂ اتم تھا۔ مطالعہ جاری رہتا تھا۔ ان کی زندگی کا کوئی لمحہ مطالعہ سے خالی نہیں تھا۔

''المینک'' اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں ستاروں کی چال، اوقات طلوع و غروب وغیرہ ہوتے ہیں، جس کو ہندی میں پنچانگ کہتے ہیں، یہ اسپینی عربی لفظ ''المناخ'' سے مشتق ہے، کچھ علمائے لسانیات کا کہنا ہے کہ یہ مصری لفظ ''المنیخا'' سے مشتق ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ علم کے معاملے میں انسان کو وسیع النظر ہونا چاہیے۔

فتاویٰ نویسی:

ایک خط میں امام احمد رضا نے اپنی دینی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اُنھوں نے پہلا فتویٰ 13 سال کی عمر میں لکھا تھا۔ اور ۱۳۳۶ھ تک اُن کے فتاوی نویسی کی عمر 50 سال ہوئی تھی۔

''فقیر نے ۱۴ شعبان ۱۲۸۶ھ کو 13 برس کی عمر میں پہلا فتوی لکھا۔ اگر سات دن اور زندگی بالخیر ہے تو اِس شعبان ۱۳۳۶ھ کو اس فقیر کو فتاوی لکھتے ہوئے بفضلہٖ تعالیٰ پورے پچاس سال ہوں گے۔''

عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

امام احمد رضا کو جو بے پناہ عشق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا، اُس کو مخالفین بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اِسی والہانہ عشق کا تذکرہ اپنے ایک خط بنام مولوی عرفان علی اس طرح کرتے ہیں کہ ہند تو ہند ہے مکہ میں مرنے کی بھی چاہت نہیں، بلکہ اُن کی دلی تمنا ہے کہ مدینہ میں اپنی جان دیں۔ کیا محبت ہے کیا جذبہ ہے!!

''وقت مرگ قریب ہے اور میرا دل ہند تو ہند مکہ معظّمہ میں بھی مرنے کو نہیں چاہتا ہے۔ اپنی خواہش یہی ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایمان کے ساتھ موت اور بقیع مبارک میں خیر کے ساتھ دفن نصیب ہو اور وہ قادر ہے۔''

مشورۂ احباب:

امام احمد رضا احباب کے مشورے کو نہایت اہم تصور فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک خط میں مولانا ظفر الدین کو لکھتے ہیں:

آپ کا رسالہ مُؤَذِّنُ الأوقات آیا۔نام بھی نہایت مناسب وموزوں پایا۔اس کے مقصد اوّل اور خاتمہ کو ضرور دکھالینا چاہیے اور تذھیب کا حرف بہ حرف قبل طبع دکھالینا فرض اہم ہے۔مولانا! کسی وقت اپنے آپ کو مشورۂ احباب سے مستغنی نہ کرنا بہت مفید فی الدین ہے۔"

اُردوئے معلیٰ:

اب آخر میں ہم امام احمد رضا کے خط کا ایک اقتباس پیش کریں گے جس کو پڑھ کر ناظرین کو مرزا غالب کے مکتوبات پڑھنے کا لطف آئے گا اور ایسا معلوم ہوگا کہ امام نے "اُردوئے معلیٰ" تحریر فرمایا ہے۔

"کاغذ کے نمونے آگئے، واقعی بہت گراں ہیں۔حاجی عیسیٰ گئے، مولوی امجد علی صاحب کے آنے پر رائے معلوم ہوگی۔کلکتہ میں بھی ایک عالم سُنّی کی بہت ضرورت ہے۔حاجی صاحب کو اللہ تعالیٰ برکات دے، تنہا اپنی ذات سے وہ کیا کیا کریں؟

سنیوں کی عام حالت یہی ہورہی ہے کہ جن کے پاس مال ہے اُنھیں دین کا کم خیال ہے اور جنہیں دین سے غرض ہے افلاس کا مرض ہے۔ورنہ کلکتہ میں حمایت کے لیے دو ہزار روپے ماہوار بھی کوئی چیز تھے؟

ادھر یہ مدرسہ شمس الہدیٰ، جس کی نسبت میں نے سنا کہ سولہ ہزار روپے سالانہ کی جائداد اُس کے لیے وقف ہے، اس کا بھی ہاتھ میں رکھنا ضرور ہے؛ مبادا کہ کوئی دیوبندی قابض ہوجائے۔العیاذ باللہ تعالیٰ۔افسوس کہ اِدھر نہ مدرس، نہ واعظ، نہ ہمت

والے مال دار، ایک ظفر الدین کدھر کدھر جائیں اور ایک لعل خاں کیا کیا بنائیں؟

وحسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل ولاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلیّ العظیم.

حاجی صاحب نے چٹائیوں کی نسبت پھر کچھ نہ لکھا، اگر یہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے بطور خود یہ کام بہ نیت لوجہ اللہ کیا؛ لہٰذا اس کا معاوضہ نہیں، تو بیشک نہیں۔ **وجزاہ اللّٰہ تعالٰی خیرًا** اور اگر میرے لکھنے کی بنا پر میری وجہ سے ہے تو حاشانہ یہ میرا مقصود تھا، نہ اب منظور؛ لہٰذا بات صاف ہونا ضرور۔"

....

ظرافتِ اعلیٰ حضرت از ''حیاتِ اعلیٰ حضرت''

تحریر: مولانا محمد بن تاج، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

نوٹ: حسبِ عنوان مضمون مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کی تصنیف ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' سے چند الفاظ کی ترمیم کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔

ملک العلما علامہ محمد ظفر الدین بہاری رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے جہاں دوسرے علمی کارنامے حدِّ اِحصا سے فزوں ہیں، وہیں ادبی لطیفے بھی اپنی شان میں خاص جدت رکھتے ہیں۔ اگر سب قلم بند ہو جاتے تو شائقینِ ادب کے لیے وہ مجموعہ ایک نایاب تحفہ ہوتا، مگر جو کچھ یاد ہیں لکھے جاتے ہیں۔

چمر پٹھان:

حضرت سید شاہ اسماعیل حسن میاں صاحب مارہروی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جدی شاہ برکت اللہ قدس سرہ العزیز کے عرس میں مولانا احمد رضا خان صاحب تشریف لائے۔ اِس سفر میں اُن کے بہنوئی بھی اُن کے ساتھ تھے۔ اُنھوں نے میرے خادم غلام نبی سے اُس کی ذات پوچھی، اُس نے جواب دیا: ہم پٹھان ہیں۔ اِس پر انھوں نے کہا: ''تو تم ہمارے بھائی ہو!'' اُنھوں نے غلام نبی سے دریافت کیا: تم کون سے پٹھان ہو؟ چونکہ وہ بوجہ لڑکپن وناواقفی جواب نہ دے سکتا تھا؛ اِس لیے بار بار کے سوال سے چڑ گیا، کہنے لگا: ''میں کون پٹھان؟ چمر پٹھان ہوں۔'' اِس پر مولانا نے ازراہِ مزاح اپنے بہنوئی سے فرمایا: ''یہ آپ کے بھائی ہیں اور اپنے آپ کو چمر پٹھان بتاتے ہیں، آپ کی اَل (ذات) آج معلوم ہوئی کہ آپ چمر پٹھان ہیں۔''

اعلیٰ حضرت اور محدث سورتی علیہما الرحمہ:

پہلی بھیت میں ایک دعوت میں حضرت مولانا شاہ وصی احمد صاحب محدث سورتی اور اعلیٰ حضرت تشریف فرما تھے۔ دستر خوان بچھانے سے پیشتر میزبان نے آفتابہ وطشت لیا کہ ہاتھ دھلائے جائیں۔ حضرت محدث صاحب نے عرفی دستور کے مطابق میزبان کو اِشارہ کیا کہ اعلیٰ حضرت کے ہاتھ پہلے دھلائے جائیں۔ اعلیٰ حضرت نے برجستہ فرمایا کہ آپ محدث ہیں اور اعلم بالسنہ (حدیث کو زیادہ جاننے والے) ہیں، آپ کا یہ فیصلہ بالکل حق اور آپ کی شان کے لائق ہے؛ کیوں کہ سنت یہ ہے کہ اگر ایک مجمع مہمانوں کا ہو تو سب سے پہلے چھوٹے کا ہاتھ دھلایا جائے اور آخر میں بڑے کا ہاتھ دھلایا جائے؛ تاکہ بزرگ کو ہاتھ دھونے کے بعد دوسرے کے ہاتھ دھونے کا انتظار نہ کرنا پڑے اور کھانا ختم ہو جانے کے بعد سب سے پہلے بڑے کا ہاتھ دھلایا جائے۔ میں شروع میں ابتدا کرتا ہوں، لیکن کھا چکنے کے بعد آپ کو ابتدا کرنی ہوگی۔

مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی کا بیان ہے کہ اس دستر خوان پر میں بھی حاضر تھا۔ اعلیٰ حضرت کے اِرشاد پر حضرت محدث (سورتی) صاحب نے ہاتھ بڑھا کر طشت کو اپنی طرف کھینچا کہ سب سے پہلے میرے ہاتھ دھلائے جائیں، اعلیٰ حضرت نے مسکرا کر فرمایا: اپنے فیصلے کے خلاف عمل درآمد آپ کی شان کے خلاف ہے۔

غیر مسلم جادوگر کو کلمہ پڑھا دیا:

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضور مسجد سے تشریف لا رہے تھے، دیکھا کہ ایک بازی گر (شعبدہ باز) کے پاس لوگوں کا مجمع ہے، وہ پانی کے بھرے

ہوئے پیالے کو ایک دھاگے کا سرا ڈال کر اُٹھا رہا ہے۔ حضور نے اپنے پائے مبارک سے اپنا جوتا اتار کر اُس کے سامنے ڈال دیا اور فرمایا کہ تُو اِسے لوٹ (پلٹ) دے! بھلا وہ کیا ٹس سے مس کرتا؟ آخر پہن کر کاشانۂ اقدس میں تشریف لے گئے۔

مولانا امانت رسول کی ''تجلیاتِ امام احمد رضا'' میں یہی واقعہ کچھ یوں ہے:

حضرت شاہ مانا میاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میرے پیر و مرشد اعلیٰ حضرت اپنی مسجد سے نماز پڑھ کر تشریف لا رہے تھے کہ محلّہ سوداگران کی گلی میں لوگوں کا ہجوم دیکھا۔ اعلیٰ حضرت نے دریافت کیا: ''یہ کیسا مجمع ہے؟'' تو بتایا گیا کہ ایک غیر مسلم جادوگر اپنا جادو دکھا رہا ہے، تین چار کلو پانی سے بھرا ہوا برتن کچے تاگے (دھاگے) سے اُٹھا رہا ہے۔ اعلیٰ حضرت بھی اس مجمع کی طرف بڑھے اور اُس جادوگر سے فرمانے لگے: ''ہم نے سنا ہے تین چار کلو پانی سے بھرا ہوا برتن کچے تاگے (دھاگے) سے اُٹھا لیتے ہو؟'' اس نے کہا: جی ہاں! ارشاد فرمایا: ''کوئی اور چیز بھی اٹھا سکتے ہو؟'' اس نے کہا: لائیے! جو چیز آپ دیں اُٹھا سکتا ہوں۔ اعلیٰ حضرت نے اپنے جوتے کو اپنے پیر سے نکالتے ہوئے (آپ ناگرہ جوتا پہنتے تھے جو مشکل سے پچاس گرام کا ہوتا تھا) فرمایا:

''لو، اِس کو اٹھانا تو دور رہا اپنی جگہ سے ہٹا دو تو بڑی بات ہے۔''

جادوگر نے بہت کوشش کی، لیکن وہ اس نعل مقدس کو اپنی جگہ سے ہلا نہیں سکا۔

اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا: ''اچھا برتن ہی کو اب اٹھا کر دکھا دو۔''

اب جو اس نے برتن کو اٹھانا چاہا تو برتن بھی نہیں اٹھ سکا۔ وہ جادوگر اس کرامت کو دیکھ کر اعلیٰ حضرت کے قدموں پر گر پڑا اور کلمہ طیبہ پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہو گیا اور اعلیٰ حضرت کی بارگاہ سے روحانیت کی نعمت عظمیٰ لے کر واپس ہوا۔

تقریبِ ختنہ میں شرکت:

اُنہی کا بیان ہے کہ جیلانی میاں سلمہٗ (مولانا ابراہیم رضا خان علیہ الرحمہ) کی تقریبِ ختنہ بہت دھوم دھام سے منائی گئی تھی۔ اعزا و اقربا اور شہر کے رؤسا اور عام و خاص سب شریکِ تقریب تھے۔ جس مکان میں ختنہ ہونے والا تھا سب کو وہاں چلنے کے لیے کہا گیا، اب لوگ روانہ ہوئے تو کسی نے حضور سے بھی تشریف لے چلنے کے لیے عرض کیا، ارشاد فرمایا:

''میں تو اِس موقع پر کبھی جاتا نہیں ہوں، اپنی دفعہ میں مجبوری تھی۔''

برگ سبز است تحفۂ درویش:

ایک مرتبہ الٰہ آباد کے ایک صاحب تشریف لائے، وہاں کے امرود مشہور ہیں، چند امرود جن پر پتے لگے ہوئے تھے ایک چھوٹے سے طشت میں رکھ کر حاضر کیے۔ اُس وقت اعلیٰ حضرت ظہر کی نماز پڑھ کر زنانہ مکان میں تشریف لیے جا رہے تھے، جب اعلیٰ حضرت سیڑھی کے قریب پہنچے اور سیڑھی پر چڑھنے لگے تو یہ صاحب حاضر ہوئے اور وہ طشت پیش کرتے ہوئے عرض کیا:

ع برگِ سبز ست تحفۂ درویش (فقیر کی طرف سے چند سبز پتوں کا تحفہ حاضر ہے)

اعلیٰ حضرت نے امرود میں سے پتّا ذرا زور دے کر اُٹھا لیا اور فرمایا: ''کچھ برگِ سبز میں نے قبول کر لیے'' اور مسکراتے ہوئے حویلی میں تشریف لے گئے۔

وہ صاحب بے چارے سخت پشیمان ہوئے اور خاموش وہاں سے واپس ہوئے اور بولے: اب کیا کریں؟ ہم یہ امرود اعلیٰ حضرت کے لیے الٰہ آباد سے لائے تھے، اور میں نے یہ مصرع انکسارًا پڑھا تھا، لیکن اعلیٰ حضرت نے امرود کے پتے لے لیے اور امرود قبول نہیں

فرمائے۔ہم (مولانا ظفر الدین بہاری) نے کہا: آپ پریشان نہ ہوں؛ یہ اعلیٰ حضرت نے بطورِ طیبت (خوش طبعی) کیا، آپ کسی دائی (گھریلو ملازمہ) کے ہاتھ ان کو اندر بھجوا دیجیے، قبول کرلیں گے۔ اُنھوں نے امرود اندر بھیج دیے، اعلیٰ حضرت نے قبول فرمالیے، یہ بہت خوش ہوئے اور مجھے دعائے خیر دینے لگے۔ **جزاک اللّٰہ تعالیٰ خیرًا.**

آریہ دھرم پر چار حرف:

کسی آریہ نے اپنے مذہب کے متعلق ایک کتاب لکھی اور اُس کا نام "آریہ دھرم پرچار" رکھا۔ جب وہ کتاب چھپی تو مصنف نے ایک نسخہ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بھی اِرسال کیا۔ حضرت نے اُس کتاب کو ملاحظہ فرما کر جگہ جگہ پر اُس کا ردّ حاشیہ پر لکھا اور اِسی طرح جلی قلم سیاہ روشنائی سے ''پرچار'' کے بعد ''حرف'' بڑھا دیا۔ اِس طرح کتاب کا نام "آریہ دھرم پر چار حرف" ہوگیا۔ (''چار حرف'' لعنت کو کہتے ہیں)

جناس الأجناس کے بجائے أنجاس الخنّاس:

ایک رافضی نے اپنے مذہب کی حمایت میں ایک کتاب لکھی اور عربی ادب کا اپنی دانست کے مطابق بہت لحاظ کیا۔ اور صنائع و بدائع کو بھی ہاتھ سے جانے نہ دیا؛ اِسی وجہ سے اُس کا نام "**جِنَاسُ الأَجْنَاس**" رکھا۔ اُس نے ایک نسخہ اعلیٰ حضرت کے پاس بھیجا۔ حضرت نے ملاحظہ فرمانے کے بعد مجھے دیا کہ آج کی ڈاک سے یہ کتاب آئی ہے، اب جو میں اس کا نام پڑھتا ہوں تو "**اَنْجَاسُ الْخَنَّاس**" (شیطان کی نجاستیں) ہے۔ حیرت میں پڑ گیا کہ مصنف نے یہ کیا نام رکھا؟ جب غور سے دیکھا تو ''جناس'' کے شروع میں ''اَنْ'' بڑھا ہوا ہے اور ''جناس'' کو ملا کر نون کا شوشہ غائب ہوگیا۔ دوسرے لفظ سے لا کر سیاہی سے بھر دیا کہ

پھول معلوم ہونے لگا۔"جیم" کے اوپر "الخ" بڑھادیا خاصا "اَنجَاسُ الْخَنَّاس" ہوگیا۔

نصیحۃ المسلمین کے بجائے فضیحۃ المسلمین:

مولوی خرم علی صاحب بلہوری مشہور وہابی ہیں، اُن کی ایک کتاب مشہور مشرک گر ہے، جس کا نام نصیحۃ المسلمین ہے، لیکن باتیں وہی ہیں جو تقویۃ الایمان میں ہیں۔ مطبع والے نے مصنف کا نام اِس طرح ملا کر لکھا "خر معلی"۔

میں نے جس زمانے میں حضرت کا کتب خانہ درست کرنا شروع کیا، ایک کتاب دیکھی جس کا نام "فَضِیْحَۃُ المُسلمین" (مسلمانوں کی بدنامی)، اور مصنف کا نام "خَر مُعَلّٰی" (بڑا گدھا) ہے، دیکھ کر سمجھا کہ کوئی مذاق کی کتاب ہے؛ اِس لیے نام بھی ایسا ہے اور مصنف کا نام بھی ویسا ہے۔ غور کر کے دیکھتا ہوں تو نصیحۃ کے "نون" کو سر دے کر "ف" بنا دیا گیا اور "ص" پر نقطہ بڑھا ہوا ہے۔ اِس طرح کتاب کے نام کو مسمّٰی کے مطابق کر دیا ہے، یعنی فضیحۃ المسلمین (مسلمانوں کی رسوائی)۔ مصنف کا نام کاتب نے غلط اِملا سے لکھا، خرم کی "میم" کو "علی" میں ملا کر معلی کی شکل کا لکھا، اعلیٰ حضرت نے اُس پر اعراب لگا دیا ہے۔

تقویۃ الایمان کے بجائے تفویۃ الایمان:

تَقْوِیَۃُ الایمان مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی کی معروف و مشہور کتاب ہے کہ شروع سے اخیر تک شرک و بدعت سے بھری ہوئی ہے۔ اِس کے "قاف" کے دو نقطوں کو اِس طرح ملا دیا کہ ایک نقطہ معلوم ہونے لگا، اور بجائے تقویۃ الایمان "تَفْوِیَۃُ الایمان" (ایمان ضائع کرنا) اسم با مسمّٰی ہوگیا۔

حِفظ الایمان کے بجائے خَبطُ الایمان:

مولوی اشرفعلی تھانوی نے حضور اقدس ﷺ کی توہین آمیز کتاب کا نام حِــفْــظُ الایمان رکھا۔ اعلیٰ حضرت نے "ف" کو اِس طرح بنا دیا کہ "ب" کا شوشہ معلوم ہو اور "ح" کو "ب" کا نقطہ دے کر "ظ" کے نقطہ کو مٹا دیا اور اس کا صحیح نام خَبطُ الایمان کر دیا۔

حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ لِهَدْمِ آثارِ الْمُبْتَدِعِيْن:

اذانِ ثانی جمعہ میں اعلیٰ حضرت نے مردہ سنت کو زندہ کیا (مسجد سے باہر اذان دینے کو رواج دیا)، اِس پر بعض علمائے اہل سنت نے بھی اِس کا خلاف کیا، جن میں پیش پیش جناب مولانا عبد الغفار خان صاحب رامپوری تھے، کہ باوجود افہام و تفہیم اپنی ضد پر اَڑے رہے۔ موصوف نے اس سلسلہ میں رسالہ لکھا، اعلیٰ حضرت کے پاس جب وہ رسالہ پہنچا تو دائروی شکل (گولائی) میں تحریر حَبْلُ اللّٰـهِ الْـمَتِيْـنُ لِهَدْمِ آثارِ الْمُبْتَدِعِيْنَ دیکھ کر فرمایا: مولانا عبد الغفار خان صاحب نے اپنے رسالہ کا نام بہت عمدہ رکھا ہے۔ لوگ شوق سے متوجہ ہوئے کہ اعلیٰ حضرت اس کا نام کیا فرماتے ہیں؛ اس لیے کہ رسالہ سب کے سامنے تھا۔ جب سب لوگوں کا اشتیاق ملاحظہ فرمایا، اِرشاد ہوا: مولانا نے اس کا نام آثَـــارُ الْـمُبْتَـدِعِيْـنَ لِهَـدْمِ حَبْلِ اللّٰهِ الْمَتِيْنِ (بدعتیوں کے نشانات اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی کو کمزور کرنے کے لیے) رکھا ہے۔

حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خاں صاحب نے جب اِس رسالہ کا رد لکھا تو اُس میں اُن کے رسالہ کا یہی نام تحریر فرمایا اور حاشیہ میں یہی وجہ لکھی۔ جب رسالہ چھپ کر شائع ہوا اور مولانا عبد الغفار خان صاحب کی خدمت میں بھیجا گیا، تو اُنھوں نے نہایت سادگی

کے ساتھ کہا کہ مولانا کا ظلم دیکھیے! میرے رسالے کا نام اُنھوں نے آثَارُ الْمُبْتَدِعِیْنَ قرار دیا اور ہم لوگوں کو مبتدع بنا دیا۔ مخلص مولانا مقبول احمد خان صدر در بھنگوی بہاری، سابق مدرس حدیث مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ تشریف رکھتے تھے۔ اُنھوں نے فرمایا: جناب! مبتدع تو پہلے آپ نے ہی اُن کو بنایا؛ رسالہ کا نام حَبْلُ اللّٰہِ الْمَتِیْنُ لِھَدْمِ آثَارِ الْمُبْتَدِعِیْن رکھا۔ اُنھوں نے اس کو لَوٹ (اُلٹ) دیا، عطائے تو بلقائے تو۔ رہا نام کا بدل دینا یہ خود آپ کے مطبع کی غلطی تھی؛ نام دائرہ میں لکھ کر اُنھوں نے خود اِس کا موقع دیا، مولانا (اعلیٰ حضرت) پر کیا الزام ہے؟

سبیل الرشاد:

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے اپنے خیالات کا آئینہ ایک رسالہ لکھا اور اُس کا نام رکھا سبیل الرشاد، غالباً مطبع مجتبائی میں طبع ہوا تھا۔ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں جب وہ رسالہ آیا، اُسے ملاحظہ فرما کر ٹائٹل پر اُس کے نام کے اوپر بڑھا دیا:

قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِیْکُمْ اِلَّا مَآ اَرٰی وَمَآ اَھْدِیْکُمْ اِلَّا

تو سب مل کر فرعون کا مقولہ ہوگیا، جو سورہ مؤمن، آیت: 29 میں ہے:

قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِیْکُمْ اِلَّا مَآ اَرٰی وَمَآ اَھْدِیْکُمْ اِلَّا سَبِیْلَ الرَّشَادِ

فرعون بولا میں تو تمھیں وہی سمجھاتا ہوں جو میری سوجھ ہے اور میں تمھیں وہی بتاتا ہوں جو سبیل الرشاد (بھلائی کی راہ) ہے۔

القاسم:

ایک مرتبہ دیوبند سے ایک رسالہ کسی نے بھیج دیا، اُس کا نام تھا: ''الــقــاســم''. اعلیٰ

حضرت نے قلم سے وہیں لکھ دیا مَحْرُوْمٌ (قاسم محروم ہے)۔ یہ قصہ شہر میں مشہور ہوا تو ایک بہت بڑے وہابی نے بڑے تأسف کے ساتھ کہا کہ رسالہ کا یہ نام کیوں رکھا گیا؟ اور رکھا گیا تھا تو اعلیٰ حضرت تک کیوں پہنچایا گیا؟

ضمناً ایک واقعہ مولانا نسیم بستوی کی ''مجدد اسلام'' سے پیش خدمت ہے:

سید قناعت علی صاحب (برادرِ سید ایوب علی صاحب) اپنا ایک واقعہ کچھ یوں ذکر کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے مجھے ایک کتاب عنایت فرمائی اور کہا: ''اِس کتاب کی کل جلد بندھوا کر لے آیئے۔'' میں نے بجائے جلد ساز کے پاس جانے کے بازار سے تین پیسے میں جلد باندھنے کا سامان خریدا اور خود اپنے ہاتھوں سے جلد باندھ کر حضور کی خدمت میں پیش کر دی۔

اعلیٰ حضرت نے استفسار فرمایا: ''اِس کی اجرت کتنی ہوئی؟'' جواب میں مَیں نے عرض کیا: ''تین پیسے۔'' اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ: ''صرف تین پیسے میں جلد کیسے تیار ہو سکتی ہے؟'' میں نے واقعہ بیان کرتے ہوئے عرض کیا کہ حضور سامان خرید کر میں نے ہی اپنے ہاتھوں سے باندھی ہے۔ اس پر اعلیٰ حضرت نے مزاحاً ارشاد فرمایا:

بہت بڑے جَلّاد آپ !!

(اعلیٰ حضرت نے ''جلاد'' کو جلد ساز کے معنی میں استعمال فرمایا)

(مجدد اسلام، از مولانا نسیم بستوی، ص:106)

سرکارِ اعلیٰ حضرت کا سفرِ آخرت

تحریر: یادگارِ اسلاف مولانا محمد حسن علی رضوی، میلسی

آخری ایام کے احوال:

مجدد دین و ملت، شیخ الاسلام والمسلمین، مولانا الشاہ امام احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کو جب ضُعف، نقاہت اور مسلسل علالت کے سبب روزے رکھنے کی طاقت نہ رہی تو ماہ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ / مئی 1921ء میں کوہ بھوانی، جہاں سردی ہوتی ہے، رونق افروز ہوئے اور روزے رکھے اور وہیں پر آپ نے اپنی حیاتِ ظاہری کے آخری ماہ مبارک میں ۳ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ کو اپنے وصال کی خبر دیتے ہوئے "وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّ اَكْوَابٍ." سے اپنی تاریخ وصال ۱۳۴۰ھ رقم فرمائی۔ ۴ محرم الحرام ۱۳۴۰ھ کو آپ نے بھوانی پہاڑ سے بریلی شریف مراجعت فرمائی۔

بلادِ ہند سے علماء و مشائخ اور احبابِ اہل سنت عیادت و زیارت کی نیت اور شرف بیعت حاصل کرنے کی غرض سے بڑی تعداد میں بریلی آنا شروع ہو گئے۔ دورانِ علالت کثرت سے ذکرِ شاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اور دُرود پاک وِردِ زبانِ اقدس رہا۔ اپنے اور مسلمانانِ اہلِ سنت کے حُسنِ خاتمہ کی دعا فرماتے رہتے۔

تضرع، زاری اور خشیتِ الٰہی کی کیفیت غالب رہی۔ اکثر احادیث رقاق بیان فرماتے۔ خود آپ کی اور حاضرین کی روتے روتے ہچکی بندھ جاتی۔ اکثر فرماتے:

"جس کا ایمان پر خاتمہ ہو گیا اس نے سب کچھ پالیا۔"

کبھی اِرشاد ہوتا:

''اگر بخش دے تو اُس (اللہ تعالیٰ) کا فضل ہے نہ بخشے تو اس کا عدل ہے۔''

اکثر دین و ایمان کو بچانے کی سخت تاکید و نصیحت فرماتے۔ رحمۃ اللہ علیہ

آخری وصیت:

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے آخری وصیت میں ارشاد فرمایا:

''پیارے بھائیو! مجھے معلوم نہیں کہ میں کتنے دن تمہارے اندر ٹھہروں گا۔ تین ہی اوقات ہوتے ہیں: بچپن، جوانی اور بڑھاپا۔ بچپن گیا، جوانی آئی جو چلی گئی، بڑھاپا آیا۔ اب کون سا چوتھا وقت آنے والا ہے؟ اب موت ہی باقی ہے۔ اللہ تعالیٰ قادر ہے ایسی ہزار مجلسیں عطا فرمائے۔ آپ سب لوگ ہوں اور میں آپ لوگوں کو سناتا رہوں، مگر بظاہر اب اس کی امید نہیں۔''

فرمایا: ''اے لوگو! تم پیارے مصطفیٰ ﷺ کی بھولی بھالی بھیڑیں ہو اور بھیڑیے تمہارے چاروں طرف ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ تمہیں بہکائیں، تمہیں فتنہ میں ڈال دیں، تمہیں اپنے ساتھ جہنم میں لے جائیں۔ اُن سے بچو اور دور بھاگو۔ تمہارے ایمان کی تاک میں ہیں، اُن کے حملوں سے ایمان کو بچاؤ۔

مصطفیٰ کی بھولی بھیڑو! بھیڑیوں سے تم بچو
جو کریں تو ہین اللہ اور نبی کی دوستو
اپنے ایمان کی حفاظت اُن کے حملوں سے کرو
غوثِ اعظم ہیں مدد پر اُن کا دامن تھام لو

فرمایا: ''حضور اقدس سید عالم ﷺ اللہ رب العزت جل جلالہ کے نور ہیں۔ حضور سے صحابہ کرام روشن ہوئے، صحابہ سے تابعین عظام روشن ہوئے اور تابعین سے تبع تابعین

روشن ہوئے، ان سے ائمۂ مجتہدین روشن ہوئے، اُن سے ہم روشن ہوئے اب ہم تم سے کہتے ہیں یہ نور ہم سے لے لو۔ وہ نور یہ ہے اللہ و رسول کی سچی محبت، اُن کی تعظیم، اُن کے دوستوں کی خدمت، اُن کی تکریم اور اُن کے دشمنوں سے سچی عداوت۔

جس سے اللہ و رسول (جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم) کی شان میں ادنیٰ توہین پاؤ، پھر وہ تمہارا کیسا ہی پیارا کیوں نہ ہو فوراً اس سے جدا ہو جاؤ۔ جس کو بارگاہِ رسالت میں ذرہ بھی گستاخ دیکھو پھر وہ تمہارا کیسا ہی بزرگ کیوں نہ ہو اپنے اندر سے اُسے دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو۔ مَیں پونے چودہ برس کی عمر سے یہی بتارہا ہوں اور اس وقت بھی یہی عرض کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ضرور اپنے دین کی حمایت کے لیے اپنے کسی بندے کو کھڑا کر دے گا۔

خوب سن لو! حجۃ اللہ قائم ہو چکی ہے، اب مَیں قبر سے اُٹھ کر تمہارے پاس بتانے نہ آؤں گا۔ جس نے سنا اور مانا قیامت کے روز اُس کے لیے نور و نجات ہے، اور جس نے نہ مانا اس کے لیے ظلمت و ہلاکت ہے۔

خبردار اعدا کے دم میں نہ آنا — یہ کرتا وصایا ہمارا رضا ہے
تمیز حق و باطل کی تفہیم کر کے — یہ ارشاد کرتا ہمارا رضا ہے

یادِ مدینہ:

ایامِ علالت ہی میں اپنے ایک عزیز طریقت مولانا مولوی عرفان علی صاحب کے نام ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

"وقتِ مرگ قریب ہے اور میرا دل ہند تو ہند، مکہ معظمہ میں بھی مرنے کو نہیں چاہتا، اپنی خواہش یہی ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایمان کے ساتھ موت اور وہ بقیعِ مبارک میں خیر کے

ساتھ دفن نصیب ہوا اور وہ قادر ہے۔بہر حال اپنا خیال ہے:

یہ سر ہو اور سنگِ در، وہ سنگِ در ہو اور یہ سر
رضا وہ بھی اگر چاہیں تو اب دل میں یہ ٹھانی ہے

جامِ وصال:

۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ، سرکار اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت، مجدّدِ دین وملت رضی اللہ تعالی عنہ نے جمعۃ المبارک کے روز، اذانِ جمعہ کے وقت ٹھیک دو بج کر اڑتیس منٹ پر، جب کہ مؤذن حیّ علی الفلاح کہہ کر فلاح ونجات کا پیغام دے رہا تھا، جامِ وصالِ حقیقی پورے سرور انبساط، کیفِ نشاط سے نوش فرمایا اور داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ وصال سے دو گھنٹہ، سترہ منٹ قبل تجہیز و تکفین وغیرہ سے متعلق چودہ اہم باتوں پر مشتمل ہدایات قلمبند کرائیں اور دستخط فرمائے۔

آخری تحریر:

۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ، بارہ بج کر اکیس منٹ پر دستِ کرامت سے یہ آخری تحریر رقم فرمائی: ''وَ اللّٰهُ شَهِيدٌ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى وَ بَارَكَ وَ سَلَّمَ عَلٰى شَفِيعِ الْمُذْنِبِينَ وَاٰلِهِ الطَّيِّبِينَ وَصَحْبِهِ الْمُكَرَّمِينَ، وَابْنِهِ وَحِزْبِهِ اِلٰى اَبَدِ الْاٰبِدِينَ. آمین. وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ.''

تحریر مذکورہ بالا کے بعد ارشاد فرمایا: ''وقت کیا ہے؟'' عرض کیا گیا: ''ایک بج کر چھپن (۵۶) منٹ ہو رہے ہیں۔'' فرمایا: ''گھڑی مکمل سامنے رکھ دو۔''

پھر یکا یک ارشاد فرمایا: ''تصاویر ہٹا دو۔'' حاضرین کے دل میں خیال گزرا کہ یہاں

تصاویر کا کیا کام؟ یہ خطرہ گزرنا تھا کہ خود ہی اِرشاد فرمایا: ''یہی کارڈ، لفافہ، روپیہ، پیسہ۔''

پھر ذرا وقفہ سے اپنے خلفِ اکبر حجۃ الاسلام حضرت مولانا شاہ محمد حامد رضا خاں صاحب قدس سرہ سے فرمایا: ''وضو کر آؤ اور قرآن مجید لاؤ۔'' وہ ابھی تشریف نہ لائے تھے تو اپنے خلفِ اصغر مفتیٔ اعظم ہند مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ سے فرمایا: ''اب بیٹھے کیا کر رہے ہو، سورہ یٰسین شریف، سورۂ رعد شریف کی تلاوت کرو۔'' اب آپ کی عمر شریف سے صرف چند منٹ رہ گئے تھے۔ ایسے حضورِ قلب اور تیقّظ سے آیات سنیں کہ جس آیت میں اشتباہ ہوا یا سننے میں پوری نہ آئی یا سبقتِ زبان سے زیر، زبر میں فرق محسوس ہوا خود تلاوت فرمادی۔

لمحاتِ آخریں:

اِس کے بعد سید محمود علی صاحب ایک مسلمان ڈاکٹر عاشق حسین کو اپنے ہمراہ لائے، اس وقت جو حضرات اندر گئے سب کے سلام کے جواب دیے اور سید محمود علی صاحب سے دونوں ہاتھ بڑھا کر مصافحہ فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب نے اعلیٰ حضرت امامِ اہل سنت سے حال دریافت کرنا چاہا۔ مگر آپ اس وقت حکیمِ مطلق جل مجدہٗ کی طرف متوجہ تھے۔ ڈاکٹر صاحب سے اپنے مرض یا علاج کے متعلق کچھ ارشاد نہ فرمایا۔

سفر کی دعائیں، جن کا چلتے وقت پڑھنا مسنون ہے تمام وکمال بلکہ معمول شریف سے زائد پڑھیں۔ پھر کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ پورا پڑھا۔ پھر طاقت نہ رہی اور سینے پر دم آیا۔ ادھر ہونٹوں کی حرکت وذکر پاس انفاس کا ختم ہونا تھا کہ چہرہ مبارک پر ایک لمعہ نور کا چمکا، جس میں جنبش تھی۔ جس طرح آئینہ میں لمعانِ خورشید جنبش کرتا ہے۔

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

حضرت ممدوح نے ایامِ علالت کے اِسی زمانہ میں فرمایا تھا:

''جنھیں سرکار (پیارے مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم ایک جھلک دکھادیتے ہیں وہ شوقِ دیدار میں ایسے جاتے ہیں کہ جانا (جان کنی کی شدت) معلوم بھی نہیں ہوتا۔''

اِس کا مشاہدہ ہزاروں علماء، مشائخ، احباب کو اس وقت ہوا جب ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ کو امام اہل سنت سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے جامِ وصالِ حقیقی نوش فرمایا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے چہرہ انور پر بشاشت وشادمانی، فرحت ومسرت کے آثار نمایاں تھے۔

لحد میں عشقِ رخِ شہ کا داغ لے کے چلے
اندھیری رات سنی تھی چراغ لے کے چلے

تجہیز و تکفین:

مجدّدِ دین وملت سیدنا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے غسل شریف میں علمائے کرام، مشائخ وسادات عظام بڑی تعداد میں موجود تھے۔ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ حضرت سید اظہر علی صاحب نے لحد مبارک کھودی۔ حسبِ وصیت صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی صاحب، مصنف بہارِ شریعت قدس سرہٗ نے غسل دیا۔ جناب حافظ امیر حسن صاحب مراد آبادی نے مدد دی۔ حضرت مولانا سید سلیمان اشرف (پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)، برادرِ اعلیٰ حضرت مولانا محمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہم، حضرت مولانا شاہ علامہ حسنین رضا خاں صاحب (خلیفہ و برادر زادۂ اعلیٰ حضرت) اورحضرت سید محمود جان صاحب وسید مختار علی صاحب پانی وغیرہ دینے میں مصروف رہے۔

خلفِ اصغر حضرت مفتیٔ اعظم ہند مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمہ علاوہ دیگر خدماتِ غسل کے وصیت نامہ کی دعائیں بھی یاد کراتے رہے۔ خلفِ اکبر سیدی حضرت حجۃ

الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خاں علیہ الرحمہ نے مواضعِ سجود پر کافور لگایا۔حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی قدس سرہٗ نے کفن پہنایا۔

ع عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

پھر دیدارِ عام کے بعد عمر بھر عشق رسالت کا پیغام دینے والے سچے عاشق رسول ﷺ کا جنازہ مبارکہ بہت دھوم دھام اور بڑی شان سے اُٹھایا گیا۔ اِس رقّت آمیز و پُر کیف منظر کا نظارہ دیکھنے والے ہی بیان کر سکتے ہیں۔عیدگاہ بریلی شریف کے وسیع وعریض گراؤنڈ میں نمازِ جنازہ ہوئی۔

وصیت کے مطابق خود اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی اپنی مدح کا کوئی شعر جلوس جنازہ میں نہ پڑھا گیا، بلکہ بارگاہِ رسالت میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا رقم فرمودہ: ''تم پہ کروڑوں دُرود'' نعت خواں پڑھتے رہے۔بعدِ جنازہ محلّہ سوداگراں میں دار العلوم منظر اسلام، رضا مسجد سے متصل دفن کیے گئے۔

مزارِ پُر انوار پر گنبد اور وسیع حسین عمارت اوّلین سجادہ نشین، حجۃ الاسلام مولانا شاہ سیدی حامد رضا خاں صاحب قدس سرہٗ کے ایامِ سجادہ نشینی میں تعمیر ہوئی، جو اب بہت بوسیدہ خستہ حالت میں ہے۔مسلمانانِ اہلِ سنت، برادرانِ طریقت کو اِس عظیم روحانی مرکز کی طرف توجہ اور مالی اعانت از خود کرنی چاہیے۔

شیخ المشائخ کا مشاہدہ:

ناگپور، سی پی میں جماعت اہل سنت کے زیرِ اہتمام یوم ولادت اعلیٰ حضرت کے عظیم الشان اجتماع سے خطاب فرماتے ہوئے خطیبِ اعظم ہند، حضرت علامہ ابو الحامد سید محمد

صاحب اشرفی جیلانی محدثِ کچھوچھوی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ میں بریلی کے حالات سے بے خبر اپنے مکان پر (کچھوچھہ شریف میں) تھا، میرے حضور شیخ المشائخ حضرت سیدنا شاہ علی حسین صاحب اشرفی میاں قدس سرہ وضو فرما رہے تھے کہ اچانک آہ کہہ کر رونے لگے، مگر کسی کو رونے کا سبب معلوم نہ ہوا۔ ہم نے خیال کیا کہ شاید کسی کیڑے نے کاٹ لیا ہے۔ دریافت کیا تو فرمانے لگے: ''بیٹا فرشتوں کے کاندھوں پر قطب الارشاد اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ مبارکہ دیکھ کر رو پڑا ہوں۔''

تھوڑی دیر کے بعد بریلی کا تار پہنچا تو ہمارے گھر میں کہرام مچ گیا، خانوادۂ اشرفی کا ہر فرد، زار و قطار رونے لگا۔

بارگاہ رسالت میں انتظار:

اعلیٰ حضرت مجدّدِ دین وملت قدس سرہ العزیز کے بکثرت سوانح نگاروں نے حضرت حافظِ ملت مولانا شاہ حافظ عبد العزیز صاحب محدث (بانی عربی یونیورسٹی مصباح العلوم مبارکپور، اعظم گڑھ) کی یہ روایت نقل کی ہے کہ ''ہم اجمیر مقدس دار العلوم جامعہ معینیہ عثمانیہ میں حضرت سیدی صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی صاحب اعظمی قدس سرہ کے حلقۂ درس میں شامل تھے۔ آستانہ عالیہ سلطان الہند خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ پر اکثر بزرگان دین علماء و مشائخ کرام کی زیارتیں میسر آتی تھیں۔

ماہ ربیع الآخر ۱۳۴۰ھ میں ایک نہایت جلیل القدر شامی بزرگ تشریف لائے اور حضرت دیوان سید آل رسول صاحب سجادہ نشین کے ماموں جان حضرت قبلہ دہلوی صاحب کے مہمان ہوئے۔ بڑی شان کے بزرگ تھے۔ طبیعت میں استغنا تھا۔ جس طرح لوگ

عربوں کی مدد کرتے ہیں، نذرانہ پیش کرتے ہیں، اُن کو بھی پیش کرتے، مگر وہ کسی کا کچھ قبول نہ کرتے اور فرماتے: "فارغ البال ہوں، مجھے روپے پیسے کی ضرورت نہیں ہے۔" اُن کے اس استغنا اور طویل سفر پر تعجب ہوا۔ عرض کیا: حضور! اس طویل سفر کا مقصد کیا تھا؟ فرمایا: "مقصد تو بڑا عظیم تھا مگر حاصل نہ ہوا۔" ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ کا واقعہ ہے، میری قسمت بیدار ہوئی۔ خواب میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زیارت سے مشرف ہوا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حاضر خدمت ہیں، ایک خاموشی اور سکوت طاری ہے، معلوم ہوتا ہے کسی کا انتظار ہے۔ میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا: فداک أبی و اُمّی! کس کا انتظار ہے؟ ارشاد فرمایا: "احمد رضا کا انتظار ہے۔" میں نے عرض کیا: "احمد رضا کون ہیں؟" فرمایا: "ہندوستان میں بریلی کے باشندے ہیں۔"

بیداری کے بعد تحقیق پر معلوم ہوا کہ مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب بڑے ہی جلیل القدر عالم باعمل ہیں۔ مجھے مولانا کی ملاقات کا شوق یہاں لایا۔ یہاں آکر معلوم ہوا کہ اُسی دن ۲۵ صفر کو آپ کا وصال ہوگیا ہے۔ سبحان اللہ۔

اپنے کرم کا جب وہ صدقہ نکالتے ہیں
ہم سوں کو پالتے ہیں اور ایسا ہی پالتے ہیں

خلفائے امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

تحریر: مولانا محمد عاصم محبوب رضوی، مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

شرفِ ملت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

''امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کرامت ہی کہیے کہ اُن کے تلامذہ اور خلفا نہ صرف علم و فضل بلکہ صلابتِ دینی میں بھی اُن کے مظہر تھے۔''

حجۃ الاسلام مولانا مفتی محمد حامد رضا خاں قادری رحمۃ اللہ علیہ:

آپ ۱۲۹۲ھ بمطابق 1875ء میں بریلی شریف میں پیدا ہوئے۔ ''حجۃ الاسلام'' اور ''اِمام الاولیاء'' کے القاب سے مشہور ہیں۔ اپنے والد ماجد امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ سے درسیات کی تکمیل کی۔ حضرت سید ابوالحسین احمد نوری رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ مبارک پر بیعت ہوئے اور خلافت سے نوازے گئے۔ والدِ ماجد اعلیٰ حضرت نے بھی تمام سلاسل میں خلافت و اجازت عطا فرمائی۔ عربی زبان پر دسترس رکھتے تھے۔ تدریس اور تحریر کے علاوہ تقریر بھی مدلل اور مؤثر ہوتی تھی۔ آپ کے بارے آپ کے والدِ گرامی نے فرمایا تھا:

''حامد رضا کا ہاتھ میرا ہاتھ ہے اور ان کی بیعت میری بیعت اور ان کا مرید میرا مرید ہے۔''

1943ء میں آپ کا وصال ہوا۔

ابوالبرکات محی الدین محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری رحمۃ اللہ علیہ:

آپ ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ بمطابق 7 جولائی 1892ء بروز جمعۃ المبارک بریلی

شریف میں پیدا ہوئے۔ آپ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بیٹے تھے۔ سید المشائخ حضرت سید ابوالحسین احمد نوری رحمۃ اللہ علیہ جب بریلی شریف تشریف لائے تو چھ ماہ کے مصطفیٰ رضا خاں کو گود لیا، پیشانی کو بوسہ دیا، اپنی انگشت شہادت آپ کے منہ میں ڈالی اور سلسلۂ بیعت میں داخل فرما کر تمام سلاسل میں اجازت و خلافت سے نوازا۔ آپ نے اکثر علوم و فنون اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیے اور اپنے بڑے بھائی مولانا حامد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اکتساب علم کیا۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو 25 سلاسل اولیا و سلاسل حدیث کی اجازت عطا فرمائی۔ آپ نے متعدد کتب تصنیف فرمائیں۔

۱۴ محرم ۱۴۰۲ھ بمطابق 11 نومبر 1981ء بروز بدھ بریلی شریف میں آپ نے وصال فرمایا۔

قطب مدینہ مولانا ضیاء الدین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ اگست 1877ء بمطابق ۱۲۹۴ھ، سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ سیالکوٹ اور لاہور میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حدیث شریف کا درس لیا۔ 1897ء میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ مبارک پر بیعت ہوئے اور اجازت و خلافت سے نوازے گئے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر کثیر مشائخ سے بھی اجازت و خلافت حاصل تھی۔ آپ فرمایا کرتے تھے:

"میرے چچا تو بہت ہیں مگر روحانی باپ ایک ہی ہے، یعنی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ۔"

صدرالافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ ۲۱ صفر ۱۳۰۰ھ بمطابق یکم جنوری 1883ء بروز پیر پیدا ہوئے۔ آٹھ سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا۔ علوم دینیہ کی تحصیل اور ایک سال فتوی نویسی کی مشق کے بعد 1902ء میں دستارِفضیلت حاصل کی۔ سلسلہ عالیہ قادریہ میں مولانا سید گل محمد رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ مبارک پر بیعت ہوئے اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے بھی خلافت حاصل ہوئی۔ آپ کو اعلیٰ حضرت سے والہانہ عقیدت تھی اور اعلیٰ حضرت کو بھی آپ پر اِس قدر اعتماد تھا کہ جہاں کہیں بھی مناظرہ ہوتا آپ ہی کو بھیجتے۔ آپ کو مناظرہ میں کافی مہارت تھی۔

آپ نے ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۶۷ھ بمطابق 23 اکتوبر 1948ء بروز جمعۃ المبارک وصال فرمایا۔

صدرالشریعہ مولانا شاہ محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ ۱۲۹۶ھ بمطابق 1878ء میں قصبہ گھوسی، محلّہ کریم الدین، ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ علوم وفنون کی تکمیل کے بعد مولانا شاہ وصی احمد محدثِ سورتی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درسِ حدیث لیا۔ جب اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو مدرسہ منظر اسلام میں مدرس کی ضرورت پیش آئی تو مولانا وصی احمد سورتی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا نام پیش کیا، جسے اعلیٰ حضرت نے پسند فرمایا۔ آپ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اتباعِ شریعت اور عشقِ رسول سے اِس قدر متاثر ہوئے کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک پر بیعت کی اور بہت جلد خلافت سے نوازے گئے۔ ''بہارِشریعت'' آپ ہی کی شہرۂ آفاق تصنیف ہے۔

۲ ذیقعدہ ۱۳۶۷ھ / 6 ستمبر 1948ء بروز پیر آپ نے وصال فرمایا۔

ملک العلما علامہ مولانا محمد ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ:

آپ بریلی شریف میں امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن سے اتنے متاثر ہوئے کہ محرم ۱۳۲۲ھ مطابق 1904ء میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردی اختیار کی۔ تحصیل علوم سے فراغت کے بعد اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو تمام سلاسل میں خلافت واجازتِ مطلقہ سے نوازا اور ''ملک العلما'' اور ''فاضل بہار'' کا لقب عطا فرمایا۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو آپ سے ایک خاص محبت تھی۔

آپ صاحب تصانیف تھے۔ ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' آپ ہی کی مایہ ناز تالیف ہے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر اب تک جو کچھ بھی لکھا گیا ہے اُس کی بنیاد یہی کتاب ہے۔

۱۹ جمادی الاخری ۱۳۷۲ھ بمطابق 18 نومبر 1962ء کی رات ذکر جہر ''اللہ اللہ'' کرتے ہوئے واصل بحق ہوئے۔

مولانا امام الدین قادری رضوی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ کوٹلی لوہاراں، ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ اپنے وقت کے جید اساتذہ سے علومِ دینیہ کی تحصیل کے بعد اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور سلسلہ عالیہ قادریہ میں خلافت و اجازت حاصل کی۔

آپ کے دونوں بڑے بھائی مولانا علامہ ابوعبد القادر، محمد عبد اللہ کوٹلوی اور فقیہ اعظم مولانا محمد شریف کوٹلوی رحمہ اللہ بھی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز تھے۔ آپ پنجابی کے بہترین شاعر اور صاحب تصانیف تھے۔

آپ کا وصال ۱۹ ربیع الاوّل ۱۳۸۱ھ بمطابق 20 اگست 1961ء کو ہوا۔

حضرت مولانا تقدس علی خان رحمۃ اللہ علیہ:

آپ اپنے علم و عمل، فضل و شرف اور دینی خدمات کی بنا پر صفِ اوّل کے علما میں شمار ہوتے تھے۔ آپ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے چچازاد بھائی مولانا سردار ولی خان نوری کے بیٹے، مولانا حامد رضا خان علیہ الرحمہ کے شاگرد اور داماد، دارالعلوم منظرِ اسلام بریلی شریف کے سابق مہتمم، جامعہ راشدیہ (پیر جوگوٹھ، سندھ) کے شیخ الجامعہ، پیر صاحب پگارہ اور سینکڑوں علما کے استاد تھے۔ آپ کو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے والہانہ محبت تھی۔

آپ کا وصال ۳ رجب ۱۴۰۸ھ بمطابق 22 فروری 1988ء کو ہوا۔

امام المحدثین مولانا سید محمد دیدار علی شاہ اَلوری رحمۃ اللہ علیہ:

آپ ۱۲۷۳ھ بمطابق 1856ء بروز پیر، محلّہ نواب پورہ، اَلور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے چچا جان مولانا سید نثار علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی ولادت سے قبل آپ کی والدہ کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا:

"بیٹی! تیرے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو دینِ مصطفوی کو روشن کرے گا، اُس کا نام دیدار علی رکھنا۔"

ایک مرتبہ مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا سید دیدار علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کیا اور ملاقات کے لیے کہا۔ شاہ صاحب نے کہا: "بھائی! مجھے اُن سے کچھ حجاب سا آتا ہے، وہ پٹھان خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور سنا ہے طبیعت سخت ہے۔" جب مولانا نعیم الدین مرادآبادی کے اِصرار پر اعلیٰ حضرت کی

خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: ''حضور مزاج کیسے ہیں؟'' اعلیٰ حضرت نے فرمایا:

''بھائی کیا پوچھتے ہو؟ پٹھان ذات ہوں، طبیعت کا سخت ہوں۔''

کشف کی یہ کیفیت دیکھ کر شاہ صاحب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو اِجازت وخلافت عطا فرماتے ہوئے تمام اوراد ووظائف کی اجازت عنایت فرمائی۔

۲۲ رجب ۱۳۸۴ھ بمطابق ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو آپ کا وصال ہوا۔

مفتیٔ اعظم پاکستان ابوالبرکات سید احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ:

آپ ۱۳۱۹ھ بمطابق 1901ء میں امام المحدثین حضرت علامہ مولانا پیر سید دیدار علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ذات گرامی پوری دنیا کے اہل علم کے لیے بالعموم اور اہلیانِ پاکستان کے لیے بالخصوص ابرِ رحمت کی حیثیت رکھتی تھی۔ عوام وخواص مسائل کے حل کے لیے آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ آپ کو ''فتاویٰ رضویہ'' پر بڑا اِعتماد تھا، اکثر اسی سے مسائل نکال کر دکھایا کرتے تھے۔

آپ کا وصال ۲۰ شوال ۱۳۹۸ھ بمطابق 24 ستمبر 1978ء بروز اتوار کو ہوا۔ آپ کا مزار مبارک دار العلوم حزب الاحناف، گنج بخش روڈ، لاہور میں ہے۔

محدثِ اعظم ہند مولانا سید محمد محدثِ کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ ۱۵ ذی قعدہ ۱۳۱۱ھ بروز بدھ قصبہ جائس، رائے بریلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کو حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی اولاد ہونے کا بھی شرف حاصل ہے۔ فتویٰ نویسی کی تربیت کے لیے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جو کچھ محسوس کیا اُس کا اظہار اِن الفاظ میں کیا کہ ''آج تک جو کچھ پڑھا تھا وہ کچھ نہ تھا اور

اب ایک دریائے علم کے ساحل کو پالیا ہے۔''

پانچ ہزار غیر مسلم آپ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے۔

آپ نے ۱۶ رجب ۱۳۸۳ھ بمطابق 3 دسمبر 1963ء بروز پیر وصال فرمایا۔

مولانا شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ 3 اپریل 1892ء بمطابق ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ کو محلّہ مشائخاں میرٹھ (یوپی۔انڈیا) میں پیدا ہوئے۔آپ کا سلسلہ نسب خلیفۂ اوّل جناب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتا ہے۔علومِ اسلامیہ کے ساتھ ساتھ عصری علوم سے بھی مزین تھے۔ بریلی شریف حاضر ہوکر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اکتساب فیض کرتے رہے اور آپ کے دستِ مبارک پر ہی بیعت ہوئے اور اجازت و خلافت سے بھی نوازے گئے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو دشمنانِ اسلام پر غالب رہنے کی نوید اِس شعر میں سنائی۔

عبدالعلیم کے علم کو سن کر　　　جہل کی بہل بھگاتے یہ ہیں

۲۳ ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ بمطابق 22 اگست 1954ء کو مدینہ منورہ میں آپ کا وصال ہوا۔

حضرت علامہ مولانا مفتی غلام جان ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ ۱۳۱۶ھ بمطابق 1896ء میں مقام اوگرہ، تحصیل مانسہرہ، ضلع ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا شہرہ سن کر مرکزِ علم و عرفان بریلی شریف آئے اور یہیں درسِ نظامی کی آخری کتابیں پڑھ کر صحاح ستہ کا دورہ کیا۔ ۱۳۳۷ھ کے جلسۂ دستار بندی میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے دست مبارک پر بیعت ہوئے اور پھر خلافت سے نوازے گئے۔ آپ صاحب تصانیف تھے۔

۲۵ محرم ۱۳۷۹ھ بمطابق یکم اگست 1959ء کو کلمہ شریف اور صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہوئے واصل بحق ہوئے۔

حضرت مولانا سید فتح علی شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ:

آپ ۱۱ ربیع الاوّل ۱۲۹۶ھ بمطابق 15 مارچ 1879ء کو کھروٹہ سیداں، ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد اور جدِّ امجد اپنے دور کے مقتدر فضلا میں شمار کیے جاتے تھے۔ جامعہ حنفیہ، گجرات اور جامع مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی میں علوم دینیہ کی تحصیل کے بعد مدرسہ منظر الاسلام، بریلی شریف میں دورہ حدیث شریف کیا اور 1914ء میں سندِ حدیث حاصل کی۔ 1918ء میں دوبارہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوکر بیعت ہوئے اور 1920ء میں اجازت اور خلافت سے نوازے گئے۔

۸ رجب ۱۳۷۷ھ بمطابق 18 جنوری 1958ء کو آپ کا وصال ہوا۔

مولانا سید محمد سلیمان اشرف بہاری رحمۃ اللہ علیہ:

آپ تقریباً ۱۲۹۵ھ بمطابق 1878ء میں محلہ میر داد بہار (ضلع پٹنہ) میں پیدا ہوئے۔ طریقت کے اعتبار سے چشتی، نظامی، فخری، سلیمانی تھے اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اجازت وخلافت حاصل تھی۔

۲۰، ۱۳۱۹ھ بمطابق 1902ء میں علی گڑھ یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات کے چیئر مین مقرر ہوئے۔ علامہ عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> ''اہل سنت و جماعت پر آپ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ آپ نے مولانا علامہ فضل حق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ کی لاجواب تصنیف ''امتناع النظیر'' پہلی دفعہ

شائع کر کے اُسے علمی دنیا میں متعارف کروایا۔"

۱۵ ربیع الاوّل ۱۳۵۸ھ بمطابق 25 اپریل 1939ء میں آپ کا وصال ہوا اور علی گڑھ کے قبرستان میں دفن کیے گئے۔

فقیہ اعظم مولانا ابو یوسف محمد شریف رحمۃ اللہ علیہ:

آپ کوٹلی لوہاراں، ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ حضرت خواجہ حافظ عبد الکریم نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ مبارک پر بیعت ہوئے اور خلافت سے نوازے گئے اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اِجازت و خلافت حاصل تھی۔ آپ بے مثل مقرر اور خطیب ہونے کے ساتھ باکمال مصنف بھی تھے۔

90 سال کی عمر میں 15 جنوری 1951ء کو آپ نے وصال فرمایا۔ درّے والی مسجد، کوٹلی لوہاراں، ضلع سیالکوٹ میں آپ کا مزار ہے۔

حضرت مولانا عمر الدین ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ ہری پور، ہزارہ کے نواحی قصبہ کوٹ نجیب اللہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کو تاج الفحول مولانا شاہ عبد القادر بدیوانی اور اعلیٰ حضرت دونوں سے اِجازت و خلافت کا شرف حاصل تھا۔ آپ بہترین مقرر اور بلند پایہ مناظر ہونے کے ساتھ صاحبِ تصانیف بھی تھے۔

لیلۃ القدر کے مبارک لمحات میں دو اور تین جنوری کی درمیانی رات 1931ء میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ کا مزار مبارک کوٹ نجیب اللہ میں ہے۔

مرکز علم وعرفان، منبع عشق وایقان دار العلوم منظر اسلام، بریلی شریف

تحریر: شرف ملت، شیخ الحدیث مولانا محمد عبد الحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ

نوٹ: درج ذیل مضمون مئی، 2001ء میں دار العلوم منظرِ اسلام کے جشن صد سالہ کے موقع پر مجلّہ النظامیہ میں شائع ہوا۔

منظر اسلام!۔۔۔۔۔تو نے

☆ ظلمت کدۂ ہند میں پرچم اسلام بلند کیا۔

☆ شدھی اور سنگھٹن (مسلمانوں کو ہندو بنانے کی دو) تحریکوں کا مقابلہ کر کے لاکھوں مسلمانوں کو ارتداد کے گڑھے سے نکالا۔

☆ قادیانیت، نیچریت، رافضیت اور وہابیت پر ایسی کاری ضرب کاری لگائی کہ آج بھی اُس کے اثرات باقی ہیں۔

☆ گستاخیوں کے طوفانوں کی زد میں اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق ومحبت کی شمع مسلمانوں کے دلوں میں روشن رکھی۔

زمانے میں ہے احسان آپ کا احمد رضا خان
پڑھایا جس نے ہر دم سنیوں کو "یا رسول اللہ"

☆ اُس وقت عظمتِ اُلوہیت اور ناموسِ رسالت کا پہرہ دیا جب بعض کلمہ پڑھنے والے

کہہ رہے تھے کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے اور نبی اکرم ﷺ ہم جیسے بشر ہیں۔

☆ تو نے دو قومی نظریے کا پرچار کیا، جس کی بنیاد پر پاکستان معرض وجود میں آیا، یہی وہ نظریہ ہے جس کی حمایت قائداعظم اور علامہ اقبال نے کی۔

☆ 1940ء میں قراردادِ پاکستان کے پاس ہوتے ہی پاکستان کے حق میں فتوی دیا۔

☆ اور تیرے ہم مسلک علما نے پاکستان کی حمایت میں پوری قوت صرف کر دی، یہاں تک کہ پاکستان معرض وجود میں آ گیا۔

☆ اور تیرے ہم مسلک علماء و مشائخ نے 1946ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس، بنارس منعقد کی جو تحریک پاکستان کے لیے سنگ میل ثابت ہوئی۔

☆ تو نے بیک وقت ہندو اور انگریز کی سیاست کا سحر توڑا

☆ کانگریس اور کانگریسی علما کی یلغار کو ناکام بنایا۔

☆ ملتِ اسلامیہ کو عظیم ترین فتاوی (فتاوی رضویہ) عظیم ترجمۂ قرآن پاک (کنزالایمان) اور عشق مصطفیٰ ﷺ کا نعتیہ دیوان (حدائق بخشش) دیا۔

☆ پاک و ہند میں محافل میلاد کی بہار اور نعرۂ رسالت کی گونج تیرے دم قدم سے ہے۔

☆ تیرے فیض یافتگان میں سے محدثِ اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد چشتی قادری، شیخ القرآن علامہ عبدالغفور ہزاروی، علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری، علامہ وقار الدین (کراچی) اور علامہ سید جلال الدین شاہ (بھکھی شریف) رحمہم اللہ تعالیٰ نے تیرا فیضان صرف پاکستان کے گوشے گوشے تک ہی نہیں دوسرے ممالک تک بھی پہنچایا۔

☆ تو نے چودھویں صدی کے مجدد، بریلی کے تاجدار، امام اکبر احمد رضا خاں بریلوی کے ہاتھوں زندگی کا آغاز کیا، جن کا پیغام پوری دنیا میں بایں الفاظ گونج رہا ہے:

ٹھوکریں کھاتے پھروگے اُن کے در پہ پڑ رہو

قافلہ تو اے رضا اوّل گیا، آخر گیا

جن کو علامہ اقبال نے اپنے دور کا امام ابو حنیفہ قرار دیا، ملتِ اسلامیہ کے عظیم محسن، ایٹمی سائنس دان ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے جنہیں انگریز اور ہندو کے چنگل سے امت مسلمہ کا نجات دہندہ قرار دیا، جن کے بارے میں جناب محمد اعظم چشتی نے کہا:

علم و حکمت کو کیا جس نے شناسائے جنوں

ہے وہ فیضان رضا، واللہ فیضان رضا

راہ پاتے ہیں یہیں سے رہروانِ کوئے دوست

جا کے ملتی ہے حرم سے کوئے ایوانِ رضا

منظرِ اسلام!

☆ تجھے دنیا بھر کے اہل محبت خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

☆ تیرے اِحسانات کے پیش نظر اسلامیان پاکستان تجھے ہدیۂ سپاس پیش کرتے ہیں۔

یہ امر باعث مسرت وفرحت ہے کہ دار العلوم منظرِ اسلام بریلی شریف کو قائم ہوئے سو سال پورے ہو چکے ہیں اور بریلی شریف ۲۵ صفر ۱۴۲۲ھ کو امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ العزیز کے عرس کے موقع پر جشن صد سالہ منایا جارہا ہے۔ دنیا بھر کے اہل سنت و جماعت آستانہ عالیہ رضویہ بریلی شریف کے سجادہ نشین حضرت مولانا سبحان رضا خان مدظلہ العالی، منظر اسلام کے اساتذہ، طلبا اور معاونین کو مسرت وشادمانی کے اِس سعید موقع پر تہِ دل سے ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں۔

بلاشبہ دار العلوم منظرِ اسلام، بریلی شریف مینارۂ نور و ہدایت ہے...... مرکز حق

وصداقت ہے...... منبع رشد و معرفت ہے...... سرچشمۂ فیض و برکت ہے...... شیخ مکتب کے فیضانِ نظر کا یہ عالم ہے کہ جو یہاں آیا صبغۃ اللہ (اللہ تعالیٰ کے رنگ) میں رنگا گیا...... کوئی مفتیٔ اعظم ہند ہوا تو کوئی ملک العلما کہلایا...... کوئی مفسر اعظم ہند، تو کوئی شیر بیشۂ اہلِ سنت قرار پایا...... کوئی محدث اعظم پاکستان بنا تو کوئی شیخ القرآن کے منصب پر فائز ہوا۔

منظر اسلام، بریلی شریف ۱۳۲۲ھ میں ابتداءً رحیم یار خان کے مکان پر قائم کیا گیا...... مولانا ظفر الدین بہاری اور مولانا عبد الرشید عظیم آبادی دو طلبہ سے مدرسہ کا افتتاح ہوا...... محدث بریلوی امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ نے بخاری شریف کا سبق شروع کرایا...... منظر اسلام تاریخی نام ہے جو امام احمد رضا بریلوی کے چھوٹے بھائی مولانا علامہ محمد حسن رضا نے تجویز کیا...... وہی اِس مدرسہ کے پہلے مہتمم مقرر ہوئے۔

دوسرے سال ۱۳۲۳ھ کی روئداد منظر اسلام بریلی شریف اِس وقت میرے سامنے ہے، جسے علامہ محمد حسن رضا خان نے مرتب کیا تھا۔ دار العلوم نعیمیہ کراچی کے شیخ الحدیث حضرت مولانا جمیل احمد نعیمی مدظلہ کی عنایت سے یہ روئداد راقم کو حاصل ہوئی، اِس روئداد میں دوسرے سال کی آمدن اور خرچ کی تفصیل بیان کی گئی ہے، نیز کلاس وار طلبا کی تعداد اور زیرِ درس کتابوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔

عام طور پر مدارس میں ابتدائی کلاس کو پہلی کلاس قرار دیا جاتا ہے اور آخری کلاس یعنی درجۂ حدیث کو آٹھویں کلاس کہا جاتا ہے، جب کہ اِس مدرسہ میں قرآن پاک کی کلاس کو درجۂ اول قرار دیا گیا۔ اس درجے میں پڑھنے والے پچیس طلبہ تھے، چار طلبہ قواعد بغدادی پڑھنے والے تھے۔ دوسرے درجے میں پڑھنے والے طلبا کی تعداد اکیس تھی، ان میں مولانا سید حکیم عزیز غوث، مولانا ظفر الدین بہاری، مولانا سید عبد الرشید، مولانا نواب مرزا،

وغیرہم علما تھے، اور یہ درس نظامی کی آخری کلاس تھی۔ تیسرے درجے میں ستائیس طلبہ تھے۔ چوتھے درجے میں چونتیس (۳۴) طلبا تھے۔ ان درجات کے طلبا کی مجموعی تعداد 116 تھی، جب کہ باقی درجات کے طلبا کی تعداد کا ذکر نہیں ہے۔۔ امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالی کی سوچ کی ایک انفرادیت یہ تھی کہ حدیث شریف کی کلاس کا نام درجۂ ثانیہ اور ابتدائی کتب پڑھنے والے طلبا کی کلاس کا نام درجہ ثامنہ رکھا۔

اس روئداد سے منظر اسلام کے نصاب کا بھی پتا چلتا ہے، نصاب میں جہاں منطق کی کتب میر زاہد، ملا جلال، ملا حسن، حمد اللہ، قاضی مبارک، شرح سلّم بحر العلوم، فلسفہ میں میبذی اور علم ہیئت میں تصریح وغیرہ کتب شامل ہیں، وہیں صحاح ستہ کے علاوہ شفاء شریف اور مسند امام اعظم بھی شامل نصاب ہیں، جنہیں آج بھی شامل نصاب کرنے کی ضرورت ہے، اِسی طرح فارسی کی متعدد کتب، تعلیم عزیزی، اخلاق محسنی، انوار سہیلی، گلزار دبستاں (حصہ اول) رقعات مظہر الحق وغیرہ شامل ہیں۔

اِس روئداد میں امتحان لینے والے علما کے تاثرات بھی شامل ہیں، ممتحن حضرات کی فہرست حسب ذیل ہے:

(۱) حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی۔

(۲) حضرت مولانا عبد السلام جبلپوری۔

(۳) مولانا حافظ قاری بشیر الدین جبلپوری۔

(۴) حضرت مولانا شاہ سلامت اللہ رامپوری۔

(۵) مولانا محمد ارشد علی رامپوری۔ رحمهم الله تعالی.

حضرت مولانا عبد السلام جبلپوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے تحریر کردہ تاثرات سے معلوم ہوتا

ہے کہ حضرت مفتیٔ اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں رحمہ اللہ اور حضرت مولانا حسنین رضا خاں رحمہ اللہ تعالیٰ بھی امتحان دینے والوں میں شامل تھے، اگر چہ یہ واضح نہیں ہوتا کہ کس درجے کا امتحان دیا؟ مولانا عبد السلام جبلپوری تحریر فرماتے ہیں:

"خصوصاً میاں مولوی مصطفیٰ رضا خان اور میاں مولوی حسنین رضا خان نے جس عمدگی اور خوبی وخوش اُسلوبی کے ساتھ نہایت بلند مرتبہ کا شاید و باید محققانہ امتحان دیا، حق تو یہ ہے کہ وہ انہیں کا حصہ تھا۔ بارک اللہ فی علمھما و فھمھما۔" (روئداد ۱۳۲۳ھ، ص:۳)

حضرت علامہ مولانا شاہ سلامت اللہ رامپوری تلمیذِ رشید حضرت مولانا شاہ ارشاد حسین رامپوری رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"ہمت عالی اور توجہ خاص منتظم دفتر جناب مولانا محمد حسن رضا خان صاحب دام مجدہم سے اُمید کامل ہے کہ اس مدرسۂ مبارکہ سے جس کی نظیر اقلیم ہند میں کہیں نہیں ہے، ایسے برکات فائض ہوں جو تمام اطراف و جوانب کی ظلمات اور کدورات کو مٹائیں اور ترویجِ عقائد حقّہ مُنیفہ اور ملتِ بیضاء شریفہ حنفیہ کے لیے ایسی مشعلیں روشن ہوں جن سے عالم منور ہو۔" (روئداد، ص:۵۱)

اِس روئداد میں طلبہ کے لکھے ہوئے دو فتوے بھی شامل ہیں، ایک فتوی اُردو میں ہے، جو مولانا ظفر الدین بہاری کا تحریر کردہ ہے اور دوسرا فارسی میں ہے، جو مولانا علامہ غلام محمد بہاری کا لکھا ہوا ہے، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ منظر اسلام میں کس نہج پر طلبا کو تیار کیا جاتا تھا۔

منظر اسلام بریلی شریف کے پہلے مہتمم حضرت مولانا حسن رضا خان تھے، دوسرے مہتمم حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں (م:۱۳۶۲ھ) کے بعد پانچ، چھ سال مولانا تقدس علی

خاں مہتمم رہے، پھر مفسرِ اعظم ہند مولانا ابراہیم رضا خان، اُن کے بعد مولانا ریحان رضا خان رحمہم اللہ تعالی اور اب حضرت مولانا سبحان رضا خان قادری رضوی مدظلہ العالی مہتمم ہیں۔

اساتذۂ کرام:

ابتدائی دور کے اساتذہ میں یہ نام ملتے ہیں:

مولانا بشیر احمد......علی گڑھ

مولانا علامہ رحم الٰہی......مظفر نگر

صدر الشریعہ مولانا امجد علی......گھوسی، اعظم گڑھ

بدر الطریقہ مولانا عبد العزیز خان......بجنور

حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان......بریلی شریف (فرزندِ اکبر امام احمد رضا)

صدر الشریعہ مولانا امجد علی علوم شرعیہ نقلیہ میں اور مولانا علامہ رحم الٰہی علوم عقلیہ میں ممتاز تھے، اِن میں سے کسے صدر مدرس بنایا جائے؟ اِس بارے میں آراء مختلف ہوگئیں، امام احمد رضا بریلوی نے فرمایا:

اِنھیں باری باری صدر مدرس بنایا جائے اور پچاس روپے مشاہرہ دیا جائے۔

اگر کوئی مدرس غیر حاضر ہوتا تو اُس کی ایک دن کی تنخواہ کاٹ لی جاتی اور اگر ان کے صاحبزادے (حضرت حجۃ الاسلام) غیر حاضر ہوتے تو اُن کی دو چند تنخواہ کاٹ لی جاتی تھی۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز کی للّٰہیت کا یہ عالم تھا کہ نظامِ حیدر آباد دکن نے آپ کے صاحبزادے حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان کو صدر الصدور کے عہدے پر مقرر کرنا منظور کیا، جب یہ آرڈر امام احمد رضا خاں بریلوی رحمہ اللہ کو دکھایا گیا تو آپ نے یہ کہہ کر معاملہ ختم کر دیا۔

ایں دفتر بے معنی غرق مئے ناب اولیٰ

اِسی طرح نظام حیدر آباد دکن نے منظرِ اسلام بریلی شریف کے لیے دوسو روپے ماہانہ منظور کیے، جو امام احمد رضا بریلوی نے تا حیات وصول نہیں کیے، البتہ آپ کی وفات کے بعد حجۃ الاسلام کے دور میں وصول کیے گئے۔ آپ نے فرمایا تھا:

کروں مدحِ اہلِ دُوَل رضا، پڑے اِس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا، میرا دین پارہ ءناں نہیں

یہ صرف اُن کا قول نہیں تھا، بلکہ اُنھوں نے اِس پر عمل کر کے دکھا دیا اور اِس کی برکت یہ ہوئی کہ اُن کا قائم کیا ہوا دار العلوم دنیا بھر کے اہلِ سنت و جماعت کا مرجع اور مرکز قرار پایا...... اور موجودہ سجادہ نشین حضرت مولانا سبحان رضا خاں مدظلہ العالی نے سابق وزیرِ اعظم ہند کی دو کروڑ روپے کی پیشکش مسترد کر کے اسلاف کی یاد تازہ کر دی۔

اللہ تعالیٰ منظرِ اسلام، بریلی شریف کو مزید وسعت اور ترقی عطا فرمائے۔ اس عظیم الشان ادارے کو صبحِ قیامت تک پائندہ وسلامت رکھے آمین...... مقامِ مسرت ہے کہ اِس وقت بھی متبحر علما اور مدرسین کی ایک ٹیم منظرِ اِسلام میں مسندِ تدریس کی زینت ہے اور علما سازی کا فریضہ انجام دے رہی ہے۔

آستانہ عالیہ رضویہ زندہ باد.......... منظرِ اسلام پائندہ باد

فہرست

جامعہ نظامیہ رضویہ
کی خدمات پر ایک نظر
جامعہ نظامیہ رضویہ رئیس المحدثین، امام الاتقیاء، حضرت مفتی اعظم مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی کی ہمیشہ رہنے والی بے مثال یادگار ہے۔
جامعہ ہذا عرصہ 56 سال سے دینی وملی خدمات سرانجام دے رہا ہے۔
جامعہ ہذا سے اب تک ہزاروں علماء، قراء اور حفاظ فارغ ہو چکے ہیں۔
بلجیم، برطانیہ، امریکہ، دوبئی، جرمنی اور ساؤتھ افریقہ میں جامعہ کے بے شمار فضلاء خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔
جامعہ ہذا نے لاہور کے علاوہ شیخوپورہ، ایبٹ آباد و دیگر شہروں میں بھی دینی تعلیم کے تقریباً 80 مکاتب قائم کیے ہیں۔
جامعہ ہذا کے زیر اہتمام تقریباً 7000 ہزار طلباء وطالبات کے قیام وطعام کتب، علاج معالجہ اور دیگر جملہ ضروریات کا انتظام وانصرام جامعہ کی طرف سے مفت کیا جاتا ہے۔
جامعہ ہذا میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے علوم اسلامیہ کی ابتداء سے لے کر اعلیٰ درجات تک معیاری تعلیم دی جاتی ہے۔ جبکہ حالاتِ حاضرہ کے تحت جدید علوم ریاضی، انگلش، سائنس، کمپیوٹر وغیرہ میٹرک تک تعلیم کا بھی خصوصی انتظام ہے۔
جامعہ ہذا میں 300 سے زائد مدرسین وعلماء کرام تعلیم دے رہے ہیں۔
جامعہ ہذا کے دارالافتاء سے مسلمانوں کی دینی مسائل میں راہنمائی کی جاتی ہے۔
جامعہ ہذا کی کوئی مستقل آمدنی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فقط اپنے اہل خیر بندوں کے ذریعے دین کا یہ عظیم الشان کام لے رہا ہے۔
جامعہ کی مالی حالت...... بوجہ مستقل ضروری اخراجات اور تعمیر کے...... اہل خیر کی خصوصی توجہ کی مستحق ہے۔
نوٹ
جامعہ کے منتظمین، اساتذہ اور معاونین ان مفید اغراض ومقاصد کی تکمیل کے لئے شب وروز سرگرم عمل ہیں۔ جامعہ کا سالانہ میزانیہ 3,50,000,00 (ساڑھے تین کروڑ) سے متجاوز ہے۔
آپ اپنی گوناگوں مصروفیات سے وقت نکال کر جامعہ کی ضروریات سے آگاہی کے لئے خود تشریف لائیے یا پھر گھر بیٹھے جامعہ کی ویب سائٹ کا وزٹ کیجئے
Email:
Account Number of Jamia Nizamia Rizvia
0177-3461-0, 0177/4500-1
MCB Shah Allam Market Lahore